سفر نامہ ابنِ بطوطہ

حصّہ دوم

جو ہندوستان، پاکستان، مالابار، کالی کٹ، جزائرِ مالدیپ
لنکا، سیام، کمبوڈیا، انڈونیشیا، بلادِ جاوا، عرب، ایران،
شام، سوڈان اور چین کے عجیب و غریب حالاتِ سفر
پر مشتمل ہے۔

مُترجّمہ

رئیس احمد جعفری (ندوی)

JAF & CO.
Plot # 43/4 Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ـــــ کراچی (پاکستان)
قیمت :- مجلد [redacted] روپے

جملہ حقوق طباعت واشاعت اردو ترجمہ
سفرنامہ ابن بطوطہ
بحق
چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری
مالک
نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ کراچی محفوظ ھیں

بہ اہتمام
خالد اقبال گاہندری

طبع اوّل ———— دسمبر ۱۹۶۱ء
طبع دوم ———— جنوری ۱۹۶۳ء
طبع سوم ———— مارچ ۱۹۶۵ء
طبع چہارم ———— اپریل ۱۹۶۸ء

BOOK BUSINESS
BOOK SELLERS & STATIONERS,
20-C, Central Commercial Area,
Tariq Road, P.E.C.H.S, KARACHI-29
Phone 437781

طباعت

مُسافِر

یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صورت
یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت

یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش

خودی کی یہ ہے منزلِ اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

(اقبالؔ)

○

اس سفر نامہ کے مطالعے سے دو حقیقتیں اور
زیادہ روشن ہوکر نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔

○

وہ عظیم الشاں مکاں دتی تھیں جن کی رفعتیں
مِنس کے طاق آسماں کو طاق ابروسے جواب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنہیں کہتی تھی خلق
کیقباد و قیصر و کیخسرو افراسیاب
مہروش، بہرام صولت۔ بدر قدر چرخ ورخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب،

○

یا تو وہ ہنگامۂ نشیط تھا یا دفعۃً
کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر و ایوانِ خراب
خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ عالم بالصواب

(نظیر اکبرآبادی)

○

سَفرنامۂ ابن بطوطہ

○

حصہ دوم پر تبصرہ

پہلا حصّہ سفرنامۂ ابن بطوطہ کا آپ پڑھ چکے اب دوسرا حصّہ مطالعہ میں آئے گا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے حصہ کا بھی سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ تاکہ آئندہ جو مباحث زیر نظر آئیں گے ان کا پس منظر سامنے رہے۔

پہلا حصہ تمام تر بلاد اسلامیہ اور ممالک عربیہ کی سیر و سیاحت پر مشتمل تھا، جس میں حجاز مقدس بھی شامل ہے، دوسرا حصّہ، ہندوستان (بشمول پاکستان) ملحقہ اقطاع ارض۔ پڑوسی ممالک، انڈونیشیا، سیام، کمبوڈیا اور چین وغیرہ کے سفر پر مشتمل ہے۔

چین، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات کا سفر اختیار کیا، وقت کا زیادہ حصہ، ہندوستان و پاکستان میں بسر ہوا خوش قسمتی یا بدقسمتی سے قیام ہند

ایسی باتیں بھی بیان کرتا ہے عام طور پر جن کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے۔

ایک اور بات جو اس حصّہ کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ لکھ لٹ تھا۔ بڑی سے بڑی رقم بھی اس کے پاس آئی اور گئی، یہ بات بجائے خود عیب کیوں نہ ہو لیکن اس میں ایک بہت بڑی خوبی بھی مضمر ہے۔ یعنی وہ زر پرست نہیں تھا، اور روپے کے لیے، ایمان و ضمیر کا سودا نہیں کرتا تھا۔

یہ دوسرا حصہ پہلے حصہ سے کہیں زیادہ دلچسپ ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی، واقعات و حوادث کے اعتبار سے بھی۔!

رئیس احمد جعفری
ٹیگور پارک - لاہور

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	حدود سندھ میں داخلہ ڈاک کا بہترین انتظام ایک عجیب جانور گینڈا، سندھ کے چند شہر	۴۸۱
	منزل بہ منزل یک سیر پیام رسانوں کا انتظام	۴۸۲
	سلطان محمد شاہ تغلق کا حسن سلوک پردیسیوں اور مسافروں کے ساتھ	۴۸۳
	ایک عجیب وغریب جانور گینڈا، ! گینڈے کا شکار	۴۸۴
۲	شہر سیہوان رتن اور جام و نار کی خوں ریز جنگ	۴۸۶
	سندھ کی ایک قدیم بندرگاہ "لاہری" ایک نامعلوم شہر کے کھنڈرات، کیا یہ دیبل تھا ؟	۴۸۹
۳	بھکر یا سکھر ایک قدیم شاندار اور بارونق شہر	۴۹۱
۴	اوچ ایک قدیم اور تاریخی شہر کی زیارت	۴۹۳

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۹۵	**ملتان**	۵
	ہندوؤں کا ایک مقدس ترین اور قدیم ترین شہر	
۴۹۷	فوجی سپاہیوں کے کرتب، دلاوری اور بہادری کے مظاہرے	
"	شہنشاہ محمد تغلق کی سلک ملازمت میں داخل ہونے کے لیے اکابر کا ہجوم	
۴۹۸	آدابِ طعام، دسترخوان کی وسعت، رنگا رنگ کھانے	
۵۰۰	**ملتان سے دہلی کی طرف کوچ**	۶
	شہر ابوہر، آم کی تعریف، ہندوستان کے دوسرے پھل اور میوے	
"	آم، آم کا اچار، کٹھل، کیسرو اور جامن وغیرہ کا ذکر	
۵۰۲	اناج اور غلّہ، ماش، مونگ، لوبیا، موٹھ، کودوں وغیرہ	
۵۰۳	ہندو رہزنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی داستان	
۵۰۵	**اجودھن یعنی پاک پٹن**	۷
	حضرت شیخ فریدالدین عطار، رحمۃ اللہ علیہ کا شہر	
۵۰۶	ستی کی رسم کا دل خراش منظر، میں بیہوش ہوگیا	
۵۰۹	شہر سرسہ میں داخلہ	
"	شہر ہانسی وہاں کی خوب صورت عمارتیں اور اونچی فصیل	
۵۱۰	مسعود آباد اور پالم میں ہمارا داخلہ	
۵۱۲	**دہلی**	۸
	شہر کی وسعت، استحکام، فصیلیں اور انبار خانے	
۵۱۵	**مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار**	۹
	دلّی کی عمارتیں، شمسی حوض، مزارات و مقابر کا بیان	
۵۱۹	**دہلی میں اہل اللہ کے مزارات**	۱۰
	دہلی کے علماء صلحاء اور ارباب فضل و کمال	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

دلّی پر مسلمانوں کا قبضہ

•

دلّی کے ملوک وسلاطین نام بنام

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۱	قطب الدین ایبک جس نے دلی فتح کی، قطب مینار تعمیر کیا، مسجد قوت الاسلام کی بنیاد ڈالی	۵۲۴
۱۲	سلطان شمس الدین التمش عادل، صالح، فاضل، اور دادرس بادشاہ	۵۲۶
۱۳	سلطان رکن الدین عادل باپ کا ظالم بیٹا	۵۲۸
۱۴	سلطانہ رضیہ بیدار مغز، مدبّر، باہمّت اور اولوالعزم خاتون فرماں روا	۵۲۹
۱۵	سلطان ناصر الدین ایک درویش صفت فرماں روا	۵۳۱
۱۶	سلطان غیاث الدین بلبن بندِ غلامی سے تختِ شہنشاہی تک	۵۳۲
۱۷	سلطان معز الدین کیقباد اقتدار و اختیار اور سطوت شاہی کی دھوپ چھاؤں	۵۳۵
۱۸	جلال الدین فیروز خلجی حلیم، بردبار، رحم دل، اور نیک سرشت بادشاہ	۵۳۸
۱۹	سلطان علاؤ الدین خلجی ایک من چلا اور بیدار مغز شہنشاہ	۵۴۱

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۵۴۵	**سلطان شہاب الدین خلجی** نمک حرام ملک کافور کی اقتدار پسندی کی بدترین مثال	۲۰
۵۴۷	**سلطان قطب الدین خلجی** ایک عیاش اور ظالم بادشاہ کا حسرت ناک انجام	۲۱
۵۵۳	**خسرو خان** ایک نومسلم جو مرتد ہو گیا، اور جس نے خلجی خاندان کا خاتمہ کر دیا	۲۲
۵۵۸	**سلطان غیاث الدین تغلق**	۲۳

ابوالمجاہد

سلطان محمد شاہ تغلق

•

تصویر کے دو رُخ

پہلا رُخ

•

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۵۶۵	**بادشاہ والا جاہ** عادات و خصائل، اور اخلاق و شمائل کا ذکر	۲۴
۵۶۸	**بادشاہ کا دربار** حضور سلطانی میں باریاب ہونے کے آداب و عوائد	۲۵
۵۷۲	**جشنِ عید** شہنشاہ ہندوستان کا جلوس نماز عید کے لیے	۲۶
۵۷۳	بادشاہ نماز عید کس طرح ادا کرتا ہے	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۷	**دربار عید** اسلامی شان اور تجمل کے روح پرور نظارے	۵۷۵
۲۸	**سفر سے واپسی پر** شہنشاہ کی سواری باد بہاری کا نظارہ	۵۷۶
۲۹	**"شاہی دسترخوان"** "برایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست!"	۵۷۹
۳۰	**تغلق کی داستان جود وسخا**	۵۸۲
	خلیفہ عباسی کے قاصد سے حسن سلوک کی حیرت انگیز مثال	۵۸۴
	ایک واعظ شیریں بیاں کو گراں بہا تحائف دے ڈالے	۵۸۵
	خلفائے عباسیہ سے عقیدت مندی کا والہانہ انداز	۵۸۷
	فی شعر ایک ہزار اشرفی کا بے مثال عطیہ	"
	ایک فاضل شخص کو بے طلب دس ہزار روپے بخش دیے	"
	قاضی مجدالدین کو گھر بیٹھے دس ہزار روپیہ بھیج دیا	"
	ایک پردیسی واعظ کو چالیس ہزار کا عطیہ	۵۸۸
	ایران کے ایک شاہزادے کے ساتھ حسن سلوک	"
۳۱	**ابن خلیفۃ المسلمین دہلی میں** بادشاہ کی طرف سے خاطر مدارت اور عقیدت کے والہانہ واقعات	۵۹۰
۳۲	**ایک غریب الوطن امیر** جس پر تغلق نے نوازشوں کی بھرمار کر دی شہزادی فیروزہ کی سیف الدین سے شادی کا شاندار جشن طرب	۵۹۶
۳۳	**خواجہ جہاں کی لڑکیوں کی شادی** بادشاہ نے خود نائب بن کر سارے کام کئے	۶۰۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	دین دار بادشاہ	
۳۴	ایک ہندو کا بادشاہ پر دعوئ مظلوم کی داد رسی، قحط زدوں کی مدد	۲۰۳
	باجماعت نماز نہ پڑھنے والوں پر بادشاہ کا عتاب	۲۰۴

تصویر کے دو رُخ

دوسرا رُخ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	خوں ریز اور سفاک بادشاہ	۲۰۸
۳۵	سوتیلی ماں اور بھائی کا قتل	۲۰۹
۳۶	تین سو سپاہی ایک وقت قتل کروا ڈالے	
	بوریۂ فقر اور تخت شاہی کی ٹکر	۲۱۰
۳۷	حضرت شیخ شہاب الدین کی تحقیر اور بے دردانہ قتل	
	دو سندھی عالموں کا قتل	۲۱۳
۳۸	غلط الزام کے اقرار کے بعد بھی قتل، اور انکار کے بعد بھی قتل	
	ایک عالم دین کا قتل	
	شیخ زادہ ہود کا قتل	۲۱۶
۳۹	خود ہی سجادہ نشین بنایا، خود ہی قتل کر دیا	۲۱۸
	مقتول کے بیٹوں کا قتل، تعمیل حکم کرنے والے قاضی کا قتل	
	شیخ علی حیدر کا قتل	۲۲۰
۴۰	"مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی!"	
	سوداگر بچے کا قتل	۲۲۲
۴۱	امیر علی تبریزی کا جرم بے گناہی	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	دلّی کی بپتا : یہ شہر کس طرح ویران ہوا ؟	۶۲۳
	غیاث الدین بہادر کی سرکشی	۶۲۴

تغلق کے خلاف

•

شورشیں، بغاوتیں، اور ہنگامے

•

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۲	تغلق کے بھانجے بہاء الدین گشتاسپ کی بغاوت	۶۲۶
۴۳	کشلو خان کی بغاوت تغلق کے سر پر تاج دارائی رکھنے والے کا انجام	۶۲۹
۴۴	ہمالہ کی مہم چین فتح کرنے کا عزم جو پورا نہ ہو سکا	۶۳۱
۴۵	شرف جلال الدین کی بغاوت ہاتھی سے مجرم کس طرح کچلوایا جاتا تھا ؟	۶۳۳
۴۶	حاکم لاہور کی بغاوت امیر ہلاجون وغیرہ کی سرکشی کا عبرت ناک انجام	۶۳۵
	ملک ہوشنگ کی بغاوت	۶۳۶
۴۷	عین الملک کی بغاوت بیوی کی وفاداری نے باغی کی جان بچالی	۶۳۹
		۶۴۷
۴۸	علی شاہ کی شامت	〃
	باغی کی سرفرازی، امیر بخت شرف الملک کی کہانی	

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	ابن بطوطہ اور تغلق	
	سیاح کے ذاتی مشاہدات	
	وارادات اور تاثرات	
۲۵۲	بادشاہ کی طرف سے مسافر کی عزت افزائی قصر ہزار ستون میں میرا داخلہ	۴۹
۲۵۶	شاہی مہمان کی حیثیت سے میری لڑکی کا انتقال، تقریب عید سعید	۵۰
۲۶۰	بادشاہ کی آمد بادشاہ کا شہر میں داخلہ، دربار کا نظارہ، انعامات و مناصب کی بارش مسافر (ابن بطوطہ) پر بادشاہ کی نوازشیں	۵۱
۲۶۹	شکار کے لیے بادشاہ کا کوچ	۵۲
۲۷۲	میری طرف سے بادشاہ کو ایک دلچسپ تحفہ	
۲۷۳	میرا نیا منصب قطب الدین خلجی کے مقبرہ کی تولیت اور انتظام تغلق کی اپنے آقا سے حیرت انگیز محبت	۵۳
۲۷۷	امروہہ اور بجنور کا سفر	۵۴
۲۸۰	مجھ پر عتاب شاہی میں نے ترک دنیا کا فیصلہ کر لیا	۵۵
۲۸۳	چین کی سفارت پر میرا تقرر سامان سفر کی تیاری، دہلی سے روانگی، دیار ہند کی سیاحت	۵۶

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۸۹	کالی ندی اور قنوج	
۲۹۰	ہنول، وزیر پور، بجالسہ، موری میں داخلہ	
۲۹۱	شہر علا پور، وہاں کا جیالا اور من چلا حاکم	
۲۹۲	گوالیار میں ایک ہندو کی میں نے جان بچائی	
۲۹۳	دھار، سچی محبّت کی کہانی، ، گور عاشقاں ،	
۲۹۴	دولت آباد ، وہاں کی رونق، بازار طرب - مرہٹہ عورتیں	
۲۹۶	نذربار میں آمد، حدود شرعی کا اجرا	
//	کھمبایت میں ورود، ایک عجیب داستان	
۲۹۷	گاوی و قندھار میں آمد	
	مغربی گھاٹ	
۲۹۹	سمندر کے سفر کا آغاز، مختلف مقامات میں ورود	۵۷
//	بیرم و قوعہ کے جزیروں میں داخلہ اور وہاں کی سیر	
۷۰۱	ایک مومن کا فرنما سے ملاقات کی حیرت انگیز داستان	
۷۰۲	ہنور، ہندوستان میں شافعیوں کا مرکز	
۷۰۳	سلطان ہنور کے صفات و حسنات جمیلہ	
	مالابار	
۷۰۵	مالابار کے راجہ کا قبول اسلام عربوں کا وقار اور اثر مالابار کے ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ	۵۸
۷۰۸	مالابار کے شہر اور مقامات - ابی سرور اور منجرور وغیرہ	
۷۰۹	مسجد کی بے حرمتی کی خدائی سزا سے ہندوؤں کی دہشت	
	کالی کٹ	
۷۱۰	عرب تاجروں کے عروج و فروغ کا گہوارہ	۵۹

۶۰	جزائر مال دیپ یکے از عجائبات عالم	۷۱۲
۶۱	سفر چین چینی جہاز، بحری سفر، جہاز کی تباہی، واپسی	۷۱۴
	چینی جہازوں کا طرز تعمیر اور اندرونی حالات	"
	ہولناک طوفان میں پڑ کر جہاز کی تباہی و بربادی	۷۱۵
	میرے جہاز اور میرے ساتھیوں کا جگر نگار انجام	۷۱۶
	کو چین کے ایک شہر کولم میں مسلمان تاجروں کی ثروت مندی	۷۱۷
	گوا کے جہاد میں میری شرکت . مسلمانوں کی فتح	۷۱۸
	میری کنیز، ساتھیوں اور غلاموں کا حشر	۷۲۰
۶۲	مال دیپ باشندے، مکانات، عادات و رسوم، عورتیں	۷۲۲
	مسافروں کا خیر مقدم اور ضیافت	۷۲۳
	ناریل کی رسی اور کوزیاں وغیرہ	//
	جزائر مال دیپ کی عورتیں اور ان کے طور طریقے	۷۲۴
	باشندگان جزائر مالدیپ کا قبول اسلام	۷۲۵
	جزائر مالدیپ کی ملکہ اور اس کا حال	۷۲۶
۶۳	مالدیپ کے شب و روز میرا عروج و زوال، نئی نئی شادیاں، الوداع	۷۲۸
	ایک مرہٹی کنیز کے مقابلے میں مالدیپی کنیز میں نے رد کر دی	۷۲۹
	دہلی سے زیادہ مالدیپ میں ٹھاٹھ اور رنگ رلیاں	۷۳۰
	خواہ کسی سے بھی ہو شادی ہر حالت میں منظور	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	قاضی کا منصب، ایک کے بعد دوسری اور پھر مسلسل شادیاں	۷۳۱
	بغاوت کی سازش ، ابن بطوطہ کی طرف سے	۷۳۲
	مالدیپ سے رخصت، چلتے چلتے دو اور شادیاں	″
۶۴	**لنکا** راون کے ملک میں داخلہ	۷۳۵
	راجہ سیلان کی مجھ پر نوازشیں اور عنایتیں	۷۳۶
	ایک مرد مومن کے کارنامے	۷۳۷
	کنکار، سنگ یاقوت کی چٹانیں، عجیب عجیب مشاہدات	″
۶۵	**کوہ سراندیپ** اڑنے والی جونک ، غار، قدم شریف	۷۴۰
۶۶	**بلاد معبر کی طرف کوچ** وہاں کے بادشاہ، باشندے، بحری قزاقوں کا سامنا	۷۴۲
	معبر کے سلاطین اور ان کی جاہ و جلال کا حال	۷۴۴
	مالدیپ پر حملہ کرنے کی ابن بطوطہ کی طرف سے ترغیب۔	۷۴۵
	سلطان غیاث الدین کا انتقال پُر ملال	۷۴۶
	معبر کا نیا بادشاہ سلطان ناصر الدین	۷۴۷
	دریائی ڈاکوؤں کا حملہ ، سب جمع پونجی چھن گئی	۷۴۸
	ایک مرتبہ پھر مالدیپ کا سفر ، نو مولود بیٹا	″
۶۷	**سفر بنگال** بنگال کے شہر، لوگ ، عام حالات، ضروریات زندگی کی ارزانی	۷۵۰
	ارزانی کی انتہا : میں نے ایک کنیز خریدی	″
	بنگال کے پہلے شہر سانگام میں داخلہ	″

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	کامروپ دلیں اور وہاں کے خصوصیات	۷۵۱
	ایک صاحب کرامت بزرگ شیخ جلال الدین تبریزی	ﷲ
	سنارگاؤں ، مشرقی بنگال کا قدیم پایۂ تخت	۷۵۳
۶۸	بلادِ جاوا کا سفر مقامات راہ عجیب عجیب نظارے ، عجیب عجیب رسمیں	۷۵۴
	جزیرہ جاوا سماٹرا یعنی انڈونیشیا میں ورود	۷۵۵
	سلطان والا شان کی خدمت میں باریابی کا شرف	۷۵۷
	عشق ازیں بسیار کردست و کند	۷۵۸
۶۹	سیام اور کمبودیا نرالی رسمیں ، حیرت انگیز مشاہدات عجیب واقعات	۷۶۰
	مل جاوا کا بادشاہ	۷۶۱
	وفاداری کا لرزہ خیز نظارہ	۷۶۲
	بحرالکاہل میں داخلہ	۷۶۲
۷۰	ملک چین اس ملک کی پیداوار اور خصوصیات زراعت ، پھل ، میوے ، مصنوعات	۷۶۴
	چینی کے برتن اور چینی مٹی کا ذکر	۷۶۵
	چین کے مرغ اور مرغیاں اور ان کی جسامت	″
	اہلِ چین کا مذہب اور طرز حکومت	″
	ریشم کی پیداوار چین میں	۷۶۶
	چین میں سکّے کے بجائے نوٹوں کا رواج	″
	پتھر کے کوئلہ کا چین میں استعمال	۷۶۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	اہل چین کی دستکاری اور مصوری	۷۶۷
	مسافروں کے لیے سہولتیں اور رعایتیں	"
	چین میں مسافروں کی حفاظت کا انتظام	۷۶۸
۷۱	**چین کے شہر** عادات و رسوم، احوال و کوائف و صنع وطریق	۷۶۹
	پہلا شہر زیتون	"
	کانشن کی سیر	۷۷۰
	دو سو برس کی عمر کا ایک عجیب و غریب فقیر	۷۷۱
	شہر قن جن فو	۷۷۲
	ایک ہم وطن سے چین میں ملاقات	۷۷۳
	شہر خنسا	۷۷۴
۷۲	**شہر پیکن میں داخلہ** عظیم شہر، حیرت انگیز انتظامات، قصر شاہی خاقان چین کی یگانہ اور اثر انگیز شخصیت	۷۷۷
	چین میں بانس کے عجیب و غریب مصنوعات	"
	خاقان چین کی دلچسپ اور عجیب شخصیت	۷۷۹
۷۳	**چین سے جاوا پھر کالی کٹ** سلطان جاوا کے ولی عہد کی شادی میں شرکت	۷۸۲
	جاوا میں ایک مرتبہ پھر واپس	"

سفر کی نئی منزل

عرب، ایران، شام،

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۴	مسقط اور دوسرے مقامات کی سیر	۷۸۵
۷۵	ایک مرتبہ پھر دمشق میں	۷۸۶
	دیارِ عرب کی سیر	۷۸۷
۷۶	خاک وطن کی طرف تیونس میں داخلہ	۷۸۸
	سردانیہ اور تلمسان میں ورود	۷۸۹
۷۷	شہر فاس سلطان ابوعنان کی زیارت	۷۹۰
	آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری	۷۹۱
	امیر المومنین کا ذوقِ علم اور غیر معمولی مذہبیت	۷۹۲
	امیر المومنین کے بذل و عطا کی داستان	۷۹۳
۷۸	وطن	۷۹۵
	جبرالٹر پر مسلمانوں کا پھر سے قبضہ اس کے خصوصیات	۷۹۶
۷۹	مالقہ	۷۹۸
۸۰	غرناطہ اور مراقش	۷۹۹
۸۱	سوڈان کا سفر اس خطہ ارض کے حالات اور دیار و امصار	۸۰۲
	ابو لاتن: سوڈان کا پہلا شہر	۸۰۳
۸۲	مالی سوڈان کا پایۂ تخت، اور وہاں کا بادشاہ	۸۰۷
۸۳	سلطان سوڈان کا عتاب اپنی بنت عم اور ملکۂ مملکت پر	۸۱۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	سوڈانیوں کے عادات ورسوم	۸۱۴
	سوڈان کے آدم خور باشندے	۸۱۵
	ٹمبکٹو	۸۱۷
۸۴	اس شہر کے باشندوں کے حیرت انگیز رسم ورواج	
	قوم بربر کے صفات وخصائل عجیبہ	۸۱۹
۸۵	وطن کی کشش	۸۲۲
	مسافر اپنے وطن پھر واپس آتا ہے	″

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تلواروں کی،

حدودِ سندھ میں داخلہ

ڈاک کا بہترین انتظام، ایک عجیب جانور گینڈا، سندھ کے چند شہر

ماہِ محرم ۷۳۴ھ کی یکم تاریخ کو ہمارا دریائے سندھ[۱] پر گذر ہوا۔ اس دریا کو پنجاب[۲] بھی کہتے ہیں۔ یہ دریا دنیا کے بہت بڑے دریاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ گرمیوں کے دنوں میں یہ طوفانی ہو جاتا ہے جس طرح مصر کی زراعت کا دارو مدار نیل کی طغیانی پر ہے۔ اسی طرح یہاں کے باشندے بھی اس دریا کی طغیانی پر جیتے ہیں۔ یہاں سے سلطان محمد شاہ[۳] مسلمان بادشاہ ہند و سندھ کی عملداری شروع ہوتی ہے جب ہم یہاں پہونچے۔ تو بادشاہ کے پرچہ نویس ہمارے پاس آئے۔ اور ہمارے آنے کی خبر انہوں نے فوراً قطب الملک حاکم ملتان کے پاس بھیجی۔ سندھ کا امیر بادشاہ کی طرف سے ان دونوں میں تیز[۴] تھا یہ شخص بادشاہ کا غلام اور فوج کا بخشی تھا۔ جب ہم سندھ پہنچے تو امیر شہر سیوستان[۵] میں مقیم تھا۔

۱؎ سندھ کا پرانا نام جو آریوں نے یہاں آتے ہی رکھا تھا " سندھو" تھا جس کے معنی دریا کے ہیں

۲؎ پنجاب سے مراد بھی دریائے سندھ ہے۔ کیونکہ اس میں پانچوں دریا آکر مل جاتے۔ چنانچہ مغل حکومت سے پہلے "پنجاب" سے دریائے سندھ مراد لیتے تھے ۳؎ سلطان محمد شاہ تغلق مراد ہے۔

۴؎ یہ قوم کا ترکمان تھا۔ بادشاہ اس پر اس درجہ مہربان ہوا کہ اپنی لڑکی سے اس کی شادی کردی۔ افواج شاہی کا امیر سپاہ بھی یہی تھا ۷۴۵ھ میں یہ مقام دکن ایک جنگ میں مقتول ہوا

۵؎ موجودہ شہر سہوان۔

منزل بہ منزل سبک سیر پیام رسانوں کا انتظام

سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دارالخلافہ دہلی تک پچاس دن کا جو پرچہ نویس بادشاہ کو خبر بھیجتے ہیں۔ وہ ڈاک کے ذریعہ صرف پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے۔ ڈاک کو اس ملک میں بریدﷺ کہتے ہیں۔ ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے ایک گھوڑے کی دوسرے پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں۔ ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا ہے۔ یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے موجود رہتے ہیں۔ پیادوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ کہتے ہیں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں اس چوکی کو وہ دادہ کہتے ہیں تہائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے گاؤں کے باہر ہرکاروں کے بیٹھے برجیاں بنی ہوتی ہیں ہر برجی میں ہرکارے تیار بیٹھے رہتے ہیں، ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

جب ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ پر ڈاک رکھ لیتا ہے۔ اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی اور پوری قوت سے دوڑتا ہے۔ دوسرا ہرکارہ اس کے گھنگروں کی آواز سن کر تیار ہو بیٹھتا ہے اور ڈاک اس سے جھپٹ کر فوراً ہوا ہو جاتا ہے۔ اس طرح جہاں کہیں خط پہنچانا ہوتا ہے۔ پہنچا دیتے ہیں۔ یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی تیز رو ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی ڈاک کے ذریعہ خراسان کے تازہ میوے بھی بادشاہ کے لئے تھالیوں میں پہنچائے جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سنگین مجرم کو بھی چارپائی پر اٹھا کر اسی طرح چوکی بہ چوکی ہرکارے لیجاتے ہیں دولت آباد میں بادشاہ کے لئے دریائے گنگا کا پانی جو ہندوؤں کی جاترا کی جگہ ہے۔ ڈاک ہی سے لیجایا کرتے تھے۔ دولت آباد دریائے گنگا سے چالیس دن کے فاصلے پر ہے۔ پرچہ نویس ہر مسافر کا حال تفصیل وار لکھتے ہیں مگر اس کی صورت وضع قطع۔ لباس خادم اور ہمراہی اور جانور، حرکات و سکنات کوئی بات نہیں چھوڑتے۔ سب کی تفصیل لکھ بھیجتے ہیں[2]

---

[1] جدید عربی میں بھی ڈاک کے لیے "برید" ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

[2] دھاوا محاورہ ہے۔ دھاوا کرنا۔ دھاوا بولنا۔

سلطان محمد شاہ تغلق کا حسن سلوک پردیسیوں اور مسافروں کے ساتھ ،

جب کوئی مسافر ملتان میں جو سندھ کا پایہ تخت ہے ۔ پہونچتا ہے تو جب تک بادشاہ کی طرف سے حکم روانگی نہ آجائے ۔ اور اس کی ضیافت کا انتظام نہ ہوجائے ۔ اور اس کی مقدار مقرر نہ ہوجائے اس کو وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے ۔ ہر مسافر کی آؤ بھگت اس کے ساز و سامان اور حرکات و تصرفات کے پیمانے سے ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس کے خاندان اور آبا و اجداد کا حال تو معلوم نہیں ہوتا ۔ بادشاہ ہند ابوالمجاہد محمد شاہ تغلق کی سرشت یہ ہے کہ وہ پردیسیوں سے غایت درجہ محبت اور تخصیص کا برتاؤ کرتا ہے ۔ انھیں مراتب رفیعہ پر فائز کرتا ہے چنانچہ اس کے بڑے بڑے خواص اور حاجب اور وزیر اور قاضی اور داماد زیادہ تر غیر ملکی ہیں ۔ اس کا حکم ہے کہ ہر دیسی کو ہمیشہ معزز طریقہ سے یاد کیا جائے ۔ چنانچہ پردیسیوں کا نام ہی عزیز پڑ گیا ۔ جو شخص بادشاہ کے سلام کو جاتا ہے ۔ اس کے واسطے ہدایا لے جاتا ہے ۔ اور چونکہ سب کو معلوم ہے کہ بادشاہ ان تحفوں سے دو چند سہ چند انعام دیتا ہے ۔ اس لئے سندھ کے بعض تاجروں کا یہ پیشہ ہوگیا ہے ۔ کہ وہ ایسے لوگوں کو ہزار ہا دینار بطور قرض دے دیا کرتے ہیں ۔ نیز خادموں ، گھوڑوں اور سواری کا بندوبست کردیتے ہیں اور چاکروں کی طرح اس کے سامنے حاضر رہتے ہیں ۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتا ہے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوکر واپس آتا ہے ۔ تو سارا قرضہ بیباق کردیتا ہے ۔ اس طرح یہ تاجر بہت نفع حاصل کرتے ہیں ۔ میں جب سندھ پہنچا تو میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور تاجروں سے گھوڑے اور اونٹ اور غلام خریدے اور عراق کے ایک سوداگر محمد دوری سے جو

(صفحہ ۴۸۲ کا گذشتہ حاشیہ)

لیکن ہندوستان کے بیدار مغز سلطان نے ، حالات سے واقف ہونے ۔ دم بدم کی خبروں سے مطلع ہونے ، اور انتہائی سرعت کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے جو بندوبست کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس حسن انتظام کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر پتہ بھی کھڑکتا تو سلطان کو فوراً خبر ہوجاتی تھی ۔ اور جو خبر اس تک پہنچتی تھی ۔ یا جو خبر کہیں پہنچانا چاہتا تھا ۔ چشم زدن میں پہونچ جاتی تھی ۔ اس زمانہ میں پاسپورٹ ، ویزا ، اور غیر ملکی لوگوں کی نگرانی کا اتنا سائنٹفک انتظام نہیں تھا جتنا اب ہے ماننا پڑے گا کہ وہ قدامت آج کی جدت سے زیادہ کامیاب اور نتیجہ خیز تھی ۔

تکریت[1] کا رہنے والا تھا۔ شہر غزنی میں تیس گھوڑے اور ایک اونٹ جس پر تیروں کے پھل لدے ہوئے تھے خریدے کیونکہ ایسی ہی چیزیں بادشاہ کو نذر دی جایا کرتی ہیں۔ جب یہ خراسان سے واپس آیا تو مجھ سے اپنا زر طلب کیا۔ اور بڑے نفع میں رہا۔ بلکہ میرے طفیل بہت بڑا تاجر بن گیا۔ یہ شخص حلب کے شہر میں کبھی کئی برس کے بعد مجھے ملا۔ اور گو وہاں کے کافروں[2] نے میرے کپڑے تک چھین لئے تھے۔ لیکن اس نے میری بات بھی نہ پوچھی۔

ایک عجیب و غریب جانور گینڈا، گینڈے کا شکار

جب ہم نہر سندھ سے عبور کر کے ایک بانس کے جنگل میں داخل ہوئے جس سے راستہ گزرتا تھا تو ہم نے گینڈا دیکھا۔ کالے اور بھاری بھر کم ڈیل ڈول کا ہوتا ہے اس کا سر بہت بڑا ہوتا۔ کسی کا چھوٹا کسی کا بڑا۔ یہ ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا سر ہاتھی کے سر سے کہیں بڑا ہوتا ہے اور دونوں آنکھوں کے برابر فاصلہ پر پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ جس کا طول تین ہاتھ اور موٹائی ایک بالشت ہوتی ہے جب یہ گینڈا جنگل سے نکلا تو ایک سوار اس کے سامنے آگیا۔ گینڈے نے گھوڑے کے سینگ مارا اور سوار کی ران چیر کر اس کو زمین پر گرا کر جنگل میں گم ہو گیا۔ پھر اس کا پتہ کہیں نہ لگا۔ اسی رستہ میں عصر کے بعد ایک روز پھر میں نے گینڈا دیکھا وہ گھاس چر رہا تھا۔ ہم نے مارنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بھاگ گیا۔ ایک دفعہ اور میں نے گینڈا دیکھا ہم بادشاہ کی سواری کے ساتھ تھے۔ بانس کے جنگل میں چلے جا رہے تھے اور بادشاہ ہاتھی پر سوار تھے اور میں بھی دوسرے ہاتھی پر تھا۔ سوار پیادے اسے گھیر کر لائے اور مار ڈالا اور سر کاٹ کر کیمپ میں لے آئے۔[3]

---

[1] بغداد کے قریب ایک مقام

[2] کروسیڈرز (مجاہدین صلیب) کے کچھ حصے بعض مقامات پر شام میں متصرف تھے۔

[3] یہ جانور مختلف ممالک میں پایا جاتا ہے۔ نیپال کی ترائی میں بکثرت ہے، چاٹگام، برما اور افریقہ میں بھی پایا جاتا ہے مختلف شہروں کے زندہ عجائب خانوں میں بھی "نمونہ" کے طور پر ضرور موجود رہتا ہے۔

اس جانور کے اور خاص طور پر اس کے سینگ کے اثرات کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ جنہیں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

ہم دو منزل چلے تھے کہ جنانی[1] کا شہر آیا - یہ وسیع اور خوبصورت شہر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اس کے حدود درجے خوشنما ہیں - اس شہر میں سامرہ[2] کی قوم کے آدمی آباد ہیں اور قدیم سے آباد چلے آتے ہیں - مورخ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے وقت میں سندھ فتح ہوا تو اس قوم کے بزرگ اس شہر میں بستے تھے - شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین[3] بن شیخ بہاؤ الحق ذکریا قریشی ملتانی مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد ابن قاسم فاتح سندھ کے اس لشکر میں تھے - جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا - وہ اسی ملک میں رہ گئے تھے اور پھر ان کی اولاد بڑھ گئی[4] - یہ شیخ رکن الدین وہی ہیں - جن کی بابت شیخ برہان الدین اعرج نے مجھ سے شہر اسکندریہ میں کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا، سامرہ قوم کے لوگ کسی کے ساتھ نہیں کھاتے - اور جب وہ کھاتے ہیں تو کوئی ان کی طرف دیکھنے نہیں پاتا - اور نہ اپنی قوم کے سوا کسی کے ساتھ رشتہ کرتے ہیں - اس زمانے میں ان کا سردار ایک شخص دنار نامی تھا - اس کا حال میں آگے چل کر بیان کروں گا -

---

[1] قدیم کتابوں میں اس شہر کا کہیں سراغ نہیں ملتا - ممکن ہے تلفظ کی غلطی نے اس کا حلیہ اتنا بگاڑ دیا ہو کہ اس کی شناخت ناممکن بن گئی -

[2] غالباً یہی لوگ اب "سومرو" کہلاتے ہیں - یہ قوم اب بھی سندھ کی ایک معزز قوم مانی جاتی ہے -

[3] یہ ابن بطوطہ کا سہو قلم ہے، اصل نام شمس الدین نہیں صدر الدین ہے -

[4] گو کتب تاریخ سے اس دعوے کی توثیق نہیں ہوتی - لیکن اس خاندان کے ایک ثقہ شخص کا بیان ناقابل التفات بھی نہیں قرار دیا جا سکتا ،

شہر سیہوان

رتن اور جام و نار کی خوں ریز جنگ

شہر جانی سے چل کر ہم شہر سیہوان پہنچے یہ ایک بڑا شہر ہے اور ریگستان میں واقع ہے جس میں کیکر کے درخت کے سوا کوئی درخت نہیں۔ نہر کے کنارے سوا خربوزوں کے اور کسی چیز کی کاشت نہیں ہوتی۔ اس شہر کے لوگ جوار اور جلبان جس کو مشک کہتے ہیں یعنی مٹر کابلی کی روٹی کھاتے ہیں مچھلی اس شہر میں بہت ہوتی ہے۔ اور بھینسوں کے دودھ کی بھی نہایت افراط ہے اس کے باشندے سقنقور یعنی ریگ ماہی بھی کھاتے ہیں یہ جانور گوہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے دم نہیں ہوتی۔ ریت میں سے کھود کر نکالتے ہیں۔ اور پیٹ چیر کر اور لائش صاف کر کے بجائے زعفران کے کرکم (ہلدی) بھر دیتے ہیں۔ مجھے اس جانور کو کھاتے دیکھ کر گھن آگئی۔ اور میں نے اسے نہیں کھایا۔ جب ہم اس شہر میں پہونچے تو گرمی نہایت سخت پڑتی تھی۔ میرے ہمراہی ننگے رہتے تھے اور ایک بڑا رومال پانی میں تر کر کے بجائے لنگی کے باندھ لیتے تھے۔ اور دوسرا کندھوں پر ڈال لیتے تھے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ خشک ہو جاتے تو پھر تر کر لیتے اور اسی طرح کرتے رہتے۔ اس شہر کا خطیب شیبانی ہے۔ اس نے مجھے خلیفہ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰے عنہ کا پروانہ دکھایا جو اس کے دادا کو خطیب ہونے کے وقت ملا تھا۔ یہ پروانہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلا آتا ہے اس کی پیشانی پر یہ عبارت ہے ھذا امر بہ عبداللہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز

(حاشیہ اگلے صفحہ)

بغلاں اس کی تاریخ تحریر ۹۹ھ ہے اور الحمد للہ وحدہ کا اس پر لکھا ہوا ہے۔ خطیب کہتا تھا کہ یہ الفاظ خود خلیفہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں مجھے ایک عمر رسیدہ شیخ محمد بغدادی نام ملا اور یہ شیخ عثمان مرتدی کے زاویہ میں رہتا ہے مجھے بتایا گیا کہ اس کی عمر ایک سو چالیس برس سے زیادہ ہے اور یہ خلیفہ مستعصم باللہ[1] کے قتل کے وقت جب اس کو ہلاکو خان بن چنگیز خان نے ہلاک کر ڈالا تھا۔ بغداد میں موجود تھا۔ یہ باوجود اس قدر عمر کے توانا و تندرست ہے اور بخوبی چل پھر سکتا ہے اس شہر میں قوم سامرہ کا سردار ونار جس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں رہتا تھا اور امیر قیصر روم بھی یہیں رہا کرتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ کے ملازم تھے اور ان کے پاس اٹھارہ سو سواروں کی جمعیت رہا کرتی تھی ایک ہندو رتن نامی بھی اس شہر میں رہتا تھا۔ یہ شخص فن حساب اور کتابت میں استاد تھا۔ کسی امیر کے وسیلہ سے بادشاہ تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس کی قدر کی اور اس کو یہاں کا حاکم بنا دیا۔ اور مرتبہ یعنی نوبت اور علم رکھنے کی اجازت دی جو بڑے بڑے امیروں کے لئے مخصوص تھی۔ سیوستان اور اس کے مضافات اس کو جاگیر میں بخشدیے[2]۔ جب وہ اپنے شہر میں پہنچا تو ونار اور قیصر کو ایک ہندو کی اطاعت گراں گزری۔ انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ کیا۔ اس کے آنے کے چند روز بعد اس سے کہا کہ آپ باہر نکل کر اپنا علاقہ ملاحظہ کر لیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)

[1] سیوستان سے مراد سندھ کا ایک شہر سیہوان ہے جو کراچی سے تقریباً دو سو میل کی مسافت پر واقع ہے، شہباز قلندر کی خانقاہ، جو زیارت گاہ عام کی حیثیت رکھتی ہے یہیں ہے

منچھر جھیل اس سے بالکل قریب ہے۔ موسم اشگال میں جس کا طول بیس میل، اور عرض دس میل ہو جاتا ہے یہ بہترین سیرگاہ اور شکار گاہ ہے اور اب حکومت پاکستان اسے ایک قابل دید مقام غیر ملکی سیاحوں کے لئے بنانے کی کوشش کر رہی ہے

[2] خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ جسے ابن علقمی کی غداری، نصیر الدین طوسی کی سازش، اور منصب پرستوں کی حرص و طمع نے ہلاکو خان کے لئے ایک آسان شکار بنا دیا، سعدی شیرازی نے زوال بغداد اور مستعصم باللہ پر بڑا پر زور مرثیہ لکھا ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ ان کے ساتھ چلاگیا ۔ رات کو جب سب ڈیروں میں تھے یکایک شور مچا کہ کوئی درندہ آگیا اور اسی بہانہ سے ان کے آدمیوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور شہر میں آکر بادشاہی کے خزانہ کو جس میں بارہ لاکھ دینار تھے لوٹ لیا ۔ دس ہزار طلائی ہندی دینار کے ایک لاکھ دینار ہوتے ہیں ۔ اور ہندی طلائی دینار مغرب کے ڈھائی دینار طلائی کے مساوی ہوتا ہے ۔ اور وناؔر کو اپنا حاکم مقرر کیا ۔ اس نے اپنا لقب ملک فیروز رکھا اور یہ سب لشکر خزانہ پر تقسیم کر دیا ۔ لیکن پھر ونار کے دل میں خوف پیدا ہوا ۔ کیونکہ اس کا وطن اور قبیلہ وہاں سے دور تھا ۔ وہ ساتھیوں کو لے کر اپنے قبیلہ کی طرف چلاگیا اور باقی لشکر نے قیصر رومی کو اپنا سردار مقرر کیا ۔ اس سانحہ کی خبر سرتیز عماد الملک کو ملتان میں پہنچی ۔ اس نے لشکر جمع کر کے خشکی اور تری دونوں رستوں سے آگے بڑھنا شروع کیا ۔ قیصر بھی یہ سن کر مقابلہ آرا ہوا ۔ جب اس کو شکست ہوئی تو شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا ۔ سرتیز نے منجنیق لگائی اور محاصرے میں سختی کی ۔ چالیس دن بعد قیصر نے امان مانگی ۔ لیکن جب قیصر اور اس کا لشکر امان کے وعدہ پر باہر آگیا تو سرتیز نے ان کے ساتھ دغا کی ۔ ان کی جائداد لوٹ لی ۔ اور ان سب کو قتل کروا ڈالا ۔ ہر روز کسی کی تو گردن مارتا تھا اور کسی کو تلوار سے دو ٹکڑے کرتا تھا ۔ اور کسی کی کھال کھنچواتا تھا ۔ اور ان کھالوں میں بھوسہ بھروا کر ان کو شہر کی فصیل پر لٹکا تا جاتا تھا ۔ اکثر کی یہی گت بنی ۔ ان کی نعشیں لٹکی ہوئی دیکھ کر دل لرزتا تھا اور خوف آتا تھا ۔ ان کی کھوپریاں جمع کر کے شہر کے وسط میں ڈھیر لگا دیا تھا ۔ میں اس واقعہ کے بعد ہی اس شہر میں پہونچا اور ایک بڑے مدرسے میں اترا ۔ مدرسے کی چھت پر سویا کرتا تھا

گذشتہ صفحہ کا حاشیہ

لہ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد تغلق کس درجہ رواداراور غیر متعصب فرمانروا تھا ، اس کی نگاہ میں ہندو اور مسلمان برابر تھے ، اس نے رتن کو وہ مرتبہ بخشا ، جو مسلمان امرا کے لئے باعث رشک وحسد بن گیا ۔

لہ یہ سمیہ خاندان کا پہلا "جام " ہے اس کا سومرہ کے خاندان سے انتساب غلط فہمی یا سہو قلم کا نتیجہ ہے ۔ سومرہ اور سمیہ دونوں خاندان سندھ کے بہت قدیم خاندان ہیں ، قومی اور نسلی اعتبار سے یہ راجپوت تھے جیسے جام صاحب لس بیلہ " اور جام صاحب نوانگر " ! ایک ہندو ایک مسلمان لیکن نسل دونوں کی ایک ! !

(رئیس احمد جعفری)

وہاں سے یہ نعشیں لٹکی ہوئی نظر آتی تھیں۔ جب صبح کو سوتا اٹھتا تو یہ نعشیں دیکھ کر دل ہوتی۔ آخر میں نے مدرسے کو چھوڑ دیا

سندھ کی ایک قدیم بندرگاہ "لاہری" — ایک نامعلوم شہر کے کھنڈرات، کیا یہ دیبل تھا؟

قاضی علاء الملک فصیح الدین خراسانی، قاضی ہرات ایک فاضل شخص تھا۔ بادشاہ نے اسے لاہری کا حاکم بنا دیا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے آیا۔ اس کا اسباب اور سامان بار برداری پندرہ بڑی کشتیوں میں تھا جو دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا قاضی علاء الملک کے پاس بڑی کشتی تھی۔ جسے آہورہ کہتے ہیں۔ اس کے نصف حصہ کو سیڑھیاں بنا کر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے نوکر دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس کشتی کو کھیتے تھے۔ چار چھوٹی کشتیاں اور تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں دو بائیں طرف دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب کشتی چلتی تھی۔ کبھی نوبت بجائی جاتی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک گاتے بجاتے چلے جاتے تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تھا اور سب کشتیاں پہنچ جاتیں تو دستر خوان بچھایا جاتا تھا جب تک امیر علاء الملک کھانا کھاتے یہ لوگ گایا بجایا کرتے۔ اور آخر میں خود کھا کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے۔ جب رات ہوتی تو کشتیاں دریا کے کنارے کھڑی کر دی جاتیں اور خشکی پر خیمے لگا دیئے جاتے جہاں امیر علاء الملک شب باش ہوتا۔ جب سارا لشکر رات کا کھانا کھا چکتا تھا اور عشا کی نماز سے فارغ ہو جاتا تھا تو چوکیدار نوبت بہ نوبت آتے تھے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تھا تو وہ پکار کر کہتا۔ اے اخوند اتنی گھڑیاں رات گذر چکی ہے جب صبح ہوتی تو پھر نوبت اور نقارے بجنے شروع ہو جاتے۔ صبح کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا جاتا۔ کشتیاں چل پڑتیں۔ اگر امیر دریا میں چلنا چاہتا تھا تو کشتی میں بیٹھ جاتا۔ اگر خشکی کے راستے جانا منظور ہوتا تھا۔ تو سب سے آگے نوبت اور نقارخانہ ہوتا تھا۔ ان کے بعد حاجب اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے تھے۔ تین پر نقارے ہوتے۔ اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں میں پہنچتے تھے یا کسی اونچی زمین کہیں پہنچتے تو طبل اور نقارے بجاتے جاتے تھے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تھا تو ٹھہر جاتے تھے۔ میں بھی امیر علاء الملک کے ساتھ [illegible]

لاہری[1] پہنچے۔ یہ خوبصورت شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ میں جاگرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر بکثرت ہوتے ہیں اور اسی لئے یہ شہر نہایت مالدار ہے اور اس کا محاصل بھی زیادہ ہے۔ علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندر کا محاصل ساٹھ لاکھ دینار ہے اور امیر علاء الملک کو اس میں سے بیسواں حصہ ملتا ہے۔ یعنی عشر کا نصف اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کار(ندوں) کو علاقے سپرد کیا کرتا تھا ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کرنے گیا۔ شہر سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے جس کو تارنا کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانات کی سنگین مورتیں ثابت اور ٹوٹی پھوٹی پڑی ہوئی ہیں اور غلّہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ پتھرائے ہوئے پڑے ہیں۔ فصیل اور مکانات کی دیواروں کے سامان موجود ہیں۔ کھنڈرات میں کھدے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کا بت ہے۔ اس آدمی کا سر ذرا لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے کسے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بدبودار پانی کھڑا ہوا ہے بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور خط کے کتبے۔ امیر علاء الملک ذکر کرتے تھے کہ اس ملک کے مورخ خیال کرتے ہیں کہ یہ شہر مسخ ہو گیا تھا اور چبوترہ پر جو بت ہے وہ بادشاہ کا تھا۔ چنانچہ اب بھی اس گھر کو دار الحکم کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبے سے پتہ لگتا ہے کہ یہ بربادی تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی[2] میں امیر علاء الملک کے پاس پانچ دن ٹھہرا اس نے میری خاطر و مدارات بدرجہ غایت کی۔ اور میرے لئے زادراہ بھی تیار کرایا۔

---

[1] ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ مقام سندھ کا سب سے بڑا اور بارونق بندرگاہ تھا۔ آئین اکبری میں ابوالفضل نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ بحری جنگی کے باعث اس کی آمدنی بھی بہت زیادہ تھی۔ اب یہ کراچی کے ضلع میں ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔

[2] بعض ثقہ قسم کے ماہرین آثار قدیمہ اس ویرانے کو مشہور تاریخی شہر دیبل بتاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیبل کے تعین اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ کچھ لوگ اس ویرانے کو دیبل قرار دیتے ہیں بعض کے نزدیک جزیرہ منوڑا (کراچی) دیبل تھا۔ لیکن جدید تحقیق پر قریب قریب اکثر کو اتفاق ہے کہ کراچی سے چند میل کے فاصلے پر بھبھور نام کا جو شہر کھدائی سے برآمد ہوا ہے۔ اور بالکل لب ساحل سمندر ہے یہی دیبل تھا میں نے یہ جگہ دیکھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

بھکّر یا سکّھر؟

ایک قدیم، شاندار اور بارونق شہر

لاہری سے ہیں نے بھکّر کا رُخ کیا یہ بہت خوب صورت شہر ہے[1] دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے درمیان سے گزرتی ہے۔ شاخ کے وسط ہیں ایک خوب صورت زاویہ ہے[2]۔ جہاں ہر وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے، اسے کشلو خاں نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں میری

---

[1] روہڑی اور سکھر کے مابین دریائے سندھ کے وسط میں جس قلعہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہی بکّر ——— جسے ابن بطوطہ "بکار" لکھتا ہے ——— کے نام سے معروف ہے۔ لیکن ابن بطوطہ جس شہر بکّر کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس جگہ واقع تھا جہاں اب سکھر ہے، یہیں میر محمد معصوم بکّری صاحب "تاریخ معصومی" کا مقبرہ بھی ہے۔ روہڑی پرانا شہر نہیں ہے، یہ ۶۹۸ھ/۱۲۹۷ء میں آباد ہے۔

اس بات کا کہ ابن بطوطہ کے نزدیک بکّر اور سکھر سے مراد ایک ہی شہر ہے ثبوت یہ ہے کہ وہ دریائے سندھ کی ایک شاخ کا درمیان شہر سے گزرنا بتاتا ہے جو سکھر ہی ہے۔

[2] خانقاہ خواجہ خضر۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملاقات امام عبداللہ حنفی اور قاضی شہر ابو حنیفہ اور شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی۔ شیخ شمس الدین کی عمر اُن کے بیان کے مطابق ایک سو بیس سال تھی۔

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) جنوب کی طرف جو دوسرا جزیرہ "سادھو بیلہ" ہے، یہ ہندوؤں کا قدیم باعظمت مقام ہے۔ یہاں ایک مندر بھی ہے۔

ابو الفضل کے نزدیک بکھر وہی ہے جو عربوں کا بسایا ہوا شہر منصورہ تھا، اس کے نزدیک قصبہ نصیر پور ——— حیدرآباد سندھ سے قریب ——— جہاں واقع ہے۔ یہیں منصورہ آباد تھا۔

اوچ

ایک قدیم اور تاریخی شہر کی زیارت

بھکر سے چل کر ہم اوچ[1] آئے۔ یہ شہر[2] دریائے[3] سندھ کے کنارے واقع ہے۔ خاصا بڑا شہر ہے بازار بہت عمدہ اور عمارتیں مضبوط ہیں۔ ان دنوں حاکم شہر سید جلال الدین کیجی تھا جو شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ بے چارہ بیس بعد میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس سے میری دوستی ہو گئی تھی اکثر صحبت رہا کرتی، دہلی میں بھی ہم دونوں ملے تھے اور جب بادشاہ دولت

---

[1] ابن بطوطہ اسے "مدینہ اوجہ" یعنی شہر اوچہ کہتا ہے۔

[2] یہ بہت قدیم شہر ہے جس کا تاریخوں میں اکثر ذکر آتا ہے، ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر پنج ند کے کنارے (سابق ریاست بہاولپور) آباد تھا۔

[3] پہلے پنجاب کے پانچوں دریا اور دریائے سندھ اوچ کے پاس ملتے تھے۔ اب ان کا سنگم چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ میں ہوتا ہے۔

اوچ کی عظمت رفتہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطان ناصر الدین قباچہ کے عہد میں یہ سندھ کا پایۂ تخت تھا۔

حضرت سید جلال بخاری، اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مزارات بابرکات یہیں ہیں۔

آباد کی طرف تشریف لے گئے تو مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ سید جلال الدین اُس کے ساتھ جا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا سلطان کی غیبت طول کھینچے گی۔ آپ کو خرچ کی ضرورت ہوگی، لہذا میری واپسی تک میرے دیہات کی آمدنی خرچ کر لیا کیجیے۔[۱]

چنانچہ میں نے پانچ ہزار دینار کے قریب اُس میں سے خرچ کیا۔[۲] اس شہر میں سید جلال الدین حیدر[۳] علوی کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔ انھوں نے مجھے اپنا خرقہ عنایت کیا یہ بزرگان صالحین میں سے تھے، جب ہندو ڈاکوؤں نے سمندر میں مجھے لوٹ لیا اُس وقت یہ خرقہ بھی چھن گیا۔[۴]

۱۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھی پردیسیوں، مسافروں اور غریب الوطنوں کے ساتھ کس درجہ اپنا پن، محبت، خلوص، اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ حاکم شہر جلال الدین کیجی کے نزدیک ابن بطوطہ صرف ایک اجنبی اور غیر ملکی، — لیکن مسلمان — سیاح تھا، جس سے حسب نسب، اور عادات و اطوار سے اسے کوئی واقفیت نہ تھی، لیکن تغلق کی ہمرکابی کے وقت وہ اس اجنبی سیاح کو اجازت دے جاتا ہے کہ اس کے علاقہ سے جو آمدنی ہو بغیر تخصیص و تعیین و تحدید، جتنا چاہے خرچ کر ڈالے یہ بات، اور کہاں مل سکتی ہے؟

۲۔ بے تکلفی قابل داد ہے۔

۳۔ جہانیاں جہاں گشت مراد ہیں۔

۴۔ سندھ کے ہندو [illegible] سمندری ڈاکو [illegible] تھے۔

مُلتان

ہندوؤں کا ایک مقدس ترین اور قدیم ترین شہر

اوچ میں کچھ عرصہ ٹھہر کر میں نے ملتان[1] کے لیے رختِ سفر باندھا، یہ شہر سندھ کا پایۂ تخت ہے۔ یہاں کا امیر الامرا بھی یہیں رہتا ہے شہر میں داخل ہونے سے پہلے دس کوس ورے ایک دریا عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ دریا بہت چھوٹا اور عمیق ہے اور بغیر کشتیوں کے عبور نہیں کر سکتے اس جگہ پار جانے والوں کے احوال کی تحقیقات ہوتی ہے اور اُن کے اسباب کی تلاشی ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں اس جگہ ہر ایک تاجر سے ایک چوتھائی مال بطور محصول کے لے لیا کرتے تھے اور ہر گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا میرے ہندوستان پہنچنے کے دو برس بعد بادشاہ نے یہ کل محاصل معاف کر دیے تھے[2] اور جب خلیفہ عباسی سے بیعت کی تو سوا عُشر اور زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصّہ کے اور کوئی محصول

---

[1] ہندوستان کے شہروں میں ملتان قدامت کے اعتبار سے ایک مرتبہ خاص پر فائز ہے۔

۷۱۲ء میں بڑے ڈرامائی طور پر محمد بن قاسم نے اسے فتح کیا۔ خلافت دمشق سے محمد بن قاسم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ مصارف جنگ وہ بیت المال کو بعد فتح ادا کر دے گا، لیکن چونکہ اس کی حکومت عدل و انصاف، اور خالص اسلامیت پر مبنی تھی، لہٰذا اہل سندھ سے وہ رقم نہ وصول کر سکا، ادھر خلیفہ کا حجاج سے، اور حجاج کا محمد بن قاسم سے تقاضا بڑھتا گیا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باقی نہ رہا تھا۔[1] مجھے تلاشی کی بہت فکر تھی کیونکہ میرا ساز و سامان بظاہر بہت معلوم ہوتا تھا۔ اور اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے خوف تھا کہیں سارا بھرم نہ کھل جائے۔ لیکن قطب الملک نے ملتان سے ایک فوج کے افسر کو بھیج دیا تھا اور اُسے ہدایت کر دی تھی کہ میری تلاشی کوئی شخص نہ لے، چنانچہ ایسا ہی ہوا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اُس رات ہم دریا کے کنارے ٹھہرے، علی الصباح میرے پاس دہقان سمرقندی جو ڈاک کا

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

محمد بن قاسم سخت پریشان تھا کہ کیا کرے؟ وہ بڑھتے بڑھتے ملتان تک چلا آیا تھا، کہ ایک ہندو نے رات کے وقت آکر اسے مندر کے خزانہ کا سراغ بتایا، یہاں اتنا سونا نکلا کہ نہ صرف مطلوبہ رقم ادا ہو گئی بلکہ بہت کچھ بچ بھی رہا۔

پھر عہد اسلامی میں یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا، یہاں کی خاک پاک نے بڑے بڑے ادبا، صلحا اور علما کو اپنے دامن میں جگہ دی، کبھی یہ شہر ہندوؤں کا تیرتھ تھا، ایک بہت بڑے بت کا استھان تھا، جس کی پوجا کے لیے ہر گوشہ ملک سے ہندو آتے تھے۔ پھر یہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بن گیا۔

اس شہر نے بڑے بڑے انقلابات دیکھے۔ ہندوستان پر تاتاریوں کی یورش اسی طرف سے ہوتی تھی اور ہمیشہ انھیں منہ توڑ جواب ملتا تھا۔ تاتاریوں نے ساری دنیا کو روند ڈالا، بغداد تک کو ختم کر دیا، بلخ، بدخشان، ترنیشاپور، اور بہت سے شہر اجاڑ دیے، لیکن ہندوستان کی مسلمان حکومت کو زیر و زبر نہ کر سکے، وہ ہمیشہ انہیں پسپا کرتی رہی،

شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت اس شہر پر قرامطہ کی حکومت تھی، یہ ہمیشہ ہندوؤں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف مصروف سازش رہتے تھے، غوری نے ان کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا؛

پھر اس پر سکھوں نے قبضہ کر لیا، انگریزوں نے سکھوں سے لیا تو اس کے حال پر چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ملتان کا مذاق اڑانے لگے، ؎ چار چیز است تحفۂ ملتان گرد، گرما، گدا، و گورستان۔

[1] تغلق گو مزاج کا سخت تھا، لیکن، رحم و کرم کے معاملے میں بھی کوئی اُس کا ہمسر نہ تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

افسر اور بادشاہ کا پرچہ نویس تھا۔ آیا میں نے اُس سے ملاقات کی اور اُس ہمراہ حاکم ملتان کے پاس گیا۔ ملتان کا حاکم قطب الملک تھا یہ شخص بڑا امیر اور فاضل تھا۔ جب میں حاضر ہوا تو میری تعظیم کے لیے اٹھا اور مصافحہ کر کے اپنی برابر جگہ دی میں نے ایک غلام اور ایک گھوڑا اور کشمش اور بادام تحفہ کے پیش کیے کشمش اور بادام اس ملک میں نہیں ہوتے اور تحفے کے طور پر دیے جاتے ہیں۔ اور خراسان سے آتے ہیں۔ یہ ایک بڑے چبوترے پر بیٹھا تھا، جس پر فرش بچھا ہوا تھا اور پاس ہی شہر کا قاضی سالار اور شہر کا خطیب جس نام مجھے یاد نہیں رہا بیٹھے ہوئے تھے دائیں بائیں فوج کے افسر تھے اور اُس کے سر پر مسلح آدمی کھڑے تھے سامنے سے لشکر گزرتا جاتا تھا۔

فوجی سپاہیوں کے کرتب، دلاوری اور بہادری کے مظاہرے

اس جگہ بہت سی کمانیں پڑی تھیں جو تیر اندازی کا کمال دکھانا چاہتا وہ اپنی طاقت کے مطابق کسی کمان کو ہاتھ میں لے کر کھینچتا اور اگر اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو ایک چھوٹا نقارہ دیوار میں لگا ہوا تھا۔ وہ اپنا گھوڑا دوڑا کر اپنا نیزہ اُس میں لگاتا تھا اور چھوٹی سی دیوار پر ایک انگشتری لگی ہوئی تھی سوار اپنا گھوڑا دوڑا کر نیزے کی انی میں پرو کر انگشتری لے جاتا تھا اور ایک گیند بھی پڑی ہوئی تھی سوار گھوڑا دوڑا کر اس پر چوگان لگاتا تھا جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اُسی قدر اُس کے عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔

شہنشاہ محمد تغلق کی سلک ملازمت میں داخل ہونے کے لیے اکابر کا ہجوم

جب ہم قطب الملک کے پاس گئے تو اس کو سلام کیا تو اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شہر میں شیخ رکن الدین قریشی کے متعلقین کے ساتھ قیام کریں اور اُن کی یہ عادت تھی کہ وہ بغیر حاکم کی اجازت کے کسی کو اپنے پاس بطور مہمان کے ٹھہرنے نہ دیتے تھے اس شہر میں اور بھی بہت سے بزرگ آئے ہوئے تھے جو بادشاہ کی ملازمت کے لیے دہلی جا رہے تھے ان میں سے خداوند زادہ قوام الدین قاضی ترمذ (مع اپنے خاندان اور بیٹوں کے) اور اُس کے بھائی عماد الدین و ضیاء الدین

دبرہان الدین اور مبارک شاہ سمرقند کا ایک رئیس اور ارن لبغا بخارا کا ایک رئیس اور ملک زادہ جو خداوند زادہ قوام الدین کا بھانجا تھا اور بدرالدین فصال تھے اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کے دوست اور خادم اور متعلقین تھے۔

ملتان پہنچنے کے دو مہینے کے بعد بادشاہ کا ایک حاجب پوشنجی نام اور ملک محمد ہروی کوتوال آئے وہ خداوند زادہ قوام الدین کے استقبال کے لیے آئے تھے، اُن کے ساتھ تین غلام تھے ان کو مخدومہ جہاں بادشاہ کی والدہ نے خداوند زادہ کی زوجہ کے استقبال کے واسطے روانہ کیا تھا یہ لوگ خداوند زادہ اور اُن کی اولاد کے لیے خلعت بھی لائے تھے۔ میں نے کہا کہ میرا ارادہ اخوند عالم یعنی بادشاہ کی ملازمت کرنے کا ہے۔ بادشاہوں کو یہاں کے لوگ اخوند عالم کہتے ہیں بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص خراسان کی طرف سے آئے، اور اس کا ارادہ اس ملک میں ٹھیرنے کا نہ ہو تو اُس کو آگے نہ آنے دیں جب میں نے کہا کہ میرا ارادہ اس ملک میں ٹھیرنے کا ہے تو قاضی اور گواہ طلب کیے گئے اور میرے دستخط ایک عہدنامے پر کرائے گئے میرے ساتھیوں میں سے بعض نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میں نے سفر کی تیاری کی، ملتان سے دہلی چالیس روز کے راستہ پر ہے۔ برابر آبادی چلی جاتی ہے۔

آدابِ طعام دسترخوان کی وسعت، رنگارنگ کھانے

صاحب اور اُس کے ساتھیوں نے خداوند زادہ قوام الدین کی ضیافت کا انتظام ملتان سے کر لیا اور بنیئے[2] یا باورچی ساتھ لیے یہ حاجب ایک منزل آگے چلتا تھا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے خداوند زادہ کے لیے انتظام کھانے کا کر چھوڑتا تھا۔ جس قدر اشخاص کا میں نے ذکر کیا وہ علیحدہ علیحدہ خیموں میں ٹھیرتے تھے۔ لیکن کھانا خداوند کے ساتھ دسترخوان پر کھاتے تھے میں فقط ایک دفعہ اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا تھا اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی چپاتیاں ہوتی ہیں بکری کو بھون لیتے ہیں۔ اور اُس کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے ہیں پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے

تے جس کو خشتی کہتے ہیں اور اُس کو آٹے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو سموسہ کہتے ہیں اور وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے اس میں بادام اور جائفل اور پستہ اور پیاز اور گرم مصالحہ ڈال کر پتلی چپاتیوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار سموسے رکھتے ہیں پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اُس کے اوپر گھی ہوتا ہے۔ پھر لقیمات[1] القاضی لاتے ہیں اُس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر فقاعہ لاتے ہیں۔ حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوع کی طرح نیچے جھکاتے ہیں۔ جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی اور سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں۔ جب شربت پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے اُس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں کھانا ختم ہونے پر فقاع[2] کے پیالے آتے ہیں اور جب فقاع پی چکتے ہیں تو پان سپاری آتا ہے۔ جب پان چھالیہ لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اُسی طرح پھر کرتے ہیں۔ اور پھر دسترخوان سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

---

[1] یہ وہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے حیدر آباد وغیرہ میں "قمی" کہتے ہیں۔

[2] ایک طرح کی نبیذ، جس سے سرور آتا ہے، نشہ نہیں ہوتا۔ (رئیس احمد جعفری)

ملتان سے دہلی کی طرف کوچ

شہر ابوہر، آم کی تعریف، ہندوستان کے دوسرے پھل اور میوے

ملتان سے روانہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جس شہر میں ہم وارد ہوئے یہ ابوہر تھا[1] یہ بلاد ہند کا پہلا شہر ہے، چھوٹا سا، لیکن بہت خوب صورت، ابوہر میں عمارتیں وافر اور اہلہ واشجار بکرت ہیں، ہمارے ہاں کے درختوں میں سے سوا بیر کے اور کوئی درخت نہیں ہوتا۔ یہاں کا بیر ہمارے ملک کے بیرے بڑا اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور مازو کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔

آم، آم کا اچار، کٹھل، کیسرو اور جامن وغیرہ کا ذکر

ہندوستان میں ایک میوہ انبہ ہوتا ہے اُس کا درخت نارنگی کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اُس سے بڑا اور پتے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ سایہ بھی نہایت گھنا ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کے سایہ میں سوتا ہے کسلمند ہو جاتا ہے اور اُس کا پھل آلو بخارے سے بڑا ہوتا ہے۔ پختہ ہونے سے پہلے سبز ہوتا ہے اور جب گر پڑتا ہے۔ تو اُس میں نمک ڈال کر اچار بناتے ہیں اُسی طرح جیسے کہ ہمارے ملک میں لیمو اور کھٹے کا اچار بناتے ہیں۔ اور ادرک اور مرچ

---

[1] یہ شہر اب وہ نہیں جو پہلے تھا لیکن موجود ہے پاک پٹن اور سرسہ کے راستے پر فیروزپور کی تحصیل فاضلکا نہ میں واقع ہے

سا بھی اچار بناتے ہیں اور کھانے کے ساتھ کھاتے ہیں اور ہر نوالے کے پیچھے تھوڑا سا اچار کھا لیتے ہیں جب خریف کے موسم میں آم پکتا ہے تو زرد رنگ کا ہو جاتا ہے اور اُس کو سیب کی طرح کھاتے ہیں بعضے اُس کو تراش کر کھاتے ہیں، اور بعضے چوستے ہیں اُس میں شیرینی کے ساتھ کچھ ترشی ہوتی ہے گٹھلی بڑی نکلتی ہے اور گٹھلی کو بوتے ہیں تو درخت ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ کھٹے کے بیج بوتے ہیں۔

شکل[1] و برکی (کٹھل)، اس کا درخت بڑا ہوتا ہے اور پتے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں، اور پھل درخت کی جڑ میں لگتا ہے جو پھل زمین سے متصل ہوتا ہے اُس کو برکی کہتے ہیں وہ شیرینی میں زیادہ ہوتا ہے اور ذائقے میں اچھا ہوتا ہے اور جو اُوپر لگتا ہے اُس کو چکی کہتے ہیں۔ اُس کا پھل بڑے کدو کے مشابہ ہوتا ہے اور چھلکا گائے کی کھال کی مانند ہوتا ہے جب خریف کے موسم میں یہ بہت زرد ہو جاتا ہے۔ تو اُس کو توڑتے ہیں اور جب چیرتے ہیں تو ہر ایک دالے میں سو یا دو سو کوے کھیروں کی شکل کے نکلتے ہیں اور گویوں کے بیچ میں ایک جھلی زرد رنگ کی ہوتی ہے، ہر ایک کو یہ میں گٹھلی ہوتی ہے۔ جو باقلہ کے مشابہ ہوتی ہے ان گٹھلیوں کو بھون کر کھاتے ہیں یا پکا کر کھاتے ہیں تو اُس کا مزہ باقلہ کی طرح ہوتا ہے۔ باقلہ اس ملک میں نہیں ہوتا سرخ مٹی میں ان گٹھلیوں کو دبا دیتے ہیں تو دوسرے سال تک رہ سکتی ہیں یہ میوہ ہندوستان کے نہایت عمدہ میووں میں سے ایک ہے۔

تیندو آبنوس کے درخت کا پھل ہے اُس کا پھل خرمانی کے برابر ہوتا ہے اور رنگ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ شیریں بہت ہوتا ہے۔

جمو (جامن) اس کا درخت بڑا ہوتا ہے۔ اُس کا پھل زیتون کے پھل کے مشابہ ہوتا ہے لیکن رنگ میں سیاہی مائل ہوتا ہے اور زیتون کی طرح اُس کے اندر ایک گٹھلی ہوتی ہے۔

شیریں نارنج اس ملک میں بکثرت ہوتا ہے۔ لیکن ترش نارنج بہت کم ہوتا ہے۔ ایک قسم کا شیریں ترش بھی ہوتا ہے وہ مجھے بہت خوش ذائقہ معلوم ہوتا تھا اور میں اسے بڑے

---

[1] پینا چکی، یعنی کٹھل،

شوق سے کھایا کرتا تھا۔

مہوا۔ اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ پتے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن سرخی و زردی مائل اُس کا پھل بھی چھوٹے آلو بخارے کی مانند ہوتا ہے۔ اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور ہر ایک دانہ کے منہ پر ایک اور چھوٹا دانہ ہوتا ہے جو کشمش کے مشابہ ہوتا ہے اور بیج میں سے خالی ہوتا ہے اور اُس کا ذائقہ انگور کی مانند ہوتا ہے لیکن زیادہ کھانے سے سر میں درد ہو جاتا ہے خشک کیا ہوا مزہ میں انجیر کی مانند ہوتا ہے۔ اور میں انجیر کی بجائے اُس کو کھایا کرتا تھا۔ انجیر اس ملک میں نہیں ہوتا ہے۔ مہوے کے سر پر جو دوسرا دانہ ہوتا ہے اُس کو بھی انگور کہتے ہیں۔ انگور ہندوستان میں بہت کم ہوتا ہے۔ دہلی میں اور بعض اور جگہ بھی ہوتا ہے اور مہوے کے سال میں دو دفعہ پھل لگتا ہے۔ اُس کی گٹھلی کا تیل نکالتے ہیں اور چراغوں میں جلاتے ہیں۔

کسیرا (کسیرو) اس کو زمین سے کھود کر نکالتے ہیں تسطل سے مشابہ ہوتا ہے اور نہایت شیریں ہوتا ہے۔

ہمارے ملک کے پھلوں میں سے انار ہندوستان میں بھی ہوتا ہے اور سال میں دو دفعہ پھل دیتا ہے۔ جزیرۂ بلیۃ المہل (جزائر مالدیپ) میں میں نے دیکھا کہ انار بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔

اناج اور غلّہ، ماش، مونگ، لوبیا، موٹھ، کودوں وغیرہ۔

ہندوستان میں سال میں دو دفعہ فصل ہوتی ہے۔ جب گرمی میں بارش ہوتی ہے تو خریف کی فصل بوتے ہیں اور ساٹھ دن کے بعد اُس کو کاٹ لیتے ہیں۔ خریف کے غلہ میں غلہ ہائے ذیل بھی ہوتے ہیں۔ کذور (کودوں) چینہ۔ شامخ (یعنی ساوک) جو ... سے چھوٹا ہوتا ہے اکثر عابد اور زاہد اور فقیر اور مساکین اُس کو کھاتے ہیں، خودرو ... ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چھاج لے لیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹی چھڑی ... درخت کو جھاڑتے ہیں تو ساوک کے دانے چھاج میں گرتے جاتے ہیں اور یہ دانے ...

چھوٹے ہوتے ہیں دھوپ میں اُس کو خشک کرتے ہیں اور کاٹھو کی اوکھلیوں میں کوٹ کر چھلکا علیحدہ کر لیتے ہیں تو سفید دانہ اندر سے نکلتا ہے۔ بھینس کے دودھ میں اُس کی کھیر پکاتے ہیں جو اُس کی روٹی کی نسبت زیادہ لذیذ ہوتی ہے، میں اکثر کھیر پکا کر کھایا کرتا۔ اور مجھے بڑے مزے کی معلوم ہوتی تھی۔

ماش مٹر کی ایک قسم ہے۔ مونگ یہ ماش کی ایک قسم ہے۔ لیکن شکل میں ذرا لمبی اور رنگ کی سبز ہوتی ہے مونگ اور چاول ملا کر ایک کھانا جس کو کشری (کھچڑی) کہتے ہیں پکاتے ہیں اور اُس کو گھی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ کشری صبح کو بطور نہاری کے کھاتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں حریرہ۔ لوبیا یعنی چولا۔ یہ بھی ایک قسم کا باقلہ ہے۔ موٹھ یہ اناج کندور کی مانند ہوتا ہے لیکن دانہ اُس سے چھوٹا اور گھوڑے اور بیلوں کو دانہ کی جگہ دیتے ہیں۔ اور اس کام کے لیے چنا بھی استعمال کرتے ہیں۔ جَو میں طاقت کم ہوتی ہے اور چنے اور موٹھ کا دانہ دلتے ہیں اور پھر پانی میں بھگو کر گھوڑے کو کھلاتے ہیں اور گھوڑے کو خوید سبز کاٹ کر کھلاتے ہیں۔ جس سے وہ موٹے ہو جاتے ہیں۔ پہلے دس دن اُس کو گھی پلاتے ہیں۔ بعضے تین رطل اور بعضے چار رطل اور اس عرصہ میں سواری نہیں لیتے پھر ایک ماہ سبز ماش کھلاتے ہیں۔ یہ سب خریف کے اناج تھے۔ خریف کی فصل بونے کے ساٹھ دن بعد ربیع کے اناج بونے شروع کرتے ہیں جیسے کہ گندم اور نخود اور مسری اور جو۔ زمین سب اچھی اور زرخیز ہے۔ چنانچہ چاول سال میں تین دفعہ بوتے ہیں اور چاولوں کی پیدائش سب غلوں سے زیادہ ہوتی ہے تل اور مشکر بھی خریف کے ساتھ بوتے ہیں۔

ہندو رہزنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی داستان

شہر ابوہر سے چل کر ہمارا گزر ایک صحرا میں ہوا جس کی سافت ایک دن کی ہے اُس کے کناروں پر بڑے بڑے پہاڑ تھے اور اُن دشوار گذار پہاڑوں میں ہندو رہتے ہیں اور اکثر رہزنا ہوتے ہیں، ہندوؤں میں سے اکثر رعیت ہیں جو بادشاہ کی حمایت میں دیہات میں بستے ہیں ان کا حاکم مسلمان ہوتا ہے اور اُس حاکم کا افسر عامل یا جاگیردار ہوتا ہے جس

کی جاگیر میں وہ شہر یا گاؤں ہوتا ہے بعضے ہندو نافرمان ہوتے ہیں جو بادشاہ سے لڑتے
رہتے ہیں اور یہ یا تو پہاڑوں میں رہتے ہیں اور یا رہزنی کرتے ہیں جب ہم ابوہر سے چلے
دوسرے لوگ تو صبح ہی صبح چل دیے اور میں اور چند آدمی دوپہر تک وہیں رہے
اور دوپہر کے بعد وہاں سے چلے۔ ہم بائیس سوار تھے۔ جن میں عربی اور عجمی دونوں تھ
ہم پر اسی ہندوؤں اور دو سواروں نے حملہ کیا۔ میرے ہمراہی سب کے سب اچھے جوا
اور بہادر تھے خوب لڑائی ہوئی ہم نے بارہ آدمیوں اور ایک سوار کو قتل کیا اور اُ
کا گھوڑا پکڑ لیا مجھے اور میرے گھوڑے کو تیر کا زخم لگا لیکن خدا نے بچا لیا۔ کیونکہ اُن
کے تیر بہت کمزور ہوتے ہیں ہم میں سے ایک کا گھوڑا زخمی ہوا اُس کو ہم نے مقتول ک
گھوڑا دیدیا اور زخمی گھوڑے کو ذبح کر لیا جو ترک ہمارے ساتھ تھے وہ اس کو کھا
اور مقتولوں کے سر کاٹ کر ہم ابی بکھر کے قلعہ میں لے گئے اور وہاں فصیل پر لٹکا د
ابی بکھر ہم آدھی رات کو پہنچے اور اُس سے سفر کر کے دو دن بعد اجودھن میں داخل ہو

اجودھن یعنی پاک پٹن

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کا شہر!

اجودھن[1] یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ شہر شیخ فریدالدین بدایونی کا ہے۔ شیخ برہان الدین اسکندری نے چلتے وقت کہا تھا کہ تیری ملاقات شیخ فریدالدین سے ہوگی چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں اُن سے ملا[2] وہ بادشاہ ہند کے پیر ہیں اور اُس نے ان کو یہ شہر انعام میں بخشا ہے، شیخ پر وہم بدرجہ غایت غالب ہے یہاں تک نہ کسی سے مصافحہ کرتے ہیں، نہ کسی کے قریب ہوتے ہیں اگر اُن کا کپڑا کسی کے کپڑے سے مس ہو جاتا ہے تو اسے دھو ڈالتے ہیں۔ میں اُن کی خانقاہ میں گیا اور اُن سے ملاقات کر کے شیخ برہان الدین کا سلام اُن کو پہنچایا یہ سُن کر انھوں نے تعجب کیا اور

---

[1] پاک پٹن شریف کا قدیم نام اجودھن ہے، پہلے اس کا نام "پٹن فرید" پڑا، پھر شہنشاہ اکبر نے اسے "پاک پٹن" کا نام دیا۔ بہت بڑی زیارت گاہ ہے، ہر سال عرس میں لاکھوں آدمی شریک ہوتے ہیں، یہ منٹگمری کے ضلع میں ہے۔

[2] یہ ابن بطوطہ کا سہو ہے درحقیقت وہ حضرت شیخ علاء الدین موج دریا سے ملا تھا۔ جو بابا فرید شکر گنج کے پوتے اور شہنشاہ محمد تغلق کے مرشد تھے، معز الدین اور علم الدین انہی کے صاحبزادے تھے۔

کہا کسی اولاد کو سلام کہا ہوگا۔ ان کے دونوں بیٹوں سے میں نے ملاقات کی دونوں عالم و فاضل تھے ایک کا نام معز الدین تھا۔ اور دوسرے کا نام عَلَم الدین۔ معز الدین بڑا تھا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا ان کے دادا شیخ فرید الدین بدایونی کی قبر کی بھی میں نے زیارت کی، بدایوں سنبھل کے علاقہ میں ایک شہر ہے جب میں اس شہر سے رخصت ہونے لگا تو عَلَم الدین نے کہا آپ میرے والد سے مل لیں۔ وہ اُس وقت سب سے اونچی چھت پر تھے اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمامہ باندھا ہوا تھا اور اُس کا شملہ ایک طرف لٹکا ہوا تھا انھوں نے میرے واسطے دعا کی اور میرے پاس مصری اور شکر ہدیہ بھیجی۔

ستی کی رسم کا دِل خراش منظر، میں بیہوش ہوگیا

میں شیخ صاحب کی زیارت سے واپس آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ہمارے خیمہ گاہ کی جانب سے بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں اور اُن میں بعضے ہمارے آدمی بھی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے انھوں نے جواب دیا کہ ایک ہندو مر گیا تھا اسے جلانے کے واسطے چتا تیار کی گئی ہے اُس میں اُس کی بیوی بھی ساتھ جلے گی۔ جب وہ دونوں جل چکے تو ہمارے ہمراہی واپس آئے کہتے تھے کہ عورت میت کے ساتھ چمٹ کر جل گئی۔ ایک اور دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک ہندو عورت بناؤ سنگار کیے ہوئے جا رہی تھی اور ہندو مسلمان[1] اُس کے پیچھے پیچھے تھے آگے آگے نوبت بجتی جاتی تھی اور برہمن ساتھ ساتھ تھے چونکہ بادشاہ کا علاقہ تھا اس لیے بادشاہ کی اجازت بغیر وہ جلا نہ سکتے تھے۔ بادشاہ نے جلانے کی اجازت دے دی اُس کے بعد جلایا[2]۔ پھر کچھ مدت کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ میں ایک شہر میں تھا۔ جس کے اکثر باشندے ہندو تھے اور جس کا نام ابرہی تھا۔ اس کا حاکم سامرہ قوم کا مسلمان

---

[1] اس رسم کی عظمت نفسیاتی طور پر مسلمانوں کے دل میں بھی جاگزین ہو گئی تھی،

[2] اس وقت تک اس رسم کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یہ کام اکبر نے کیا۔

تھا۔ اُس کے نکاح میں ۱۰ فرمان ہندو رہتے تھے ایک دفعہ انھوں نے زبرنی کی تو امیر ہندو مسلمانوں کو ساتھ لے کر اُن سے لڑنے گیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی اور سات ہندو رعیت مارے گئے اُن میں سے تین شادی شدہ تھے، ان کی بیویوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا۔

ستی ہونا ہندوؤں میں واجب نہیں ہے[1] لیکن جو رانڈیں اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہیں۔ اُن کا خاندان معزز گنا جاتا ہے اور وہ خود اہل وفا گنی جاتی ہیں۔ اور جو رانڈیں ستی نہیں ہوتیں اُن کو موٹے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی خواری میں زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ اور اُن کو اہل وفا بھی نہیں سمجھتے[2] لیکن کسی کو ستی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا[3]۔ جن تین بیواؤں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ تین دن پہلے گاتے بجاتے اور کھاتے

---

[1] لیکن بیوہ عورت کی زندگی اس درجہ اجیرن ہو جاتی تھی کہ جل مرنے کے سوا اس کے لیے کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

[2] یہی طعنے اسے جل مرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

[3] ابوالفضل نے ستی کی پانچ صورتیں لکھی ہیں: ——

الف:۔ شوہر کے غم میں عورت بیہوش ہو جاتی ہے، اسی حالت بیہوشی میں رشتہ دار اسے نذر آتش کر دیتے تھے۔

ب:۔ شوہر سے غیر معمولی محبت کے باعث ارادۃً جل مرتی تھی۔

ج:۔ شرما شرمی جل مرنا پسند کرتی تھی، کہ عزیزوں اور رشتہ داروں کی طنز اور نفرت سے بھری ہوئی آنکھوں اور باتوں کا مقابلہ کرنا اس کے بس میں نہ تھا،

د:۔ رسم و رواج کے باعث جل مرنے پر مجبور تھی۔

ہ:۔ خاوند کے ورثا، عورت کی رضامندی حاصل کیے بغیر اسے آگ میں جھونک دیتے تھے،

اور یہ ساری صورتیں کتنی ظالمانہ اور ننگ انسانیت تھیں، ۱۸۲۹ء میں لارڈ بنٹنگ نے از روئے قانون ستی ہونا، اور ستی ہونے میں مدد دینا جرم قرار دیا،

میں مشغول ہو گئیں۔ اُن کے پاس ہر طرف سے عورتیں آتی تھیں اور چوتھے دن صبح کو اُن کے پاس ایک ایک گھوڑا لاتے اور ہر بیوہ بناؤ سنگار کر کے اور خوشبو لگا کر اُس پر سوار ہوتی اُس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا۔ جس کو اچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا اُس میں منہ دیکھتی جاتی تھی۔ برہمن اُس کے گرد جمع تھے اور اُس رشتہ دار اُس کے ساتھ تھے آگے آگے نقارے اور نوبت بجتی جاتی تھی ہر ایک ہندو اُسے کہتا تھا کہ میرا سلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کہنا اور وہ کہتی تھی اچھا اور ہنستی جاتی تھی[1]۔

میں بھی اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر اُن کے جلنے کی کیفیت دیکھنے گیا۔ ہم اُن کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کی کثرت سے اندھیرا ہو رہا تھا بیچ میں چار گنبد تھے۔ ہر گنبد میں ایک ایک بت تھا۔ اور گنبد کے بیچ میں پانی کا حوض تھا۔ اُس پر درختوں کے سایہ کے سبب سے دھوپ نہ پڑھتی تھی۔ تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے پاس پہنچیں تو حوض میں اتر کر انھوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیورات اتار کر علیحدہ رکھ دیے۔ اور انھیں خیرات کر دیا پھر اُن کی بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی حوض کے پاس ایک نیچی جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اُس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ پندرہ آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑی کے گٹھے بندھے ہوئے تھے اور دس آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے نقارہ اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ عورت کی نظر اُس پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کیا میں نہیں جانتی یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو پھر اُس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے تئیں ڈال دیا۔ اُس وقت نقارے اور نفیریاں بجنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو ہاتھوں

---

[1] یہ ہنسی اپنے اندر کتنی آہیں اور بے بسی کے کتنے آنسو نہاں رکھتی تھی۔

ہیلے ہوئے تھے آگ میں ڈالنا شروع کیں اور اُس کے اوپر بڑے بڑے کندے ڈال دیے تاکہ وہ عورت حرکت نہ کر سکے۔ حاضرین نے بھی نہایت شور کیا۔

میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا اور میرا منہ پانی میں دھلوایا۔ میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی طرح ہندو اپنے تئیں دریا میں غرق کر دیتے ہیں۔ اکثر دریائے گنگا میں ڈوب جاتے ہیں۔ گنگا کی طرف ہندو یاترا کے لیے جاتے ہیں اور اپنے مردوں کی راکھ بھی اُس میں ڈالتے ہیں۔ اُن کا گمان ہے کہ اس دریا کا منبع بہشت ہے جب کوئی شخص اپنے تئیں دریا میں ڈبو دیتا ہے۔ تو حاضرین سے کہہ دیتا ہے۔ کہ میں کسی دنیاوی تکلیف سے یا افلاس کے سبب ایسا نہیں کرتا، بلکہ اپنے گسائی (گسائیں) کی رضامندی کے لیے کرتا ہوں۔ گسائیں ان کی زبان میں خدا کا نام ہے۔ جب وہ شخص ڈوب کر مر جاتا۔ تو اُس کو نکال کر جلاتے ہیں، اور اُس کی راکھ دریائے گنگا میں ڈال دیتے ہیں۔

شہر سرسہ میں داخلہ

اجودھن سے چل کر ہم سرستی (سرسہ) پہنچے یہ بڑا شہر ہے یہاں چاول بکثرت ہوتے ہیں۔ اور اچھے بھی ہوتے ہیں، اور دہلی بھیجے جاتے ہیں اس شہر کا محاصل بھی بہت ہے۔ حاجب شمس الدین بوشنجی نے مجھے تعداد بتلائی تھی یاد نہیں رہی[1]

شہر ہانسی، وہاں کی خوبصورت عمارتیں اور اونچی فصیل

پھر سرسہ سے ہم ہانسی گئے۔ یہ ایک خوبصورت اور مضبوط شہر ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں

---

[1] یہ شہر دریائے سرسوتی کے کنارے واقع تھا۔ اسی لیے سرستی کہلانے لگا، رفتہ رفتہ سرسہ بن گیا صوبہ دار کا مرکز بھی یہی شہر تھا، کیونکہ ابھی تک فیروز شاہ کا بسایا ہوا شہر حصار عالم وجود میں نہیں آیا تھا۔

ہیں، فصیل بھی اونچی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندو راجا تورا نے اسے بنایا تھا اور اُس راجہ کے
متعلق لوگ بہت سی حکایات بیان کرتے ہیں۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں قاضی القضاۃ
ہندوستان اور اُس کا بھائی قطلوخاں بادشاہ کا اُستاد اور اُن کا بھائی شمس الدین جو
ہجرت کر کے مکہ چلا گیا تھا، اور وہاں ہی مر گیا تھا۔ اس شہر کے رہنے والے ہیں[1]

مسعود آباد اور پالم میں ہمارا داخلہ

پھر ہم دو دن کے بعد مسعود آباد پہنچے یہ شہر دہلی سے دس کوس ہے۔ یہاں تین دن قیام
کیا، ہانسی اور مسعود آباد دونوں ملک ہوشنگ ابن ملک کمال گرگ[2] کی جاگیریں ہیں۔ جب
ہم پہنچے تو بادشاہ دارالخلافہ میں نہ تھے اور قنوج کی طرف گئے ہوئے تھے۔ قنوج دہلی
سے دس منزل ہے۔ دہلی میں بادشاہ کی والدہ مخدومہ جہاں اور وزیر احمد بن ایاز رومی
خواجہ جہاں[3] موجود تھے۔ وزیر نے ہم میں سے ہر ایک کے لیے اُسی کے مذاق اور رتبہ کے
مطابق آدمی استقبال کے لیے بھیجا میرے استقبال کو شیخ بسطامی اور شریف مازندرانی
جو پردیسیوں کا حاجب ہے اور فقیہ علاء الدین قنترہ ملتانی آئے، وزیر نے ہمارے آنے
کی خبر سلطان کو دی اور ڈاک میں بھیجی تیسرے دن اُس کے پاس جواب آگیا۔ اور اسی لیے
تین دن ہمیں مسعود[4] آباد میں ٹھیرنا پڑا اور تین دن کے بعد ہمارے استقبال کو قاضی
فقیہ اور مشائخ اور امرا آئے، مصر میں جن لوگوں کو امیر کہتے ہیں اس ملک میں ملک کہتے ہیں
اور شیخ ظہیر الدین زنجانی بھی آتے۔ وہ سلطان کے نہایت معزز مقرب ہیں۔ پھر ہم مسعود

---

[1] ضلع حصار میں اب یہ مقام ایک تحصیل کا صدر مقام رہ گیا ہے۔

[2] ایک نومسلم، جو حضرت نظام الدین اولیا کا مرید باصفا تھا۔

[3] الذیب۔

[4] دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ پر نجف گڑھ کے قریب اب بھی اس کے کھنڈر موجود ہیں۔

سے چل کر ایک گاؤں کے قریب ٹھیرے جس کو پالم[1] کہتے ہیں یہ گاؤں سید شریف ناصر الدین مطہر ادہری کی جاگیر میں ہے جو سلطان کے ندیموں میں سے ہیں اور بادشاہ کی سخاوت بہت کچھ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

---

[1] تحصیل دہلی میں یہ گاؤں شامل ہے، دہلی سے ریواڑی جاتے ہوئے پہلا اسٹیشن ہے، اب یہاں ہوائی اڈہ بن گیا ہے، جو دہلی کی سب سے بڑی طیران گاہ ہے

دہلی

شہر کی وسعت، استحکام، فصلیں اور انبار خانے

دوپہر کے وقت ہم دہلی پہنچے، یہ عظیم الشان شہر عمارات کی خوب صورتی اور مضبوطی کے اعتبار سے بے مثل ہے، اُس کی فصیل ایسی مضبوط ہے کہ دنیا بھر میں اُس کا نظیر نہیں۔ سارے مشرق میں کوئی شہر اس کا ہم پلّہ نہیں، بڑا فراخ شہر ہے اور سب آباد ہے۔ اس میں چار شہر ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ (۱) دہلی جو ہندوؤں کے وقت کا قدیم شہر ہے۔ یہ ۵۸۴ھ میں فتح ہوا تھا۔ (۲) دوسرا شہر سیری ہے اس کو دار الخلافہ بھی کہتے ہیں[۲] یہ شہر بادشاہ نے غیاث الدین خلیفہ مستنصر العباسی کے پوتے کو دے

---

[۱] پرانی دلّی بہت قدیم ہے، کوروں اور پانڈوں کے زمانہ کی پھر ہر ہندو مسلم بادشاہ کے وقت میں اس کی توسیع ہوتی رہی، یا اس کے پہلو بہ پہلو دوسرا شہر اسی نام سے بسایا۔ مسلمانوں نے جب دلی کو فتح کیا، تو یہ رائے پتھورا کی توسیع کردہ دلّی تھی، جس میں لال کوٹ بھی شامل تھا۔

[۲] سیری، یہ شہر سلطان علاؤ الدین خلجی کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ نشانات اب تک باقی ہیں۔

دیا تھا[1]۔ جب وہ دہلی میں مقیم تھا۔ سلطان علاء الدین[2] اور قطب الدین اسی شہر میں رہتے تھے۔ (۳) تیسرا شہر تغلق آباد ہے اس کو بادشاہ کے باپ غیاث الدین تغلق شاہ نے آباد کیا تھا[3]۔ غیاث الدین ایک روز سلطان قطب الدین خلجی کی ملازمت میں کھڑا تھا اس وقت اس نے عرض کی کہ اے اخوند عالم اس جگہ ایک نیا شہر بنانا چاہیے، بادشاہ نے طنز سے کہا کہ تو بادشاہ ہو جاوے تو یہاں شہر آباد کیجیو[4]۔ جب وہ تقدیر خدا سے بادشاہ ہو گیا تو اس نے یہ شہر آباد کیا۔ اور اپنے نام پر اس کا نام تغلق آباد رکھا۔ (۴) چوتھا شہر جہاں پناہ ہے اس میں سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ حال رہتا ہے اور اس نے اس شہر کو آباد کیا ہے[5]۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ چاروں شہروں کو ملا کر ایک فصیل ان کے گرد بنا دے اور بنانی شروع بھی کی تھی۔ لیکن خرچ زیادہ دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی۔ شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے۔ اس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں جس میں چوکیدار اور دروازوں کے محافظ رہتے ہیں اور غلے کے کھتے بھی جن کو انبار کہتے ہیں فصیل میں بنے ہوئے ہیں۔ منجنیق اور لڑائی کے سامان درعادات[6] بھی ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں، غلہ بھی ان ہی میں جمع کرتے ہیں۔ یہ غلہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہتا ہے اور رنگ بھی نہیں بدلتا[7]۔ میرے سامنے ان

---

[1] خلافت اسلامیہ سے شہنشاہ تغلق کی والہانہ عقیدت کی یہ کیسی عجیب وغریب اور نادر مثال ہے۔

[2] شہنشاہ علاء الدین خلجی اپنے وقت کا سکندر، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

[3] قطب الدین خلجی، علاء الدین کا نالائق اور ننگ خاندان بیٹا جس پر خلجی خاندان ختم ہو گیا۔

[4] کسی تاریخ سے اس روایت کی تصدیق نہیں ہوتی،

[5] یہ شاندار شہر غیاث الدین تغلق کی اولوالعزمی کا شاہکار تھا، اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں، یہیں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ہے، سلطان محمد تغلق کا انتقال ٹھٹھہ میں ہوا تھا وہاں سے اس کی لاش لاکر باپ کے پہلو میں دفن کی گئی، ! —

[6] ایک قسم کی منجنیق، صحیح لفظ عرادہ ہے۔

[7] اس قدر غیر سائنسی زمانے میں اتنے عرصہ تک اناج کا بغیر کسی خرابی کے محفوظ رکھنا ایک کرشمہ تھا۔

گوداموں میں سے چاول نکالے گئے۔ اُن کا رنگ اوپر سے سیاہ ہو گیا تھا۔ لیکن مزہ میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ تلی یا جوار بھی اُس سے نکال رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بلبن کے وقت جن کو نوّے سال ہوئے ہیں یہ غلے بھرے گئے تھے۔ فصیل کے اوپر کئی سوار اور پیادے تمام شہر کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ شہر کے اندر کی طرف گوداموں میں تابدان ہیں جن سے روشنی آتی ہے۔ فصیل کے نیچے کا حصّہ پتھر سے بنا ہوا ہے اور اوپر کا حصّہ پختہ اینٹوں کا۔ برج تعداد میں بہت اور قریب قریب ہیں۔ شہر کے اٹھائیس دروازے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں، بدایوں دروازہ جو ایک بڑا دروازہ ہے، شہر بدایوں کے نام سے مشہور ہے۔ مندوی دروازہ جس کے باہر کھیت ہیں اور گل دروازہ جس کے باہر باغ ہیں اور نجیب دروازہ اور کمال دروازہ کسی شخص کے نام پر ہیں۔ اور غزنی دروازہ جس کے باہر عیدگاہ اور بعض قبرستان ہیں۔ اور پالم دروازہ جو پالم گاؤں کی طرف ہے۔ اور بجالسہ دروازہ جس کے باہر دہلی کے کل قبرستان ہیں۔ قبرستان خوب صورت ہیں ہر ایک قبر پہ گنبد نہیں تو محراب ضرور ہوتی ہے اور بیچ میں گل شبو اور رائے بیل اور گل نسرین اور قسم قسم کی پھلواری لگی ہوتی ہے۔

مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار

دلّی کی عمارتیں، شمسی حوض، مزارات و مقابر کا بیان

دہلی کی جامع مسجد[1] بڑی وسیع ہے۔ اس کی دیواریں اور چھتیں اور فرش ہر ایک چیز تراشی ہوئی سفید پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ جس کو سیسہ لگا کر جوڑ لگایا ہے اور لکڑی کا کہیں نام نہیں۔ اس میں تیرہ گنبد ہیں جو پتھر کے ہیں۔ اور ممبر بھی پتھر کا ہے۔ چار صحن ہیں اور اس کے وسط میں ایک لاٹ ہے[2]۔ معلوم نہیں کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔ کسی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ہفت جوش یعنی سات دھاتوں کو جوش دے کر ان سے یہ لاٹ بنائی گئی ہے۔ کسی نے اس لاٹ میں سے انگل بھر ٹکڑا تراشا ہے وہ جگہ نہایت چکنی ہے۔ لوہا اس میں اثر نہیں کرتا۔ اس کا طول تیس ہاتھ کا ہے۔ جو میں نے اپنی پگڑی سے ناپا تھا۔ مسجد کے اور شرقی دروازے کے باہر دو بڑے بڑے برنجی بت پتھر میں جڑے

---

[1] اس مسجد کا نام "مسجد قوت الاسلام" ہے یہاں پہلے پرتھوی راج کا بت خانہ تھا، سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۹ میں دلی فتح کی اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو جو اسکا سپہ سالار بھی تھا وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس کی تعمیل ہوئی، یہ واقعہ ۵۹۵ھ کا ہے۔ لبعد ازاں شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ میں تین تین در کے دو درجے اور تعمیر کئے۔

یہ مسجد دنیا کے عجائبات میں سے ہے جو اپنی وسعت اور خوبصورتی کے باعث دنیا بھر میں بے مثل ہے اقبال نے اس کا بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوئے پڑے ہیں[3] آیند و روند ان پر پاؤں رکھ کر جاتے ہیں۔ یہاں پہلے بت خانہ تھا۔ جب
دہلی فتح ہوئی تو بت خانہ کی جگہ یہ مسجد تیار[4] کی گئی۔ مسجد کے شمالی صحن میں ایک منار[5] ہے جس کی
نظیر اسلام کے کسی ملک میں نہیں۔ یہ منار سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ حالانکہ مسجد سفید پتھر کی ہے۔ منار
کے پتھروں پر نقش کندہ ہیں اور اس کا اوپر کا چھتر خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اور لٹو زر خالص
کے ہیں۔ اور اندر سے اس کا زینہ اس قدر چوڑا ہے کہ اس پر ہاتھی چڑھ جاتا ہے۔ ایک ثقہ آدمی
نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ جب یہ منار بنایا جاتا تھا تو میں نے ہاتھیوں کو اس کے اوپر پتھر لے جاتے
ہوئے دیکھا ہے اس منار کو معز الدین بن ناصر الدین بن التمش نے بنوایا تھا[6] اور قطب الدین
خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ غربی صحن میں ایک اور منار بناوے جو اس منار سے بہت بڑا اور اونچا ہو اور ایک
تہائی کے قریب اس نے بنوایا تھا کہ وہ مارا گیا اور سلطان محمد تغلق نے تکمیل کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر فال بد سمجھ کر
اپنے ارادہ سے باز رہا۔ ورنہ یہ منار دنیا کے عجائبات میں سے ہوتا یہ اندر سے اس قدر چوڑا ہے کہ
تین ہاتھی برابر اس میں اوپر چڑھ سکتے ہیں اور تہائی اس قدر بلند ہے جس قدر صحن شمالی کا کل منار۔ ایک
دفعہ اس پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ شہر کے اونچے اونچے گھر اور فصیل باوجود بلندی کے چھوٹے چھوٹے

گذشتہ صفحہ کا حاشیہ

۲ یہ خالص لوہے کی لاٹ ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اب تک زنگ آلود نہیں ہوئی۔ حالانکہ ڈیڑھ ہزار سال کی مدت گذر چکی ہے۔

۳ یہ بکرماجیت کا بت تھا۔

۴ مسلمان بادشاہ انہی مندروں کو مسجدوں میں تبدیل کرتے تھے، جو سازش کدے۔ مذہب کی آڑ میں۔ ہوتے تھے

۵ دنیا کا بے مثل منار قطب الدین ایبک نے ماذنہ کے طور پر بنوایا تھا کہ ہر جمعہ کو یہاں سے صدائے تکبیر بلند کر۔
یہ بھی شہاب الدین غوری کے حسب الحکم بنا تھا۔ اس کی تکمیل غوری کے دوسرے غلام شمس الدین التمش نے کی۔ اس کی
۲۳۸ فٹ ہے سیڑھیاں ۲۷۸، مسجد قوت الاسلام، اور قطب منار اور دہلی کی دوسری تاریخی عمارتوں کی
تفصیل سے سرسید کی آثار الصنادید اور ڈپٹی نذیر احمد کے خلف الصدق بشیر الدین احمد کی واقعات دارالحکومت
میں موجود ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

۶ معز الدین کیقباد اور معز الدین بن سام میں ابن بطوطہ امتیاز نہ کر سکا۔

معلوم ہوتے تھے اور اوراس کی جڑ میں کھڑے ہوئے آدمی چھوٹے بچے معلوم ہوتے تھے نیچے سے کھڑے ہو کر دیکھنے سے یہ نامکمل مینار بسبب کلانی اور وسعت کے کم اونچا معلوم ہوتا ہے ۔ سلطان قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سیری میں ایک ایسی مسجد تعمیر شروع کرے لیکن فقط ایک دیوار اور محراب کے سوا نہ بنا سکا ۔اس نے سفید اور سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں کی تعمیر شروع کی تھی ۔ اگر بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی ۔ سلطان محمد تغلق نے اسے بنانے کا ارادہ کیا ۔اور معماروں اور کاریگروں سے اندازہ کرایا تو معلوم ہوا کہ ۳۵ لاکھ روپیہ لگے گا ۔ خرچ کثیر دیکھ کر ارادہ ترک کر دیا ۔ لیکن بادشاہ کا ایک مصاحب کہتا تھا کہ فال بد کے سبب سے اس نے بنانا شروع نہیں کیا ۔ کیونکہ قطب الدین اس کے شروع کرتے ہی مارا گیا تھا ۔

حوض شمسی ، علائی حوض ، طرب آباد ، اور وہاں کی مسجد اور نماز ،

دہلی کے باہر ایک حوض ہے جو سلطان شمس الدین التمش کی طرف منسوب[1] ہے اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عید گاہ بھی اسی کے قریب ہے اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے ۔ اس کے غربی طرف عید گاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں ۔ جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں ۔ چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے ۔جس میں تماشائی بیٹھ کر سیر کرتے ہیں اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے یہ گنبد دو منزلہ ہے ۔جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں ۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو ویسے ہی چلے جاتے ہیں اس کے اندر ایک مسجد ہے اکثر زاہد اور متوکل وہاں جا کر رہتے ہیں ۔جب حوض کے کنارے سوکھ جاتے ہیں تو ان میں کھیرا اور ککڑی اور کھیری اور تربوز اور خربوزے بو دیتے ہیں ۔ خربوزہ چھوٹا لیکن نہایت شیریں ہوتا ہے ۔ دہلی اور دارالخلافہ

---

[1] اس تالاب کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب بھی یہ ۲۷۶ بیگھہ پختہ میں ہے ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار پرانوار بھی اس حوض کے کنارے واقع ہے ۔ یہ پورا حوض سنگ سرخ سے بنا تھا ۔

کے درمیان ایک اور حوض ہے جس کو حوض خاص کہتے ہیں[1] - یہ حوض حوض شمسی سے بھی بڑا ہے اور
کے کناروں پر چالیس کے قریب گنبد ہیں اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے اسے طرب
کہتے ہیں یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے جو بہت بڑا ہے اور اس میں ایک مسجد جامع بھی ہے[2] سوا
کے اور مسجدیں بھی ہیں - کہتے ہیں گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلہ میں رہتی ہیں رمضان شریف میں
کی نماز جماعت سے پڑھتی ہیں اور ان کے امام مقرر ہیں عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی
بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جونہی اذان ہوئی ہر ایک ڈ
وضو کر کے اور مصلے بچھا کر نماز پر کھڑا ہو گیا۔[3]

---

[1] یہ سلطان علاؤالدین خلجی کا تعمیر کردہ ہے پھر بعد میں فیروز شاہ نے اس کی مرمت کرائی۔

[2] "مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے"! شاید غالب نے اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

[3] ارباب نشاط اور اہل طرب بھی اس زمانے میں سرتاسر آلودہ معصیت نہ تھے۔

دہلی میں اہل اللہ کے مزارات

دہلی کے علما، وصلحا، اور ارباب فضل و کمال

یہاں کے مزارات میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا مزار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مزار پر انوار بابرکت مشہور ہے اور لوگ اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ یہ کاکی یوں مشہور ہوئے کہ ان کے پاس جو مقروض یا مفلس آتا

ؔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اور انہی کے ایما پر دہلی آکر تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے لگے۔

کاک کے معنی ٹکیہ کے ہیں، اور یہاں سے اب تک جو تبرک ملتا ہے وہ یہی کاک ہے،

مشہور یہ ہے کہ آپ کی بیوی ایک بقال سے قرض لیا کرتی تھیں ایک دفعہ اس کی بیوی نے طعنہ دیا، آپ نے فرمایا قرض نہ لیا کرو۔ جب ضرورت ہو تو طاقچہ میں ہاتھ ڈال کر کاک دیدیا کرو، چنانچہ جب ہاتھ ڈالتیں گرما گرم کاک برآمد ہوتی، بچے بہل جاتے،

اس مزار کی چار دیواری شیر شاہ سوری نے کھنچوائی تھی۔ پھر سنگ مرمر کی پوری عمارت فرخ سیر شہنشاہ ہند نے تعمیر کرائی

ستمبر [illegible] میں جب دلی مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنی تو یہ درگاہ بھی محفوظ نہ رہی) اور اس کی بے حرمتی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اپنی قوم کی اس حرکت پر گاندھی جی بہت ملول ہوئے اور انہوں نے مرن برت رکھ لیا تب جاکر اس کی مرمت کی گئی، پھر جب عرس ہوا تو اس میں شرکت کے لئے بھی گاندھی جی پہنچے،

حضرت کا انتقال اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ قوال نے مجلس میں یہ شعر گایا ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ÷ ہر زماں از غیب جان دیگر است

اور قرض اور افلاس کی شکایت کرتا۔ یا کوئی ایسا شخص آتا جس کی بیٹی جوان ہوتی اور شادی کا سامان اس کے پاس نہ ہوتا تو خواجہ صاحب ان کو ایک کاک سونے یا چاندی کی دیدیا کرتے تھے۔ دوسرا مزار فقیہ نورالدین کا ہے۔ تیسرا فقیہ علاءالدین کرمانی کا یہ مزار ظاہر البرکت اور ساطع النور ہے۔ یہ عیدگاہ کی پشت کی طرف ہے۔ یہاں اور بھی بہت سے اولیاء کے مزار ہیں۔

دہلی کے علماء زندہ میں شیخ محمود[1] کیا ہیں یہ بڑے بزرگ ہیں لوگوں کا خیال ہے انہیں دست غیب حاصل ہے کیونکہ خرچ بہت کرتے ہیں۔ اور آمدنی کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں۔ ہر مسافر کو روٹی دیتے ہیں اور روپیہ اور اشرفی اور کپڑے تقسیم کرتے ہیں صاحب کرامات بزرگ ہیں۔ آپ کی کرامتیں زبان زدعام ہیں۔ میں نے کئی بار زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔

شیخ علاؤالدین[2] نیلی ایک بزرگ ہیں شیخ نظام الدین بدایونی کے خلیفہ ہیں ہر جمعہ کو وعظ کہتے ہیں بہت سامع ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اور سر منڈواکر صاحب وجد ہو جاتے ہیں ۔ ایک دفعہ یہ صاحب وعظ کرتے تھے میں بھی حاضر تھا۔ قاری نے کلام اللہ کی یہ آیت پڑھی۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝

شیخ نے اس کو دوبارہ پڑھوایا تو ایک فقیر نے مسجد کے گوشہ سے چیخ ماری۔ شیخ صاحب نے آیت کو پھر پڑھوایا۔ فقیر نے ایک اور چیخ ماری اور مردہ ہوکر گر پڑا۔ میں نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی ایک بلند پایہ عالم صدرالدین کہرانی ہیں۔ صائم الدہر اور قائم اللیل، دنیا کو بالکل ترک کر چکے ہیں لباس فقط ایک کمبل، بادشاہ اور امیر زیارت کو آتے ہیں مگر یہ چھپتے پھرتے ہیں۔ ایک دفعہ بادشاہ نے درخواست کی کہ لنگر کے خرچ کے واسطے کچھ دیہات قبول کرلیں۔ لیکن شیخ نے انکار کیا۔ ایک دفعہ بادشاہ زیارت کے

---

[1] ہوسکتا ہے حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی ہوں

[2] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے صوبہ اودھ کے رہنے والے تھے ،

لے کر آیا اور دس ہزار دینار نذر کئے۔ شیخ نے قبول نہ کئے۔ یہ بزرگ تین دن سے پہلے روزہ نہیں کھولتے۔ ان سے کسی نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں جب تک مضطر نہیں ہوتا روزہ نہیں کھولتا مضطر کو مردار بھی حلال ہے[1]

ایک اور بزرگ امام صالح یگانۂ عصر فرید دہر کمال الدین عبداللہ غاری ہیں۔ آپ شیخ نظام الدین بدایونی کی خانقاہ کے پاس ایک غار میں رہتے ہیں میں نے تین دفعہ غار میں آپ کی زیارت کی۔ کرامت جو میں نے دیکھی وہ یہ ہے ایک دفعہ میرا ایک غلام بھاگ گیا۔ میں نے اسے ایک ترک کے پاس دیکھا اور واپس لینا چاہا۔ شیخ نے منع کیا کہ یہ غلام تیرے لائق نہیں جانے دے۔ اور چونکہ وہ ترک مجھ سے مصالحت کرنا چاہتا تھا سو دینار لے کر میں غلام سے دستبردار ہوگیا۔ چھ مہینے کے بعد میں نے سنا کہ اس نے اپنے آقا کو قتل کر ڈالا۔ اس کو بادشاہ کے پاس پکڑ کر لائے۔ بادشاہ نے اسے ترک کے بیٹوں کے حوالہ کر دیا کہ اپنا قصاص لے لیں۔ انہوں نے اسے مار ڈالا۔ یہ کرامت دیکھ کر میں شیخ کا معتقد ہوگیا۔ اور دنیا کو ترک کر کے ان کی ملازمت اختیار کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دس دس دن اور بیس بیس دن کا روزہ رکھتے تھے اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذارتے تھے اور میں اس وقت تک جبتک کہ بادشاہ نے مجھے واپس بلا نہ بھیجا اور میں دنیا کو پھر نہ جا پلٹا ان کی خدمت میں رہا۔ خدا خاتمہ بالخیر کرے۔

---

[1] اشارہ اس آیۂ کریمہ کی طرف ہے «فمن اضطر غیر باغ ولا عاد»!

(رئیس احمد جعفری)

ابن بطوطہ نے دلّی کے صوفیائے کرام کا جو تذکرہ کیا ہے وہ اپنی جگہ پر یقیناً مبنی بر حقیقت ہے مگر اس پر ضرور حیرت ہے کہ اس نے بعض کا بالکل ذکر نہیں کیا ہے، اور بعض کا بہت تشنہ ذکر کیا ہے، مثلاً سلطان جی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے، اگرچہ حضرت اس کے زمانۂ ورود میں وفات پا چکے تھے، مگر پھر بھی دلّی کے بام و در آپ کے ذکر گرا[illegible]

بقیہ حاشیہ

اسی طرح امیر خسرو کے بارے میں شاید اس کی ناواقفیت حیرت انگیز ہے۔ امیر خسرو بھی شاید اس کے زمانۂ آمد میں وفات پا چکے تھے، لیکن ان کے اثرات و نقوش اتنے گہرے نے کر دلی کے متعدد سلاطین کی شخصیت پر بلکہ زندگی اور اطوار حیات پر ایسا نہ مٹنے والا نقش پڑا تھا، جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر ابن بطوطہ خاموش ہے،

(رئیس احمد جعفری)

دلّی پر مسلمانوں کا قبضہ

●

دلّی کے ملوک و سلاطین نام بنام

●

چپّہ چپّہ ہیں یا گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

قطبُ الدینْ ایبکؒ

جس نے دلّی فتح کی، قطب مینار تعمیر کیا، مسجد قوت الاسلام کی بنیاد ڈالی

قاضی القضاۃ علاّمہ کمال الدین محمد بن برہان الدین المقلب بہ صدرِ جہاں نے مجھے بتایا کہ دہلی کی فتح ۵۸۴ھ ہجری میں ہوئی تھی اور مسجد جامع کی محراب میں بھی یہی تاریخ لکھی ہوئی ہے جو میں نے خود پڑھی[1] دہلی کو قطب الدین ایبک نے فتح کیا ہے یہ شخص سلطان شہاب الدین محمد سام غوری[2] بادشاہ غزنی و خراسان کا غلام[3] اور سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور یہ محمد بن غوری سلطان ابراہیم بن سلطان غازی

---

[1] کتبہ پڑھنے میں ابن بطوطہ سے چوک ہوئی، دراصل دلی ۵۸۹ھ میں فتح ہوئی،

[2] سلطان شہاب الدین غوری بڑا اولوالعزم فرماں روا تھا۔ پہلی مرتبہ ناتجربہ کاری، اور کمی سپاہ کے باعث پرتھوی راج سے شکست کھا کر واپس گیا، لیکن قسم کھائی کہ جب تک پرتھوی راج کو شکست نہ دے دوں گا لذات دنیاوی مجھ پر حرام ہیں۔ جو لوگ شکست کے وقت بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں عبرتناک سزائیں دیں۔

پھر دوبارہ حملہ کر کے پرتھوی راج کو زبردست شکست دی اور وہ ہلاک ہو گیا پرتھوی راج کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

محمود غزنوی کے ملک پر جس نے ہندوستان کی فتح شروع کی تھی بہ قوت قابض ہو گیا۔ سلطان شہاب الدین نے قطب الدین کو ایک بڑا لشکر دے کر ہندوستان بھیجا۔ اس نے پہلے لاہور فتح کیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔ پھر وہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو گیا۔

بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ اس کی چغلی کھائی کہ وہ ہندوستان میں علیحدہ بادشاہت قائم کر کے اطاعت کے حلقہ سے باہر ہونا چاہتا ہے۔ یہ خبر قطب الدین کو بھی پہنچ گئی۔ وہ تن تنہا غزنی میں آیا اور رات کو پہنچا۔ اسی وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چغلخوروں کو اس کے آنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے روز جب بادشاہ دربار میں آیا۔ قطب الدین چھپ کر تخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے بادشاہ نے قطب الدین ایبک کا حال پوچھا۔ جن ندیموں نے چغلی کھائی تھی بول اٹھے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ خود سر بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے تخت پر پاؤں مارا اور تالی بجا کر کہا ایبک۔ قطب الدین نے کہا حاضر اور باہر نکل آیا اور سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چغل خور شرمندہ ہو گئے اور ڈر کر زمین چومنے لگے۔

بادشاہ نے کہا تمہارا قصور اس دفعہ میں نے معاف کیا۔ پھر کبھی ایبک کے خلاف مجھ سے کچھ نہ کہنا۔ قطب الدین کو حکم دیا کہ واپس ہندوستان کو چلا جا۔ وہ واپس چلا گیا۔ اور شہر دہلی فتح کیا۔ اور دوسرے شہر بھی فتح کئے جب سے دہلی برابر اسلام کا دارالخلافہ چلا آیا ہے۔ قطب الدین نے دہلی میں وفات پائی[1]۔

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)

زمانہ میں اصل دارالحکومت ہندوستان کا اجمیر تھا، دلّی ضمنی دارالحکومت کی حیثیت رکھتا تھا، غوری اجمیر فتح کر کے واپس چلا گیا۔ فتح دلّی وغیرہ کا کام قطب الدین کے مشہور نائب و معتمد ایبک نے پوری وفاداری سے سرانجام دیا۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اسلام کے غلاموں نے، دنیا کے ہر ملک میں جو عروج و فروغ حاصل کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ (جعفری)

[1] قطب الدین ایبک کا انتقال لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہوا۔ وہیں اس کی قبر بھی ہے، اور وہ محلہ "ایبک روڈ" کے نام سے مشہور ہے، اب پاکستان کا محکمہ آثار قدیمہ آس پاس کی عمارتوں کو توڑ کر شاندار مقبرہ بنانے کی اسکیم پر غور کر رہا ہے۔

سُلطان شمس الدین التمش

عادل، صالح، فاضل، اور دادرس بادشاہ

سلطان شمس الدین للمش[1] دہلی کا پہلا مستقل بادشاہ ہے۔ قبل ازیں یہ قطب الدین
غلام اور سپہ سالار اور نائب تھا۔ قطب الدین کے مرنے کے بعد مستقل بادشاہ ہوا۔ اور لوگ
سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی وجیہہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سا
بیٹھ گئے۔ قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اپنے
کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس
آزاد کر دیا تھا[2]۔ قاضی اور فقیہوں نے اس کو پڑھا اور سب نے اس کی بیعت کر لی[3]۔ بیس برس تک
اس نے سلطنت کی، یہ عادل، صالح اور فاضل شخص تھا۔ اس کے مآثر میں سے یہ ہے کہ وہ مظا
مظلومین کی دادرسی میں بہت سخت تھا۔ حکم عام تھا کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ رنگے ہوئے کپڑے

---

[1] نہ جانے ابن بطوطہ نے "للمش" کس طرح لکھ دیا۔ حالانکہ شمس الدین کے عہد کے جو کتبے موجود ہیں ان میں
التمش لکھا ہے، شعرا کے اشعار میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

[2] غلام حاکم یا امیر نہیں ہو سکتا۔

[3] بات صاف ہو گئی تو سب نے بے چون و چرا بیعت کر لی،

پھرے تاکہ بادشاہ فوراً اسے پہچان لے کیونکہ ہندوستان میں عموماً سفید رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ رات کے واسطے یہ تجویز کی تھی کہ اپنے دروازے کے برجوں پر دو شیر سنگ مرمر کے بنے ہوئے رکھے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں کے گلے میں زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ اور زنجیروں میں گھڑیال باندھے تھے جب کوئی مظلوم آکر زنجیر ہلاتا تھا تو فوراً بادشاہ کو خبر ہوجاتی تھی اور وہ فی الفور اس کے مقدمے کا فیصلہ کرنے آموجود ہوتا۔ مگر وہ اس پر بھی قانع نہ ہوا، کہا کرتا لوگوں پر رات کو ظلم ہوتا ہوگا۔ اور صبح تک دیر ہوجاتی ہے لہٰذا حکم دیا کہ فوراً فریقین کو طلب کرکے فیصلہ کیا جائے۔

سلطان رکن الدین

عادل باپ کا ظالم بیٹا!

سلطان شمس الدین کے تین بیٹے تھے - رکن الدین، معز الدین، ناصر الدین اور ایک بیٹی رضیہ التمش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت نشین ہوا[1] - اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی معز الدین کو جو رضیہ کا حقیقی بھائی تھا اور رکن الدین کی دوسری ماں کے پیٹ سے تھا قتل کر دا ڈالا - رضیہ ہوئی - بادشاہ نے چاہا کہ اسے بھی مروا ڈالے - وہ ایک روز جمعہ کی نماز کو جامع مسجد گیا ہوا تھا - رضیہ کی پوشاک پہن کر پرانے بادشاہی محل یعنی دولت خانہ کی چھت کے اوپر کھڑی ہو گئی جو مسجد جامع کے واقع تھا اور لوگوں سے اپنے باپ کے عدل و احسان یاد دلا کر کہا کہ رکن الدین نے میرے بھائی کو ہے اور میری جان بھی لینا چاہتا ہے۔ لوگ برافروختہ ہو گئے اور رکن الدین پر ہجوم کر کے اسے میں پکڑ لیا - اور رضیہ کے پاس لے آئے - اس نے اپنے بھائی کے قصاص میں اس کو مروا ڈالا[2]

---

[1] شمس الدین التمش نے اس کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔

[2] فرشتہ کا بیان ہے کہ بغاوت فرو کرنے پنجاب گیا تھا کہ بعض امرا نے رضیہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔

سلطانہ رضیہ

بیدار مغز، مدبّر، باہمت اور اولوالعزم خاتون حکمراں ہوا

چونکہ تیسرا بھائی ناصر الدین ابھی صغیر سن تھا۔ اس لیے لشکر اور امیروں نے اس کو سلطانہ مقرر کیا۔ اس نے چار برس سلطنت کی ۔یہ سلطانہ[۱] مردوں کی طرح ہتیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا کرتی تھی۔ اور اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھی ۔جب اس پر تہمت لگائی گئی کہ وہ ایک حبشی غلام[۲] سے تعلق رکھتی ہے تو لوگوں نے اتفاق کرکے اسے تخت سے اتار دیا ۔ اور اس کے کسی رشتہ دار قریبی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا[۳]۔ اور اس کے بجائے ناصر الدین[۴] کو بادشاہ بنایا۔ جب سلطانہ رضیہ کو تخت سے علیحدہ کیا گیا ۔ تو اس کا چھوٹا

---

[۱] تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ رضیہ بڑی بہادر، مدبر، اور معاملہ فہم خاتون تھی ۔ اور باپ کی زندگی ہی میں امور سلطنت انجام دینے لگی تھی ، قرآن مجید کی تلاوت پابندی سے کرتی تھی۔ التمش نے گوالیار کے بعد اس کو ولی عہد بنانا چاہا تھا، لیکن لڑکے دولت خواہوں نے آ مدنے جواب دیا ——— "پسران خود را بر شرب خمر و اقسام مناہی و ہوا پرستی مبتلا می بینم"!

[۲] یاقوت حبشی جو امیر الامرا بن گیا تھا، ——— لیکن یہ محض تہمت تھی

[۳] ملک اختیار الدین حاکم بھٹنڈہ ،

[۴] ابن بطوطہ نے پوری بات نہیں کی ، اصل ترتیب یہ کہ رضیہ کے بعد اس کا بھائی معز الدین بہرام شاہ بادشاہ بنا پھر رکن الدین کا بیٹا علاؤ الدین مسعود شاہ تخت حکومت پر متمکن ہوا ۔ اس کے بعد ناصر الدین کی باری آئی۔

بھائی بادشاہ بنا اور مدت تک حکومت کرتا رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رضیہ اور اس کے شوہر نے چڑھائی
کی اور اپنے غلام اور ساتھی لے کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ ناصرالدین اور اس کے نائب بلبن
نے جو اس کے بعد بادشاہ ہوا مقابلہ کیا رضیہ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ رضیہ میدان سے بھاگ گئی اور
جب وہ تھک گئی اور بھوک پیاس نے غلبہ کیا تو ایک زمیندار کو ہل چلاتے ہوئے دیکھا اس نے کھانا
کچھ مانگا اس نے روٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو گئی۔ اس وقت وہ مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھی زمیندار کی
نظر اس کی قبا پر پڑی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت ہے اس کو سوتے
ہوئے قتل کر کے اس کے کپڑے اور سامان اتار لیا اور گھوڑے کو بھگا دیا۔ اس کی نعش کھیت میں
دفن کر کے آپ اس کا کوئی کپڑا بازار میں بیچنے گیا بازار والوں نے شبہ کیا اور کوتوال کے پاس پکڑ لائے
کوتوال نے مارپیٹ کی تو اس نے اقبال کیا اور تمام احوال بتا دیا اور نعش بھی بتا دی۔ نعش وہاں سے
نکال کر لائے۔ اور غسل و کفن دے کر اسی جگہ اس کو دفن کر دیا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنا دیا۔ اب اس
کی قبر زیارت گاہ عام ہے اور دریائے جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسنگ (ساڑھے تین میل) پر دہلی

سلطان ناصرالدین

ایک درویش صفت فرماں روا

اس کے بعد ناصرالدین بادشاہ ہوگیا - اور مسلسل بیس سال تک سلطنت کرتا رہا - یہ بادشاہ نہایت صالح تھا - قرآن شریف کی کتابت کرکے اس کی قیمت سے گذارہ کرتا تھا - قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا خط اچھا تھا اور کتابت پختہ تھی - اس کے نائب غیاث الدین نے اس کو مار ڈالا[1] اور خود بادشاہ بن بیٹھا -

---

[1] یہ غلط ہے ناصرالدین طبعی موت مرا -

تمام مستند مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس کی موت غیر طبعی نہیں تھی ، بلکہ وہ بیمار ہو کر طبعی موت مرا -

اصل بات یہ ہے کہ ابن بطوطہ کبھی کبھی سنی سنائی باتوں کو بھی امر واقعہ کے طور پر بیان کر ڈالتا ہے ، لیکن طور یخ بہرحال تاریخ ہے ، وہ تو ہر بات کی سند چاہتی ہے -

سلطان غیاث الدین بلبن

بندِ غلامی سے تختِ شہنشاہی تک

بلبن اپنے آقا کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور بیس برس تک سلطنت کرتا رہا ۔ اس سے پہلے بیس برس تک بطور نائب کے بھی کل امور سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے ۔ یہ بادشاہ منصف مزاج بردبار اور نہایت نیک چلن تھا اور عالم فاضل تھا ۔ اس نے ایک مکان بنوایا تھا ۔ اس کا نام دارالامان رکھا تھا ۔ جو مقروض اس میں داخل ہوجاتا ۔ اس کا قرضہ ادا کر دیتا تھا ۔ کوئی قاتل یا مجرم اس میں داخل ہوجاتا تو مقتول یا مظلوم کے وارثوں کو خون بہا دے کر راضی کر دیتا تھا ۔ اس کی قبر بھی اس کے مکان میں بنائی گئی ہے ۔ میں نے یہ قبر دیکھی ہے ۔

اس بادشاہ کی نسبت ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ بخارا کے بازار میں ایک فقیر ملا ۔ بلبن پستہ قد اور کم رو ، اور بدصورت تھا ۔ فقیر نے کہا اے ترکک ۔ اس نے کہا ہاں اے اخوند ۔ فقیر خوش ہوا اور کہا مجھے یہ انار خرید دے ۔ اس نے کہا بہت اچھا ۔ اور اپنی جیب سے کچھ پیسے نکالے اور یہی ساری پونجی تھی ۔ اور انار خرید کر فقیر کو دیدیا ۔ فقیر نے انار لے کر کہا کہ ہم نے تجھے ہندوستان کا ملک بخشا ۔ بلبن نے اپنا ہاتھ چوم کر کہا مجھے منظور ہے ۔

اتفاق سے سلطان شمس الدین التمش نے ایک سوداگر بھیجا کہ بخارا اور ترمذ اور سمرقند جا کے لئے غلام خریدے ۔ اس نے سو غلام خریدے ان میں بلبن بھی تھا ۔ جب بادشاہ کے سامنے پیش

حاضر کیے گئے تو اس کو سب پسند آ گئے مگر بلبن کو پسند نہ کیا۔ اور کہا کہ میں اسے نہیں لیتا۔ بلبن نے عرض کیا کہ اے اخوند عالم یہ غلام حضور نے کس کے لیے خریدے ہیں؟ بادشاہ نے کہا اپنے لیے۔ بلبن نے عرض کیا ننانوے غلام اپنے لیے خریدے ہیں ایک غلام خدا کے لیے خرید لیجیے۔ التمش ہنسا اور اسے بھی خرید لیا لیکن چونکہ وہ کم رو تھا۔ اس لیے اسے پانی لانے کا حکم دیا۔

نجومیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ تیری اولاد سے تیرا ایک غلام سلطنت لے لیگا اور اس پر غالب ہو جائے گا۔ نجومی ہمیشہ یہی کہتے تھے لیکن بادشاہ نے اپنی نیک بختی اور انصاف پروری کے سبب ان کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ آخر انہوں نے بادشاہ بیگم سے کہا۔ اس نے بادشاہ سے کہا تو بادشاہ کے دل پر کچھ اثر ہوا اور نجومیوں کو بلا کر کہا کہ تم اس شخص کو پہچان سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس کی بعض علامتیں ہیں اور ہم پہچان لیں گے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کل سارے غلام میرے سامنے سے گذریں بادشاہ بیٹھ گیا۔ جماعت جماعت بادشاہ کے سامنے سے گذرتی جاتی تھی۔ اور منجم دیکھ دیکھ کر کہتے جاتے تھے کہ ان میں وہ شخص نہیں ہے۔ ظہر کا وقت ہو گیا۔ سقوں کی باری ابھی نہیں آئی تھی۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہم بھوکے مر گئے اور پیسے جمع کر کے بلبن کو بازار میں روٹیاں لانے کے لئے بھیج دیا۔ اس کو قریب کے بازار میں روٹی نہ ملی۔ وہ دوسرے بازار میں چلا گیا۔ جو ذرا فاصلے پر تھا۔

جب سقوں کی باری آئی اور بلبن واپس نہ آیا تو انہوں نے ایک لڑکے کو کچھ دے کر بلبن کی مشک اور اس کا اسباب اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور اسے بلبن کی بجائے پیش کیا۔ جب بلبن کا نام پکارا گیا تو وہ لڑکا اس کی جگہ محسوب ہو گیا۔ جب جائزہ ہو چکا تو منجموں نے اس کو نہ پایا جس کی تلاش میں تھے۔ بلبن بعد میں آیا جب کہ کل سقے پیش ہو چکے تھے۔ کیونکہ تقدیر الٰہی پوری ہونی تھی۔ بلبن نے اپنی لیاقت سے ترقی کی۔ اور سقوں کا امیر ہو گیا۔ اور پھر لشکر میں داخل ہو گیا اور رفتہ رفتہ سردار بن گیا۔ سلطان ناصرالدین نے بادشاہ ہونے سے پہلے اس کا نکاح اپنی بیٹی[1] سے کر دیا۔ اور جب ناصرالدین بادشاہ ہوا تو اس کو اپنا نائب بنایا۔ بیس برس تک نیابت کی۔ اور پھر اس نے سلطان ناصرالدین کو قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ ہو گیا[2]

لہ بلبن التمش کا داماد تھا نہ کہ ناصرالدین کا ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

عہ یہ بالکل غلط ہے ناصرالدین کو بلبن نے نہیں مارا، وہ اپنی موت مرا

بلبن کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا خان[1] شہید تھا۔ جو اس کا ولی عہد تھا اور وہ اپنے باپ کی طرف سے ر
کا حاکم تھا اور ملتان میں رہا کرتا تھا۔ وہ تاتاریوں سے لڑ کر ایک لڑائی میں شہید ہو گیا۔ اس کے دو
تھے ایک کیقباد دوسرا کیخسرو بلبن کے دوسرے بیٹے کا نام ناصر الدین تھا۔ وہ اپنے باپ کے دو
لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم تھا۔ جب خان شہید مارا گیا تو بلبن نے اس کے بیٹے کیخسرو کو ولی عہد بنایا اور
کو نہ بنایا۔ اس ناصر الدین کے بھی ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کے پاس رہا کرتا تھا اور اس کا نام معز الدین

---

[1] اس کا نام محمد سلطان خان تھا باپ کی طرف سے ملتان کا صوبیدار تھا۔ جو تاتاریوں سے لڑتا ہوا عین اس وقت مارا گیا جب جنگ جیت چکا تھا۔ امیر خسرو نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ یہ بڑا علم دوست، اور عالم، سخن فہم۔ اور سخن سنج تھا۔

سلطان معزالدین کیقباد

اقتدار و اختیار اور سطوت شاہی کی دھوپ چھاؤں

رات کے وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا انتقال ہوا تھا۔ اُس کا بیٹا ناصر الدین (بغرا خاں) بنگالہ میں تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن بادشاہ کا نائب کیخسرو سے رنجش رکھتا تھا۔ اُس نے یہ حیلہ کیا کہ بادشاہ کے مرتے ہی کیخسرو کے پاس پہنچا اور ہمدردی اور غمخواری ظاہر کرکے ایک جعلی کاغذ دکھایا جس میں سب امیروں نے کیقباد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اتفاق کیا تھا اور یہ کہا کہ مجھے تمھاری جان کا خوف ہے۔ کیخسرو نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ نائب نے صلاح دی کہ آپ اُسی وقت سندھ چلے جائیں۔ کیخسرو نے کہا شہر کے دروازے بند ہیں، نائب نے کہا کہ کنجیاں میرے پاس ہیں آپ کو نکلوا دیتا ہوں اور پھر دروازہ بند کر لوں گا۔ کیخسرو بہت ممنون ہوا اور راتوں رات ملتان کی طرف بھاگ گیا۔

جب کیخسرو شہر سے باہر نکل گیا تو نائب معزالدین کے پاس گیا اور اسے جگا کر کہا کہ تمام امیر آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ معزالدّین نے کہا کہ میرا چچا زاد بھائی ولی عہد ہے۔ میرے ساتھ بیعت کے کیا معنے۔ نائب نے تمام قصہ تفصیلاً سنایا۔ معزالدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تمام امیروں سے اور خواص سے راتوں رات بادشاہ کی بیعت کرا دی۔

پھر معز الدین کے باپ کو اُس کی تخت نشینی کی خبر پہنچی تو اُس نے کہا کہ حق میرا ہے اور میری زندگی میں میرا بیٹا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے اپنے لشکر آراستہ کیے اور بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر چلا۔ اس طرف سے نائب نے بادشاہ کو ساتھ لیا اور دریائے گنگا کے کناروں پر شہر کڑا[1] کے قریب دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ خدا تعالےٰ نے ناصر الدین کے دل میں ڈالا کہ آخر معز الدین تیرا بیٹا ہے اور تیرے بعد بھی وہی بادشاہ ہوگا لوگوں کی خونریزی سے کیا فائدہ۔ بیٹے کے دل میں بھی محبت نے جوش مارا۔ اور آخر دونوں بادشاہ اپنی اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے ملے۔ بادشاہ نے اپنے باپ کے قدم لیے اور ناصر الدین نے اُسے اٹھا کر کہا کہ جو میرا حق تھا۔ میں نے تجھے بخشا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس ملاقات کی بابت شعرا نے بہت قصیدے لکھے ہیں۔ اس ملاقات کا نام لقاء السعدین[2] رکھا گیا۔ پھر بادشاہ اپنے باپ کو دلی میں لے گیا۔ باپ اسے تخت پر بٹھا کر سامنے کھڑا ہوا۔ پھر واپس بنگال چلا گیا اور چند سال حکومت کرکے مر گیا۔ وہاں اس کی اور اولاد بھی تھی۔ اُن میں سے ایک بیٹا غیاث الدین بہادر تھا۔ جس کو سلطان غیاث الدین نے قید کر لیا تھا۔ لیکن سلطان محمد تغلق نے اسے اپنے باپ کی وفات کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ معز الدین نے چار سال تک سلطنت کی جس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔ یہ بادشاہ سخی اور کریم تھا۔ اُس کے دیکھنے والوں میں سے بعض اشخاص سے میری ملاقات ہوئی وہ اُس کے حلم اور انسانیت اور سخاوت کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اُس نے جامع مسجد دہلی کا مینار بنوایا تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ مینار

---

[1] کڑا۔ — الہ آباد کے قریب ایک قصبہ ہے۔ اکبر سے پہلے اس علاقہ کا صوبہ دار یہیں رہا کرتا تھا اکبر نے جب الہ آباد میں قلعہ بنایا تو صوبہ دار کو یہاں منتقل کر دیا۔

[2] قران السعدین، ویسے صحیح لقاء السعدین بھی ہے۔

[3] یہ روایت بھی صحیح نہیں، ناصر الدین بیٹے کے حق میں دستبردار ہو کر کڑا سے بنگال واپس چلا گیا دہلی نہیں گیا۔

اور شراب خوری کی کثرت سے اُس کی ایک جانب مفلوج ہوگئی تھی طبیبوں نے ہرچند علاج کیا
کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب بادشاہ ہر طرح عاجز ہوگیا تو اُس کے نائب جلال الدین فیروز نے بغاوت
کی اور شہر سے باہر نکل کر قصبہ جیشانی کے قریب جو ٹیلہ ہے اُس پر خیمہ زن ہوا۔ معزالدین نے
اپنے امیروں کو لڑائی کے لیے بھیجا۔ جو امیر جاتا تھا۔ فیروز کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اور اُس کے
ہاتھ پر بیعت کر لیتا تھا۔ پھر جلال الدین نے شہر میں داخل ہو کر محل شاہی کا محاصرہ کیا بادشاہ
بھوک سے مرنے لگا۔ ایک شخص مجھ سے ذکر کرتا تھا۔ کہ اُس کے ہمسایوں میں ایک شریف کا
گھر تھا۔ وہ اُس کے پاس کھانا بھیجتا رہا۔ پھر لشکر نے محل میں داخل ہو کر اُس کو مار ڈالا اُس
کے بعد جلال الدین بادشاہ ہوا۔

جلال الدین فیروز خلجی

حلیم، بردبار، رحم دل ، اور نیک سرشت بادشاہ

جلال الدین بڑا حلیم اور فاضل بادشاہ تھا۔ اُس کا حلم اُس کی موت کا باعث ہوا۔ جب
یہ بادشاہ ہو گیا تو اُس نے ایک محل اپنے نام پر بنوایا جو سلطان محمد تغلق نے بعد میں اپ
داماد عماد بن مہتی کو دے دیا تھا۔ اس بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام رکن الدین
اور ایک بھتیجا تھا جس کا نام علاء الدین تھا اور وہ اُس کا داماد بھی تھا۔ بادشاہ نے اسے کڑ
کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز سمجھا جاتا ہے گیہوں
چاول اور نیشکر وہاں بکثرت پیدا ہوتے ہیں کپڑا بھی بہت بیش قیمت تیار ہوتا ہے اور
یں فروخت کے لیے آتا ہے۔ یہ شہر کڑا دہلی سے اٹھارہ منزل ہے۔ علاء الدین کی بیوی
ہمیشہ اذیت دیا کرتی تھی، وہ اُس کی شکایت اپنے چچا سے کرتا رہا آخر اسی سبب سے دونوں
فرق آگیا۔ علاء الدین ایک بہادر اور جری اور صاحب ارادہ شخص تھا لیکن اُس کے پاس

لہ جلال الدین کی یہ لڑکی جو اپنے بھتیجے علاؤالدین سے منسوب تھی، فرشتہ کے الفاظ ہیں:
• درحسن وجمال نظیر و عدیل نداشت"!!

بیکن ساس کا برتاؤ حقارت کا تھا۔ بیٹی بھی ماں کا ساتھ دیتی تھی، دل برداشتہ ہو کر علا

تھا۔ ایک دفعہ اُس نے دیوگیر پر حملہ کیا یہ شہر مالوہ اور مرہٹوں کے ملک کا دارالخلافہ تھا۔
وہاں کا راجہ اُن دنوں ہندوستان کے تمام راجاؤں میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ راستہ چلا
جاتا تھا کہ علاءالدین کے گھوڑے کا پاؤں ایک جگہ زمین میں دھس گیا اور اُس میں سے
ٹن کی آواز نکلی۔ علاؤالدین نے وہ جگہ کھدوائی وہاں سے بیشمار دفینہ برآمد ہوا۔ وہ
اُس نے سارا فوج میں تقسیم کر دیا۔ پھر دیوگیر کی طرف روانہ ہوا تو راجہ نے بغیر لڑائی کے اطاعت
منظور کر لی اور بہت سا روپیہ دے کر پھر اسے رخصت کیا[1] علاءالدین کڑھ واپس آیا تو
بادشاہ کے پاس اُس نے مال غنیمت نہ بھیجا، اہل دربار نے بادشاہ کو افروختہ کیا۔ بادشاہ نے
اسے بلا بھیجا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے خود آنے اور اُس کے لے جانے کا ارادہ کیا۔
کیونکہ وہ اسے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ بادشاہ لشکر اور سفر کا سامان
درست کر کے کڑہ کی طرف روانہ ہوا اور دریا کے کنارے جس جگہ معزالدین خیمہ زن
ہوا تھا۔ جاکر اترا اور کشتی میں بیٹھ کر اپنے بھتیجے کی طرف چلا۔ دوسری طرف سے علاءالدین
اپنی کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ اُس نے اپنے نوکروں کو اشارہ کر دیا تھا۔ کہ جس وقت بادشاہ
سے گلے لگ کر میں ملوں تو تم بادشاہ کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی
کیا۔ بادشاہ کا کچھ لشکر تو علاءالدین کے ساتھ مل گیا۔ اور کچھ دہلی کی طرف

---

[1] علاءالدین کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ذرا تصور تو کیجیے ایک من چلا نوجوان مٹھی بھر سپاہ کے ساتھ۔ دریاؤں، جنگلوں۔ میدانوں کو پھلانگتا۔ وقت کی بہت بڑی حکومت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور چھ سو من سونا، سات سو من مروارید، دو من جواہر، لال، یاقوت، الماس اور زمرد، دو ہزار من چاندی لے کر اور مہاراجہ کو مطیع و باج گزار بنا کر اپنے مستقر پر واپس آجاتا ہے، بعض مورخوں نے جو اسے سکندر سے تشبیہ دی ہے، غلط نہیں دی ہے۔

واپس بھاگ گیا۔ یہاں آکر اُنھوں نے بادشاہ کے بیٹے رکن الدین کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اور جب وہ ان کو ساتھ لے کر علاءالدین کے مقابلے کے واسطے آگے بڑھا تو وہ بھی علاءالدین کے لشکر میں جا ملے۔ رکن الدین سندھ کی طرف بھاگ گیا[1]

---

[1] یہ تاریخ کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے، لیکن اسے کیا کہیے کہ تاریخ اس طرح کے واقعات وحوادث سے بھری ہوئی ہے۔ جلال الدین کا یہ انجام عبرت ناک بھی ہے، اور سبق آموز بھی انسان کو خواہ وہ مجموعی طور پر کتنا ہی صاحب خیر و حسنات نہ ہو، اس کے عمل کی سزا ضرور ملتی ہے۔

سلطان علاؤالدین خلجی

ایک من چلا اور بیدار مغز شہنشاہ

علاؤ الدین دہلی میں داخل ہوا اور اُس نے بیس برس تک سلطنت کی وہ بہت اچھے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور اہلِ ہند اب تک اُس کی تعریف کرتے ہیں وہ خود امور حکومت سرانجام دیتا تھا اور ہر روز نرخ وغیرہ کی بابت دریافت کر لیتا تھا اور محتسب سے رپورٹ لیتا تھا، محتسب کو اس ملک میں رئیں کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اُس نے محتسب سے دریافت کیا کہ گوشت کے گراں ہونے کا کیا سبب ہے اُس نے کہا کہ گائے اور بکری پر زکوٰۃ (یعنی محصول) لی جاتی ہے۔ بادشاہ نے اُسی روز سے کل محصول اس قسم کے معاف کر دیئے اور سوداگروں کو بلا کر راس المال اپنے خزانہ سے دیا اور کہا کہ اس کی گائے اور بکریاں خرید کر لاؤ اور اُن کو بیچ کر قیمت خزانہ میں داخل کرو اور کچھ نفع مقرر کر دیا، اسی طرح سے جو کپڑا دولت آباد سے آتا تھا اُس کا انتظام کیا۔ ایک دفعہ غلہ بہت گراں ہوگیا تو سرکاری گودام کھلوا دیئے اور نرخ سستا ہوگیا۔ بادشاہ نے ایک واجبی نرخ مقرر کر دیا کہ اس کے مطابق خرید و فروخت کرو۔ غلہ

---

[1] علاؤ الدین خلجی نے اپنے دور حکومت میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی ارزاں ترین نرخ پر بہ سہولت فراہم ہوتی رہیں، چنانچہ اس کے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

والوں نے بیچنے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنا گودام کھول دیا اور انھیں بیچنے کی بالکل ممانعت کردی۔ اور خود چھ مہینے تک بیچتا رہا، جب ذخیرہ والوں نے دیکھا کہ اب اُن کا غلہ بگڑا جاتا ہے اور کیڑا لگ رہا ہے۔ بادشاہ سے رجوع کی۔ بادشاہ نے ایسا نرخ مقرر کردیا جو پہلے سے زیادہ سستا تھا اور وہ انھیں منظور کرنا پڑا، یہ بادشاہ نہ تو جمعہ کے روز سوار ہوکر باہر نکلتا تھا۔ اور نہ عید کے روز اور نہ کسی اور روز اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کا ایک بھتیجا تھا۔ سلیمان نام۔ علاء الدین اُس سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک دن بادشاہ شکار کو گیا۔ اور وہ بھی ساتھ گیا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ میں بادشاہ کے ساتھ وہی سلوک کروں جو اُس نے اپنے چچا جلال الدین کے ساتھ کیا تھا۔ جب ناشتہ کے لیے کسی جگہ ٹھیرے تو سلیمان نے بادشاہ کے ایک تیر لگایا بادشاہ گر پڑا اور اُس پر اُس کے کسی غلام نے اپنی ڈھال ڈال دی۔ سلیمان آیا کہ اُس کا کام تمام کردے، غلاموں نے کہا وہ مرچکا ہے۔ وہ اِن کا کہنا سچ مان کر فوراً دارالخلافہ کی طرف چل پڑا اور حرم میں داخل ہونے لگا۔ اتنے میں بادشاہ غشی سے ہوش میں آگیا۔ تو تمام لشکر اُس کے گرد جمع ہوگیا اُس کا بھتیجہ بھاگ گیا اسے پکڑ کر لائے۔ بادشاہ نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اور پھر کبھی سوار ہوکر باہر نہ نکلا۔ اس بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خاں، شادی خاں۔ ابوبکر خاں مبارک خان، (جس کا دوسرا نام قطب الدین تھا) اور شہاب الدین۔ قطب الدین کو بادشاہ

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ۔ وہ پورے زمانۂ حکومت میں گیہوں دو آنے من بکتا رہا۔ اسی سے دوسری اجناس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سوئی سے لے کر گھوڑے تک اس نے ہر چیز کا نرخ مقرر کردیا تھا، اور مجال نہ تھی کہ اس میں سرمو تفاوت ہوجائے۔ اس کا نظام مخبری اتنا زبردست اور مکمل تھا کہ ایک پائی کے فرق سے بھی اگر کوئی چیز فروخت ہوتی تھی تو اسے علم ہوجاتا تھا۔ اور ایسے لوگوں کو وہ عبرت انگیز سزا دیتا تھا، قحط کے زمانے میں بھی اس کے نرخ قائم رہے ان میں ذرا فرق نہ آیا، تاریخ فرشتہ اور دوسری متداول تاریخوں سے تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔

ضعیف العقل بدنصیب اور کم ارادہ سمجھتا تھا۔ اور اُس کے بھائیوں کو بڑے بڑے عہدے دے گئے اور علم اور طبل بھی عطا کیے تھے۔ لیکن اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے اُس سے کہا کہ تجھے بھی مجھے وہی تعظیم اور مرتبے دینے پڑے جو تیرے بھائیوں کو دیئے ہیں۔ قطب الدین نے کہا مجھے خدا دے گا۔ اس جواب سے بادشاہ خائف ہو گیا اور اُس سے ناراض ہو گیا۔ پھر بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اُس کی بڑی ملکہ خضر خاں کی ماں تھی۔ اس کا نام ناہک تھا۔ اس ملکہ کا ایک بھائی تھا، اُس کا نام سنجر[1] تھا۔ اُس نے اپنے بھائی سے قسم لی کہ وہ اُس کے بیٹے خضر خاں[2] کو بادشاہ بنوانے میں کوشش کرے گا۔ اس کی خبر بادشاہ کے نائب کو پہنچی جس کو ملک الغی[3] کہتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ نے اُس کو ایک ہزار تنکہ میں خرید کیا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے۔ بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آئے، اور میں اس کو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اس کی مشکیں باندھ کر زمین پر گرانا اور مار ڈالنا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خضر خاں

---

[1] الپ خاں۔

[2] خضر خاں، ہمہ صفت موصوف شخص تھا، علاء الدین نے شکست خوردہ راجہ دیوگیر کی بیوی کنول دیوی سے خود شادی کر لی، اور اس کی بیٹی دیول دیوی سے خضر کی شادی کر دی، ان دونوں میں بڑی محبت تھی امیر خسرو نے جو خضر خاں کے نیاز مند ، اور علاء الدین کے مشیر و ندیم تھے، بڑی سحر آفریں مثنوی "خضر خاں اور دیول دیوی" پر لکھی ہے، ان دونوں کی محبت آخر وقت تک قائم رہی، مصیبت کے زمانے میں بھی دونوں ایک دوسرے کے دل و جان سے وفادار رہے۔

[3] ملک کافور، یہ علاء الدین کا چہیتا غلام تھا، لیکن یہ حد درجہ چالاک، طامع، سازشی، اور احسان فراموش تھا، اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے، اس نے باپ بیٹے میں تفرقہ اندازی کا مسلسل کوششیں کیں، اور کامیاب رہا۔ خلجی خاندان کو نیست و نابود کرنے میں اس نے بہت بڑا اور نمایاں حصہ لیا۔

اس روز سندپت (سنپت)، شہیدوں کے مزاروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ یہ جگہ دہلی سے ایک منزل ہے۔ اور خضر خاں نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل جاکر زیارت کرے گا۔ اور اپنے باپ کی صحت یابی کی دعا مانگے گا۔ جب اُس کو خبر پہنچی کہ اُس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ اہل ہند میں یہ رسم ہے کہ جب کوئی اُس کا عزیز مرتا ہے تو وہ گریبان چاک کر دیتے ہیں اور بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اس کو ناگوار گزرا اور جب خضر خاں اُس کے پاس گیا تو اُس پر ناراض ہوا اور نہایت ملامت کی، اور حکم کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لو اور ملک نائب کے سپرد کر دو۔ اور نائب کو حکم دیا کہ اُس کو گالیور (گوالیار) کے قلعے میں بند کر دے، یہ قلعہ ہندووں کی ریاستوں کے درمیان ہے اور دہلی سے دس منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور نہایت مضبوط سمجھا جاتا ہے۔ میں بھی اس قلعہ میں کچھ عرصہ تک رہا ہوں۔ خضر خاں کو گوالیر لے جاکر کوتوال اور محافظین قلعہ کے سپرد کیا اور اُن سے کہا کہ تم اسے بادشاہ کا بیٹا نہ سمجھنا۔ بلکہ اس طرح محافظت کرنا چاہیے بادشاہ کے سخت دشمن کی کرتے ہیں۔ جب بادشاہ کی بیماری بڑھتی گئی، بادشاہ نے حکم دیا کہ خضر خاں کو بلوا لو تاکہ میں اُس کو ولی عہد مقرر کروں۔ نائب نے کہا کہ اچھا اور بلانے میں دیر کی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کہا ابھی آنے والا ہے۔ اتنے میں بادشاہ مر گیا۔

لہ سونی پت، بہت قدیم شہر ہے، اس کا بالائی حصہ کوٹ کے نام سے اور زیریں حصہ مشہد کے نام سے مشہور ہے، یہاں سید ناصر الدین اور میر کند کی خانقاہ ہیں، سید ناصر الدین کو پرتھوی راج کے داماد نے شہید کر دیا تھا

سلطان شہاب الدین خلجی

نمک حرام ملک کافور کی اقتدار پسندی بدترین مثال

علاء الدین مرگیا تو ملک نائب (کافور) نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو تخت نشین کیا، اور لوگوں سے اُس کی بیعت لی۔ کل کاربار ملک نائب کے قبضۂ اقتدار میں رہا[1]۔ اُس نے شادی خاں اور ابوبکر خاں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور اُن کو بھی گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ خضر خاں کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیر دی جاوے[2]۔ قطب الدین کو بھی قید کر لیا لیکن اُس کی آنکھوں کو بے نور نہ کیا[3]۔ سلطان علاء الدین کے خاص غلاموں میں سے بشیر اور مبشر دو شخص تھے اُن کو خاتون کبریٰ یعنی علاء الدین کی بیوی نے جو سلطان معز الدین کی بیٹی تھی یہ پیغام بھیجا کہ ملک نائب نے جو کچھ سلوک میرے بیٹوں کے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اب وہ قطب الدین کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے انھوں نے جواب بھیجا کہ ہم جو کچھ کرنے والے ہیں جلد معلوم ہو جائے گا، اُن کی عادت تھی کہ وہ رات کو نائب کے پاس رہا کرتے تھے۔ اور انھیں ہتھیاروں سمیت آنے کی

---

[1] مقصد بھی یہی تھا۔

[2] تاکہ آئندہ کبھی اس کے بادشاہ بننے کا امکان نہ رہے۔

[3] اس لیے کہ اس سے کوئی خاص خطرہ نہ تھا۔

اجازت تھی۔ اُس رات بھی وہ حسبِ معمول آئے تا تب ایک لکڑی کے بالاخانہ میں تھا اُن کی بات کہ ملک کافور نے ایک کی تلوار لے کر اسے اُلٹا پلٹا پھر دیکھ کر واپس کر دی ایک نے فوراً تلوار سے وار کیا اور دوسرے نے بھی تلوار لگائی اور قتل کر ڈالا اور وہ دونوں کا سر قیدخانہ میں قطب الدین کے پاس لے گئے[1] اور اُس کے رُوبرو پھینک دیا اور قطب الدین کو باہر نکال لائے۔

---

[1] دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

سلطان قطب الدین خلجی

ایک عیاش اور ظالم بادشاہ حسرتناک انجام

قطب الدین کچھ دنوں تو اپنے بھائی شہاب الدین کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا، لیکن پھر اُس کو تخت سے علیحدہ کر کے آپ بادشاہ ہو گیا۔ اور شہاب الدین کی انگلیاں کاٹ کر اُس کو بھی اور بھائیوں کے پاس گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا[1]۔ اور آپ دولت آباد کی طرف گیا۔ دولت آباد دہلی سے چالیس[2] منزل ہے اور تمام رستہ پر برابر بید مجنوں کے اور قسم قسم کے درخت دو رویہ لگے ہوتے ہیں۔ چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے اور ہر ایک کوس میں تین چوکیاں ڈاک کے ہرکاروں کی ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ہر چوکی پر ضرورت کی ہر چیز ملتی ہے۔ گویا وہ بازار میں جا رہا ہے اور اسی طرح سے یہ سڑک تلنگانہ اور معبر کے ملک تک چلی گئی ہے جو دہلی سے چھ مہینے کا راستہ ہے۔ ہر ایک منزل پر بادشاہی محل ہے اور مسافروں کے لیے سرا ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ مسافر اپنے ساتھ زادِ راہ اٹھاتا پھرے۔

---

[1] تاکہ اس کی طرف سے کوئی کھٹکا نہ رہے، اور خود بے غل و غش حکومت کرتا رہے۔

جب سلطان قطب الدین رستے میں تھا تو بعضے امیروں[1] نے اُس کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کے بھتیجے کو جو خضر خاں کا بیٹا تھا اور دس برس کی عمر کا تھا تخت پر بٹھانا چاہا۔ قطب الدین نے اپنے بھتیجے کے پاؤں پکڑوا کر اُس کا سر پتھروں سے ٹکرا کر بھیجا نکال کر مار ڈالا[2] اور اپنے ایک امیر کو جس کا نام ملک شاہ تھا گوالیر کی طرف بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہاں اس لڑکے کے باپ کو، اور اُس کے چچاؤں کو قتل کر ڈالو[3] ——

—— قاضی زین الدین مبارک قاضی گوالیر مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ جس روز ملک شاہ قلعہ میں پہنچا تو میں خضر خاں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی اُس کا رنگ فق ہو گیا۔ جب ملک شاہ خضر خاں کے پاس آیا تو اُس نے پوچھا کیوں آیا ہے۔ امیر نے کہا اخوند عالم کسی ضرورت سے آیا ہوں۔ خضر خاں نے کہا میری جان کی خیر ہے۔ امیر نے کہا ہاں۔ پھر اُس نے کوتوال کو بلوایا اور محافظان قلعہ کو جو تین سو اشخاص تھے اور مجھے (یعنی قاضی کو) اور گواہوں کو طلب کیا اور سب کے سامنے بادشاہ کا حکم پڑھوایا۔ پھر شہاب الدین کے پاس آئے اور اس کو مار ڈالا اُس نے کسی طرح کا ڈر اور بیقراری ظاہر نہیں کی اور پھر شادی خان اور ابو بکر خاں کے سر تن سے جدا کیے۔ جب خضر خاں کی باری آئی تو اس پر وحشت چھا

---

[1] اسد الدین، علاء الدین کا چچا زاد بھائی۔

[2] تاکہ آئندہ کوئی خطرہ نہ رہ جائے،

[3] ہر ممکن نزدمتوقع حریف راستہ سے ہٹ جائے، لیکن

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ

خود اس کی قسمت میں صددرجہ عبرت انگیز موت لکھی تھی۔

شہاب الدین خضر خاں کی جان کا گاہک اسی لیے اور زیادہ تھا کہ دیول دیوی کو داخل حرم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خضر خاں سے یہ بات کہی بھی، لیکن جیسا کہ امیر خسرو نے لکھا ہے، خضر خاں نے صاف انکار کر دیا،

گئی، اُس کی ماں بھی ساتھ تھی اسے گھر میں بند کر دیا تھا اور خضر خاں کو مار کر اُن سب کی نعشیں بلا تکفین اور تدفین کے ایک گڑھے میں ڈال دیں۔ کئی سال کے بعد اُن کو نکالا گیا۔ اور وہ اپنے خاندان کے مقبرہ میں دفن کیے گئے خضر خاں کی ماں عرصہ تک زندہ رہی اور میں نے اسے ۸۲۰ھ میں مکہ معظمہ میں دیکھا تھا۔

گوالیار کا قلعہ[1] ایک چٹان کی چوٹی پر واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چٹان میں سے تراش کر اُس کو بنایا ہے۔ اور اُس کے آس پاس کوئی پہاڑ اس قدر بلند نہیں ہے اور اُس کے اندر پانی کا ایک تالاب اور تقریباً بیس کنوئیں ہیں۔ ہر ایک کنوئیں پر فصیل ہے جس پر منجنیق اور عرادے لگے ہوئے ہیں۔ قلعہ پر چڑھائی کا رستہ اس قدر چوڑا ہے کہ ہاتھی بہ آسانی آجا سکتے ہیں قلعہ کے دروازے پر پتھر کا تراشا ہوا ہاتھی کا بت مع فیلبان کے بنا ہوا ہے۔ دور سے ہو بہو ہاتھی معلوم ہوتا ہے۔

قلعہ کے نیچے شہر بستا ہے۔ خوب صورت بنا ہوا ہے۔ کل عمارات اور مساجد سفید

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ:۔ «دیول رانی را طلبیدہ داخل حرم ساخت»

فرشتہ نے لکھا ہے!

«دیول دیوی منکوحۂ خضر خاں را داخل حرم ساخت!»

دیول دیوی کو اس نے جبراً حرم میں داخل کر لیا، لیکن بہت جلد اسے عروس مرگ سے ہمکنار ہونا پڑا۔

[1] اس قلعہ کو جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، اور جسے محمود غزنوی بھی فتح نہ کر سکا، ۱۱۹۶ء میں غوری نے اسے فتح کیا، یہاں حضرت محمد غوث کی درگاہ بھی ہے، نیز راجہ بکرماجیت، جہانگیر اور شاہجہان کے محلات بھی موجود ہیں، اسے عام طور پر شاہی قیدیوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، حضرت مجدد الف ثانی بھی جہانگیر کے حکم سے یہاں نظر بند رہ چکے ہیں، یہ آگرہ سے ۶۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لمبائی ایک میل، چوڑائی تین سو گز، جس چٹان پر واقع ہے۔ وہ ۳۴۲ فٹ بلند ہے،

پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور سوا دروازہ کے لکڑی کہیں استعمال نہیں کی گئی۔ اکثر رعیت ہندو ہے بادشاہ کی طرف سے چھ سو سوار رہتے ہیں جنھیں اکثر لڑائی جاری رکھنا پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ قلعہ ہندوؤں کی ریاستوں کے بیچ میں ہے[۱]۔ جب قطب الدین نے اپنے سب بھائیوں کو مار ڈالا اور کوئی حریف نہ رہا تو خدا نے اُس پر ایک قاتل مسلط کیا جو اُس کا بڑا منہ چڑھا امیر کبیر تھا[۲]۔ اُس نے قطب الدین کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی تھوڑے ہی دنوں رہنے پایا تھا کہ اُس کو خدا تعالےٰ نے سلطان تغلق[۳] کے ہاتھ سے قتل کروایا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ خسرو خاں قطب الدین کے امیروں میں سے تھا۔ بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا۔ چندیری اور معبر کا ملک اُس نے فتح کیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز گنا جاتا ہے معبر دہلی سے چھ ماہ کے فاصلے پر واقع ہے قطب الدین خسرو ملک سے نہایت محبت رکھتا تھا[۴]۔ قطب الدین کا استاد قاضی[۵] خاں صدر جہاں تھا اور وہ امرائے عظیم الشان میں سے تھا اور کلید برداری کا عہدہ بھی اسی کے پاس تھا یعنی شاہی محل کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی، اُس کی عادت تھی کہ رات کو شاہی محل کے دروازے پر رہتا تھا۔ ایک ہزار آدمی اُس کے ماتحت تھے۔ ہر رات اڑھائی سو آدمی پہرہ پر رہتے تھے۔ باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دو رویہ صف باندھے اور ہتھیار لیے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا تو اُس کو اُن کی صفوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو نوبت والے کہتے تھے اُن پر افسر اور منشی ہوتے تھے، جو گشت پر پھرتے تھے، اور حاضری لیا کرتے تھے، تاکہ کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ رات والے

---

[۱] اندور وغیرہ،

[۲] نومسلم غلام خسرو خاں،

[۳] سلطان غیاث الدین تغلق،

[۴] وہی صورت تھی جو محمود و ایاز کی تھی،

[۵] یہ قاضی خاں قطب الدین کا استاد تھا۔

جب پہرہ دے چکتے تھے۔ تو ان کے پہرہ دینے والے اُنکی جگہ آکر پہرے پر کھڑے ہوجاتے
تھے۔ یہ قاضی خاں خسرو ملک[1] سے نہایت نفرت کرتا تھا اور چونکہ خسرو ملک دراصل ہندو[2] تھا اور
ہندوؤں کی بہت جنبہ داری کرتا[3] تھا۔ اس لئے قاضی خان اُس سے ناراض رہتا۔ اور ہر موقع
پر بادشاہ سے عرض کیا کرتا تھا۔ کہ اُس سے خبردار رہنا چاہیے، لیکن بادشاہ نہ سنتا تھا۔
اور کہتا تھا یہ ذکر نہ کیجیے۔ ایک روز خسرو خان نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان
ہونا چاہتے ہیں۔ اُس وقت کا یہ دستور تھا۔ کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا
تو وہ پہلے بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا، بادشاہ کی طرف سے اُس کو خلعت اور سونے
کے کنگن انعام میں ملتے تھے۔[4] بادشاہ نے کہا اندر لے آؤ۔ خسرو ملک نے کہا وہ رات
کو آنا چاہتے ہیں۔ دن میں اپنے رشتہ داروں سے شرم کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا
رات کو لے آؤ۔ خسرو ملک نے اچھے اچھے بہادر ہندو منتخب کیے۔ جن میں اُس کا بھائی
خان خاناں[5] بھی تھا۔ موسم گرمی کا تھا۔ بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا اور اُس وقت
اس کے پاس سوا چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب وہ چار دروازوں کے اندر چلے آئے اور
پانچویں دروازے پر پہنچے تو اُن کو مسلح دیکھ کر قاضی کو شک ہوا اُس نے روکا اور کہا
اذ ندِ عالم کی اجازت لے آؤں۔ اُن لوگوں نے ہجوم کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو

---

[1] کیونکہ وہ اس کی غداری کا احساس تھا۔

[2] بظاہر مسلمان، بہ باطن ہندو،

[3] اسی لیے ہر معاملہ میں ہندوؤں کو آگے بڑھاتا تھا، ورنہ "نو مسلمانہ جوش" تو مشہور ہے،

[4] دوسرے مؤرخین کا بیان ابن بطوطہ سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خسرو خاں نے اپنے
وطن گجرات سے چالیس ہزار ہندو بلا کر ملازم رکھ لیے تھے، اور پھر موقع پاکر انھیں محل میں داخل
کردیا، اور بادشاہ کو قتل کر دیا، لیکن ابن بطوطہ کی روایت زیادہ قرینِ قیاس ہے —

[5] یہ بھی بھائی کے نقشِ قدم پر چلتا تھا۔

ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ خسرو ملک نے کہا کہ وہ ہندو آتے ہیں اور قاضی خاں اُن کو روکتا ہے۔ کچھ تکرار ہو گئی ہے۔ بادشاہ خائف ہو کر محل کی طرف چلا دروازہ بند تھا۔ اُس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پیچھے سے خسرو خاں نے اُس کو قابو میں کر لیا۔ بادشاہ زبردست تھا۔ اُس کو نیچے دبا بیٹھا اتنے میں وہ ہندو آ گئے۔ خسرو خاں نے پکار کر کہا کہ بادشاہ نے مجھے نیچے دبا رکھا ہے۔ انھوں نے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا۔

خسرو خان

ایک نومسلم جو مرتد ہوگیا، اور جس نے خلجی خاندان کا خاتمہ کردیا

خسرو خاں نے اُسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا اُن کو کچھ معلوم نہ تھا[1] وہ جو داخل ہوئے تو خسرو ملک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُن سب سے اُس نے بیعت لی اور صبح تک اُن کو جانے نہ دیا۔ صبح ہوتے ہی مشتہر کروا دیا اور دارالخلافہ سے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعتیں بھی روانہ کیں۔ سب نے اُس کی اطاعت منظور کرلی، لیکن تغلق شاہ[2] نے جو دیپالپور[3] کا حاکم تھا۔ خلعت پھینک دیا اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔ خسرو ملک نے اپنے بھائی خان خاناں کو بھیجا تغلق شاہ نے اُس کو شکست دی۔

جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اُس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دے اور حکم دیا

---

[1] بادشاہ کو قتل کرتے ہی راتوں رات امرا، اور اعیانِ شہر کو محل میں طلب کر کے بیعت لے لینا اور اپنے اعلان شاہی تک کسی کو باہر نہ نکلنے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص کتنا زیرک اور ہوش مند تھا۔

[2] غیاث الدین تغلق،

[3] یہاں شہنشاہ دہلی کی طرف سے وہ تاتاریوں کی متوقع یورشوں کو روکنے کے لیے مامور تھا، یہ واقعہ ہے کہ اس نے تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ کبھی انھیں دہلی تک نہ پہنچنے دیا۔

کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کرنے پائے، ہندو گائے کا مارنا جائز نہیں رکھتے اگر کو
گائے ذبح کر لیتا ہے تو اُس کو یہ سزا دیتے ہیں، کہ اُسی گائے کی کھال میں سلوا کر جلا د
ہیں، یہ لوگ گائے کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ اور ثواب کے لیے بھی اور بطور دوائے
اُس کا پیشاب پیتے ہیں۔ اور گوبر سے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا کہ
بھی ایسا ہی کریں اس لیے لوگ اُس سے متنفر ہو گئے اور سب نے تغلق شاہ کی طرف د
کی لے

شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق قوم سے ترک قرونہ تھا۔ یہ لو
ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ تغلق بہت مفلس تھا۔ سندھ میں
تو کسی سوداگر کا گلوان (گلہ بان) ہو گیا۔ یہ سلطان علاء الدین کے زمانے کا ذکر ہے۔ اُن دنو
بادشاہ کا بھائی اولو خاں (الغ خاں) سندھ کا حاکم تھا۔ تغلق اُس کے خادموں میں داخل ہو
گیا۔ پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا۔ پھر الغ خاں کو اس کی شرافت معلوم ہوئی تو سواروں میں
ترقی دی۔ پھر اُس کو افسر بنا دیا۔ اور پھر میر آخور یعنی اصطبل کا داروغہ بنا دیا۔ اور آخر کار ا
عظیم الشان میں سے ہو گیا۔

میں نے ملتان میں تغلق کی بنائی ہوئی مسجد میں یہ کتبہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ اُس نے
اُنتیس ۳ دفعہ تاتاروں سے لڑ کر اُن کو شکست دی اس لیے ملک غازی کا خطاب حاصل کیا
سلطان قطب الدین نے اُس کو دیپال پور کا حاکم مقرر کیا۔ اور اُس کے بیٹے جونا خاں کو میر آ
کا عہدہ دیا۔ خسرو ملک نے بھی اُسے اُسی عہدے پر قائم رکھا۔ جب تغلق نے خسرو ملک
کے خلاف بغاوت کا ارادہ کیا اُس کے پاس تین سو سپاہی تھے۔ جن پر اسے کامل بھروسہ

لہ کیونکہ وہ ایک مرتد کی بادشاہت کسی طرح قبول نہیں کر سکتے تھے،
۲ے یہ دوغلی نسل ہوتی تھی۔ باپ ترک، ماں ہندی،
۳ے غازی کا خطاب اسی کو ملتا تھا جس نے غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہوں،
۴ے داروغہ اصطبل، یہ بہت بڑا منصب تھا،

تھا۔ اُس نے کشلو خاں کو لکھا جو اُن دنوں ملتان کا حاکم تھا (ملتان وہاں سے تین منزل تھا) سو تم میری مدد کرو اور اپنے ولی نعمت کے خون کا بدلہ لو۔ کشلو خاں نے جواب دیا کہ اگر میرا بیٹا خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بیشک تیری مدد کرتا۔

ملک غازی یعنی غیاث الدین تغلق نے فوراً اپنے بیٹے جونا خاں کو لکھا کہ میرا ارادہ اس طرح پر ہے جس طرح ہو سکے کشلو خاں کے بیٹے کو ساتھ لے کر دہلی سے نکل آؤ۔ ملک جونا سوچتا تھا کہ کیا حیلہ کروں اتفاق سے اُسے موقع مل گیا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ خسرو ملک نے اُس سے ایک روز یہ کہا کہ گھوڑے بہت موٹے ہو گئے اور بدن ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں ذرا دوڑایا کرو، چنانچہ ہر روز ملک جونا گھوڑے لے کر پھیرنے جایا کرتا تھا کبھی ایک گھنٹے میں واپس آجاتا اور کبھی تین گھنٹے میں ایک روز ظہر کے وقت تک واپس نہ آیا کھانے کا وقت آگیا۔ بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ اُس کی خبر لائیں۔ انھوں نے واپس آکر کہا کہیں پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا۔ اور اُس کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا۔

تغلق نے اپنے بیٹے کے پہنچتے ہی بغاوت کا اعلان کر دیا اور اُس نے کشلو خاں کی مدد سے لشکر کی فراہمی شروع کی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی خاں خاناں کو اُن کی لڑائی کے لیے روانہ کیا۔ لیکن وہ شکست کھا کر واپس ہوا، اور اُس کے ہمراہی مارے گئے اور خزانہ اور اسباب تغلق کے ہاتھ لگا۔ تغلق دہلی کی طرف بڑھنے لگا اور خسرو اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے مقابلے کو شہر سے نکلا اور موضع آسیا باد میں خیمہ زن ہوا۔ اُس نے دل کھول کر خزانہ لٹایا اور لوگوں کو اور لشکر کو تھیلیاں کی تھیلیاں روپیوں کی بخش دیں۔ ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے بڑی جراءت سے مقابلہ کیا چنانچہ تغلق کا لشکر بھاگ گیا۔ اور اُس کا ڈیرہ لٹ گیا۔

ؔ جونا خاں یعنی محمد تغلق اس ناگہانی انقلاب کے وقت دہلی میں اپنی ڈیوٹی پر تھا۔ اور انقلاب کے بعد باپ کے پاس پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تغلق نے اپنے تین سو جانباز ہمراہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب بھاگنے کے لیے کوئی چ[1]
نہیں ہے۔ چنانچہ جب خسرو کا لشکر لوٹ میں مشغول ہو گیا۔ اور اُس کے پاس تھوڑے سے
آدمی رہ گئے تھے۔ تغلق اپنے ہمراہیوں کو لے کر اُس پر جا پڑا۔ ہندوستان میں بادشاہ کی
جگہ چھتر سے پہچانی جاتی ہے۔ چھتر کو مصر میں طیر یا قبہ کہتے ہیں۔ اور فقط عید کے روز بادشاہ کے
سر پر لگاتا ہے۔ لیکن ہندوستان اور چین میں سفر میں ہوں یا وطن میں چھتر ہمیشہ بادشاہ
کے سر پر رہتا ہے۔ جب تغلق بادشاہ پر جا پڑا تو بڑی سخت لڑائی ہوئی بادشاہ کا لشکر
بھاگ گیا اور کوئی ساتھی نہ رہا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور کپڑے اور
ہتھیار اتار کر پھینک دیے اور سر کے بال پیچھے کو لٹکا لیے جیسا ہندوستان کے
فقیر لٹکاتے ہیں۔ اور ایک باغ میں جا گھسا۔

لوگ تغلق کے پاس جمع ہو گئے وہ شہر میں آیا کوتوال نے شہر کی کنجیاں اُس کے
سپرد کیں وہ محل میں داخل ہوا اور اُس کے ایک گوشہ میں ڈیرہ کیا۔ اور کشلو خاں
سے کہا کہ تو بادشاہ بن جا۔ کشلو خاں نے کہا نہیں تو بادشاہ بن[2]۔ دونوں تکرار کر رہے
تھے۔ کشلو خاں نے کہا کہ اگر تو بادشاہ ہونا نہیں چاہتا تو تیرے بیٹے کو ہم بادشاہ بنا
لیتے ہیں۔ یہ بات تغلق کو منظور نہ تھی۔ خود بادشاہ بننا قبول کیا اور تخت پر بیٹھ کر
بیعت لینا شروع کی۔ سب خاص و عام نے اس کی بیعت کی۔

خسرو خاں تین دن تک برابر باغ میں چھپا رہا۔ تیسرے دن بھوک سے بیقرار ہو
اور باہر نکلا تو باغبان سے کھانے کو مانگا۔ اُس کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ خسرو نے اپنے

---

[1] اس سے غیاث الدین تغلق کی بے لوثی ظاہر ہوتی ہے۔

[2] یہ کشلو خاں کی دوستی اور وفاداری کا ناقابل فراموش ثبوت ہے۔

ان دونوں میں سے کسی ایک کا بادشاہ بننا اس لیے قطعی تھا کہ اب خلجی خاندان کا کوئی فرد
زندہ نہیں رہ گیا تھا، ورنہ تغلق کی خواہش یہی تھی کہ اپنے آقا زادے کو تخت نشین

اپنا انگشتری دی اور کہا اُس کو گروی کر کے کھانا لے آ۔ جب وہ بازار میں آیا اور انگشتری دکھائی۔ لوگوں نے شبہ کیا کہ اس کے پاس ایسی انگوٹھی کہاں سے آئی۔ اسے کوتوال کے پاس لے گئے کوتوال اسے تغلق کے پاس لایا۔ تغلق نے اس کے ساتھ اپنے بیٹے جونا خاں کو بھیجا کہ خسرو کو گرفتار کر کے لے آئے۔ جونا خاں نے خسرو کو پکڑ لیا۔ اور اسے ٹٹو پر سوار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا تو کہا میں بھوکا ہوں۔ بادشاہ نے کہا شربت اور کھانا لاؤ۔ بادشاہ نے اس کو کھانا کھلایا پھر نبیذ پلایا اور پان دیا۔

جب کھا چکا تو اُس نے تغلق بادشاہ سے کہا اے تغلق مجھے رسوا نہ کر اور شاہانہ سلوک میرے ساتھ کر۔ تغلق نے کہا بسروچشم اور حکم دیا کہ اُسی جگہ جہاں اُس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا لے جا کر سر اڑا دو اور اُس کے سر اور نعش کو چھت پر سے نیچے پھینک دو جیسا کہ اُس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا۔ اُس کے بعد حکم دیا کہ اُس کو غسل دے کر کفن دو اور اُسی کے مقبرہ میں دفن کر دو[1]۔

---

[1] چونکہ خسرو خاں نے علانیہ ارتداد نہیں اختیار کیا تھا اسی لیے غیاث الدین تغلق نے اسے شک کا فائدہ دیا، اور مسلمان کی طرح دفن کیا، ہمارا زمانہ ہوتا تو خود غیاث الدین تغلق پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہوتا۔!

سلطان غیاث الدین تغلق

چار سال تک غیاث الدین سریر سلطنت پر متمکن رہا، یہ عادل اور فاضل شخص تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد اپنے بیٹے[1] کو ملک تلنگ[2] کے فتح کرنے کے لیے بھیجا، جس کی مسافت دہلی سے تین ماہ کی ہے، اُس کے ساتھ بہت بڑا لشکر دیا۔ اور بڑے بڑے امیر جیسے ملک تیمور اور ملک تگین اور ملک کافور مہردار اُس کے ہمراہ بھیجے۔ جب وہ تلنگانہ پہنچا تو بغاوت کا ارادہ کیا۔ اُس کا ایک مصاحب تھا۔ عبید[3]، جو شاعر بھی تھا۔ اور فقیہ بھی تھا اور اُس سے کہہ دیا کہ تو لوگوں سے کہہ دے کہ بادشاہ کا انتقال[4] ہوگیا۔ اُس کا گمان تھا کہ یہ خبر سُن کر تمام لشکر اور افسر مجھ سے بیعت کر لیں گے[5]۔

---

[1] جونا خاں (محمد تغلق)

[2] تلنگانہ (ورنگل)

[3] ایک مسخرا اور ہجو گو شاعر،

[4] یہ صرف عبید کی شرارت تھی، اس میں محمد تغلق کا کوئی دخل نہ تھا،

[5] محمد تغلق جیسے سعادت مند بیٹے پر اس سے بڑا کوئی اتہام نہیں لگایا جا سکتا۔ ساری زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ باپ سے کبھی سرتابی کی ہو، چنانچہ ثقہ مورخین میں سے کوئی بھی اس سازش میں محمد تغلق کو شریک نہیں قرار دیتا، ابن بطوطہ نے یہ سنی سنائی باتیں لکھ دیں۔

لیکن کسی نے اس خبر کو سچ نہ جانا۔ ہر ایک امیر نے مخالفت شروع کی اور اُس سے علیحدہ ہوگیا[1] یہاں تک کہ جونا خاں کے ساتھ کوئی بھی نہ رہا[2]۔ لوگوں نے اسے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا لیکن ملک تیمور نے منع کیا۔ جونا خاں نے اپنے دس مصاحبوں کے ساتھ جن کو وہ یارانِ موافق کہا کرتا تھا۔ بھاگ کر دہلی کا راستہ لیا[3]۔ بادشاہ نے اُس کو روپیہ اور لشکر دے کر پھر تلنگانہ کی طرف واپس بھیج دیا۔ بعد ازاں بادشاہ کو حقیقت معلوم ہوئی تو اُس نے عبید کو قتل کر ڈالا۔ ملک کافور مہردار کے لیے ایک نوکدار سیدھی لکڑی زمین میں گڑوا دی اور عبید کا سر نیچے کی طرف کر کے وہ لکڑی گردن میں چبھو کر لکڑی کے نوکدار سرے کو پسلی میں سے نکال دیا[4]۔ باقیماندہ باغی امیر خوف سے بنگالہ میں سلطان ناصر الدین کے بیٹے سلطان شمس الدین کے پاس بھاگ گئے۔

جب سلطان شمس الدین کا انتقال ہوگیا۔ تو اُس کا ولی عہد سلطان شہاب الدین بنگالہ کا بادشاہ ہوا۔ لیکن اُس کے چھوٹے بھائی غیاث الدین بورہ نے اپنے بھائی کو معزول کیا۔ اور قطلو خاں اپنے دوسرے بھائی کو مار ڈالا۔ دوسرے بھائی شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر تغلق کے پاس آگئے۔ تغلق اُن کی مدد کے لیے اُن کے ساتھ گیا۔ اور اپنے بیٹے کو بطور نائب کے دہلی میں چھوڑ گیا۔ اور غیاث الدین بہادر کو قید کر کے

---

[1] اتنی بڑی سازش، اور ساتھی کوئی نہیں۔

[2] یہ بھی افواہ ہے۔

[3] ایسی سازش کا ارتکاب کرے جس کی سزا قتل ہے بھاگا بھی تو کہاں؛ دہلی کی طرف باپ کے پاس، جس کے خلاف سازش کی تھی اسی کے دامن میں پناہ لینے؛ اس روایت کو اگر درایت کی کسوٹی پر کسا جائے تو بالکل غلط ثابت ہوتی ہے۔

[4] عبید وغیرہ کی سازش کا حال خود محمد تغلق نے ایک سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کو بتا دیا تھا۔ بلکہ فرشتہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس نے عبید اور ملک کافور کو گرفتار کر کے باپ کے پاس بھیج دیا، جس نے وہی سزا دی جو اس زمانے میں باغیوں کو دی جاتی تھی، اگر محمد تغلق کا دامن اس سازش سے ذرا بھی آلودہ ہوتا تو غیاث الدین جیسا شخص ہرگز اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے ساتھ لیا۔ اور دہلی کی طرف واپس ہوا۔

دہلی میں سلطان نظام الدین ولی بدایونی[1] رہتے تھے۔ جونا خاں ہمیشہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ اور اُن سے دعا کا خواستگار رہتا تھا[2]۔ ایک روز اُس نے اُن کے خادموں سے کہا کہ جس وقت شیخ جذبہ اور وجد کی حالت میں ہوں تو مجھے خبر کرنا۔ چنانچہ جب ایسا موقع آیا تو انہوں نے جونا خاں کو خبر کی۔ وہ حاضر ہوا۔ شیخ صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے تجھ کو سلطنت بخشی اسی عرصے میں شیخ کا انتقال ہو گیا۔ تو جونا نے اُن کے جنازہ کو کندھا دیا۔ یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا[3]۔ علاوہ ازیں جونا خاں کی تالیفِ قلوب اور سخاوت اور غلاموں کی زیادہ خریداری سے اور اسی طرح اور امور کے باعث بادشاہ پہلے بھی ناراض رہتا تھا۔ اب اور بھی زیادہ خفا ہوا اسے یہ خبر بھی پہنچی کہ کسی منجم نے یہ بھی کہا ہے کہ بادشاہ اس سفر سے زندہ واپس نہیں آئے گا۔

جب دارالخلافہ کے قریب پہنچا تو جونا خاں کو حکم بھیجا کہ اس کے واسطے ایک نیا محل افغان پور میں تیار کرا دے[4]۔ جونا خاں نے تین دن میں محل کھڑا کروا دیا۔ اُس کی بنا لکڑیوں کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی۔ اُس میں اکثر لکڑی کا کام تھا۔ احمد بن ایاز نے جو بعد میں خواجہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا[5] اور اُن دنوں میں بادشاہ کا میر عمارت تھا۔ اُس کی بنیاد ایسے ایسے اندازہ سے رکھی تھی کہ اگر اُس کے ایک خاص موقع پر ہاتھی کھڑا کیا جائے تو تمام

---

[1] سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا در اصل بدایوں کے رہنے والے تھے۔

[2] محمد تغلق ہمیشہ سے دینداری کی طرف مائل تھا،

[3] غیاث الدین تغلق حضرت سلطان المشائخ کی ذات گرامی کو اور ان کی مرجعیت عامہ کو اپنے لیے حد درجہ خوفناک سمجھنے لگا تھا۔ اسی لیے وہ ان سے خائف رہتا تھا۔ اور ان کا وجود دہلی میں برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

[4] یہ نئی بات ابن بطوطہ نے لکھی ہے اور قرین قیاس بھی ہے ۔

[5] یہ تلنگانہ کا راجکمار تھا، جو سلطان المشائخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ اور آپ کی دعا کی برکت سے غیر معمولی عروج و اقتدار کا حامل بنا۔

مکان گر پڑے۔ بادشاہ اس محل میں آکر ٹھیرا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو جونا خاں نے بادشاہ سے اجازت طلب کی کہ میں ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں[1]۔ چنانچہ ایک ہاتھی جو ساز و سامان سے مرصع تھا۔ سامنے لایا گیا۔ مجھ سے شیخ رکن الدین[2] ملتانی ذکر کرتے تھے وہ اُس وقت بادشاہ کے پاس تھے اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی وہیں تھا جونا خاں نے اُن سے کہا۔ کہ اے اخوند عالم نماز عصر کا وقت قریب ہے۔ آؤ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ وہ محل سے باہر نکل آئے اسی وقت ہاتھی کو لائے۔ ہاتھی کا محل میں پہنچنا تھا۔ کہ تمام مکان بادشاہ اور شہزادہ کے سر پر گر پڑا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے شور سنا اور بغیر نماز پڑھے واپس چلا آیا۔ تو دیکھا محل گرا ہوا ہے۔ جونا خاں نے حکم دیا کہ تبر اور کسیاں لاؤ تاکہ کھود کر بادشاہ کو نکالا جائے اور اشارہ کر دیا کہ ذرا دیر سے لائیں[3]۔ چنانچہ جب کھودنا شروع کیا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب کھود کر دیکھا گیا۔ تو بادشاہ اپنے بیٹے کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو موت سے بچانا چاہتا تھا۔ یعنی اٹھا کر مکان سے نکالنا چاہتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اُس وقت تک زندہ تھا۔ لیکن اُس کا کام تمام کر دیا گیا[4]۔ راتوں رات مقبرہ میں

---

[1] نذر پیش کرنے کا قاعدہ خاندان شاہی میں ایسے مواقع پر عام تھا۔

[2] شیخ رکن الدین ملتانی اگرچہ ثقہ بزرگ تھے، لیکن وہ غلط رائے بھی قائم کر سکتے تھے، غلط نتیجہ بھی اخذ کر سکتے تھے۔ جب کہ دوسرے چوٹی کے مورخین — ملّا عبدالقادر بدایونی وغیرہ — جو کسی کو معاف کرنا نہیں جانتے، اس بیان کی تکذیب کر رہے ہیں،

اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ زندگی بھر محمد تغلق کی دی ہوئی جاگیر، انعامات، اور بذل و کرم سے متمتع ہوتے رہنے کے باوجود وہ اپنے محسن و مربی کے خلاف اتنا سنگین الزام ایک پردیسی شخص کے سامنے نج کی صحبت میں لگاتے ذرا نہیں جھجکتے۔

[3] یہ بھی غلط ہے۔

[4] یہ اور زیادہ غلط ہے۔

جو اُس نے تغلق آباد میں اپنے لیے بنوایا تھا پہنچا دیا اور وہاں دفن کیا گیا۔

تغلق آباد کے جلنے کا سبب میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ اس شہر میں بادشاہ کا خزانہ او
محل تھے۔ اس قلعہ میں بادشاہ نے ایک ایسا بڑا محل تیار کرایا تھا کہ اُس کی اینٹوں پر سونا چ
ہوا تھا۔ جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا اُس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر جما کر نہیں د
سکتا تھا۔ اُس میں بادشاہ نے بہت سامان جمع کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک حوض بنوا کر
سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہو گیا تھا۔ اُس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف
کیا۔ چونکہ خواجہ جہاں نے اُس کو شک کے بنانے میں جس کے گرنے سے بادشاہ مرا بڑی صنعت
ظاہر کی تھی۔ اس لیے خواجہ جہاں کی برابر کسی کی بادشاہ کے دل میں جگہ نہیں تھی۔ اور کوئی شخص ا
کی برابری نہیں کر سکتا تھا[1]

---

[1] خواجہ جہاں پر محمد تغلق اس لیے زیادہ مہربان تھا کہ ایک تو وہ نو مسلم تھا، دوسرے اس کا
خواجہ تاش تھا، یعنی حضرت سلطان المشائخ کا محبوب مرید بھی تھا۔

ابوالمجاہد

سلطان ابن محمد شاہ تغلق

ملک الہند و سند

تغلق کے حالات و کوائف، مزاج و طبیعت، نظم مملکت اور

اور اصول فرمارو ائی و اوصاف و شمائل سے متعلق ابن بطوطہ کے مشاہدات و تاثرات

تصویر کے دُو رُخ

پہلا رُخ

بذل وعطا، جود وکرم، بخشش وسخا، انسانیت نوازی
غریب پروری، اور رحم پر ہمدردی،
کی حیرت انگیز اور نادر مثالیں۔

بادشاہ والاجاہ

عادات وخصائل، اور اخلاق وشمائل کا ذکر

غیاث الدین کے بعد محمد تغلق بلا تنازع اور بغیر کسی مخالفت کے تخت پر متمکن ہوگیا۔ میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ اس کا اصلی نام جونا خان تھا۔ تخت شاہی پر جلوس کے بعد اس نے اپنا نام ابوالمجاہد محمد شاہ رکھا۔ بادشاہان سابق کا جو میں نے حال لکھا ہے۔ اس کا اکثر حصہ شیخ کمال الدین بن برہان غزنوی قاضی القضاۃ سے سنا ہے۔ لیکن اس بادشاہ کی بابت جو کچھ لکھ رہا ہوں، وہ میرا چشم دید ہے۔

یہ بادشاہ خونریزی اور بےجا سخاوت میں مشہور ہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ کوئی فقیر امیر نہیں بن جاتا اور کوئی زندہ آدمی قتل نہیں کیا جاتا۔ اس کی سخاوت اور شجاعت، سختی اور خونریزی کی حکایات عوام الناس کی زبان زد ہیں۔ بایں ہمہ میں نے اس سے زیادہ متواضع اور منصف کسی اور کو نہیں دیکھا۔ شریعت کا پابند ہے اور نماز کی بابت بڑی تاکید کرتا ہے جو نہیں پڑھتا اسے سزا دیتا ہے۔ منجملہ ان سلاطین کے ہے جن کی نیکبختی اور مبارک نفسی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ میں اس کے احوال بیان کرنے میں بعض ایسی باتیں بیان کروں گا جو عجائبات معلوم ہوں گی۔ لیکن خدا اور رسول اور ملائکہ کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں فوق العادت سخاوت اور کرم سے بیان کروں گا وہ سب کا سب درست ہے۔ اس کے مآثر کے سلسلے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ اسے مبالغہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ یا تو میری چشم دید ہے۔ یا میں نے

اس کی صحت کی طرف سے اطمینان کرلیا ہے یا خود میرے سامنے گذرا ہے اور اس کی روایت تو
مشرق میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہے[1]۔

قصر سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کا ایک نظارہ

شاہی محل کو جو دہلی میں ہے دار سرا کہتے ہیں۔ کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ پہلے
دروازہ پر پہرہ کے سپاہی رہتے ہیں اور نفیری اور نقارے اور قرنا والے بھی بیٹھے رہتے ہیں۔ جب
کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا ہے تو نقارے اور نفیری بجانا شروع کرتے ہیں۔ اور بجانے میں یہ آواز
ہیں۔ کہ فلاں شخص آیا۔ اور اسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازہ پر ہوتا ہے۔ پہلے درواز

---

[1] ابن بطوطہ کے ان الفاظ میں جو بے بسی جھلک رہی ہے وہ قابل رحم حد تک دلچسپ ہے، واقعہ یہ ہے کہ
طویل دور سیاحت میں، ایسا بیدادگر، اور ساتھ ہی ساتھ خلق و کرم کا پیکر کا ہے کو کبھی نظر سے گذرا ہو
، ابن بطوطہ درویش صفت سیاح تھا،

نقیر انہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے!

لیکن یہاں آکر ایسا پھنسا کہ نہ پائے ماندن، نہ جائے رفتن، ـــــ نے تاب وصل دارم نے
طاقت جدائی، ! ' لوگوں کو قتل ہو اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا - اور اپنا انجام سامنے آجاتا تھا، نہ جانے کب
کی نظر پھر جائے اور جسم و جان کا رشتہ منقطع ہوجائے، وہ یہاں مرنے نہیں آیا تھا - زندگی کا لطف اٹھانے آیا تھا
لیکن صورت حال یہ تھی کہ دن میں کئی کئی مرتبہ وفور ہیبت و دہشت سے مرنا پڑتا تھا،
ابن بطوطہ نے تغلق کے مزاج و طبیعت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے بالکل سچ ہے واقعی فرشتہ کے الفاظ میں
" مجموعۂ اضداد تھا" قاتل بھی اور جان بخش بھی، عالم بھی، اور علماء و مشائخ کا دشمن بھی - کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا
سوا دوسری شادی نہیں کی - قرآن حفظ کر ڈالا علوم عقلیہ میں اپنی مثال آپ، شیریں کلام، خوش تحریر، پابند صوم
بلکہ نوافل و مستحبات تک کی پابندی میں متشدد لیکن شمشیر برہنہ، برق خرمن سوز، قہر الٰہی کا نمونہ، ایسے بادشاہ
ظل عاطفت سے بیچارہ کر واقعی بچالیے ابن بطوطہ کا خون سوکھ گیا ہوگا،

کے باہر چبوترے ہیں۔ یہاں جلاد بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا ہے تو وہ محل ہزار ستون[1] کے سامنے مارا جاتا ہے۔ لیکن اس کا سر پہلے دروازہ کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہے۔ پہلے اور دوسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑی دہلیز ہے دونوں طرف چبوترے بنے ہوئے ہیں وہاں نوبت نقارے والے بیٹھے رہتے ہیں۔ دوسرے دروازہ پر اس دروازہ کے پہرہ دار ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑا چبوترہ ہوتا ہے۔ اس پر نقیب النقبار بیٹھا رہتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہوتی ہے۔ اور سر پر جڑاؤ اور طلا کار کلاہ جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور باقی نقیبوں کی کمر میں زرّیں پٹی سر پر طلا کار حاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہے جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازہ کے اندر ایک بڑا دیوان خانہ ہے یہاں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے دروازہ پر متصدی بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے ———— کہ کوئی شخص اندر آنے نہیں پاتا۔ جب تک اس کا نام ان کے رجسٹر میں درج نہ ہو ہر امیر کے ہمراہیوں کی تعداد مقرر اور درج ہوتی ہے۔ متصدی اپنے روزنامچہ میں لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص اس قدر ہمراہیوں کے ساتھ فلاں وقت آیا۔ بادشاہ اس روزنامچہ کو عشا کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہے۔ اس روزنامچہ میں جو کچھ حادثات واقع ہوتے ہیں لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ایک کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ روزنامچہ پیش کرے۔

---

[1] تفصیل کے لئے سرسید کی آثار الصنادید سے رجوع کیا جائے۔

[2] گویا "وزیٹرس بک"۔

بادشاہ کا دربار

حضورِ سلطانی میں باریاب ہونے کے آداب و عوائد

یہاں کے عوائد میں یہ بھی ہے کہ جو امیر تین دن یا اس سے زیادہ بلا عذر یا کسی عذر سے غیر
ہوتا ہے۔ تو وہ پھر دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ بادشاہ کی خاص اجازت از سر
حاصل نہ کی جائے۔ اگر وہ بیماری یا کسی عذر کے سبب سے نہ آسکا تھا۔ تو جس روز آتا ہے ا
حیثیت کے موافق ہدیہ یعنی نذر پیش کرتا ہے اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا اور کوئی کتاب۔
تو مصلے یا تسبیح یا سوا اس کے امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتھیار۔ تیسرے دروازہ کے اندر ایک
بہت بڑا میدان ہے جس میں ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ اس دیوان خانہ کا نام ہزار ستو
کیونکہ اس کی چھت جو لکڑی کی ہے۔ لکڑی کے ہزار ستون پر قائم ہے ان ستونوں پر روغن
ہے اور چھت میں بھی روغن ہے۔ اور طرح طرح کے نقش و نگار اس میں بنے ہوئے ہیں۔ سب
اس مکان میں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی جلوس عام کے وقت اس میں آکر بیٹھتا ہے۔

بادشاہ کا جلوس دربار میں اکثر بعد عصر ہوتا ہے کبھی چاشت کے وقت بھی ہوتا ہے۔ باد
کے جلوس کی جگہ ایک شہ نشین ہے۔ جو باقی مکان سے اونچا ہوتا ہے۔ اس پر چاندی بچھی ہو
ہے۔ بادشاہ کی کمر کے پیچھے بڑا تکیہ اور دائیں بائیں دو ذرا چھوٹے تکئے ہوتے ہیں۔ اور ن
ایسی ہوتی ہے۔ جیسے آدمی نماز کے قعدہ میں بیٹھتا ہے۔ اور یہی نشست اکثر اہل

کی ہے[1]۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتے ہیں تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کاتب وزیر کے پیچھے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے حاجبوں کا سردار آج کل ملک فیروز بادشاہ کا چچازاد بھائی ہے۔ اس کے پیچھے اس کا نائب ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد خاص حاجب اس کے بعد نائب خاص حاجب اور وکیل الدار اور اس کا نائب اور شریف الحجاب اور سید الحجاب اور ان کے بعد نقیب جو تعداد میں سو ہوتے ہیں۔

جب بادشاہ بیٹھ چکتا ہے تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ملک قبولہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چنور ہوتا ہے۔ وہ مکھیاں ہلاتا ہے۔ بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر سو مسلح جوان اور بائیں پر سو مسلح جوان ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ڈھالیں اور تلواریں اور کمانیں ہوتی ہیں۔ اور دیوان خانہ کے طول میں دائیں اور بائیں قاضی القضاۃ اور اس کے بعد خطیب الخطبا پھر باقی قاضی اور پھر بڑے بڑے فقیہ۔ پھر سید پھر مشائخ پھر بادشاہ کے بھائی اور داماد اور ان کے بعد بہت بڑے بڑے امیر پھر پردیسی اور ایلچی۔ اور پھر فوج کے افسر کھڑے ہوتے ہیں۔

پھر ساٹھ گھوڑے آتے ہیں۔ زین اور لگام سمیت۔ تمام ساز و زیورات پہنے ہوئے بعضوں کی لگام اور حلقے سیاہ ریشم کے اور بعضوں کے سفید ریشم کے مرصع ہوتے ہیں۔ ان گھوڑوں پر بادشاہ کے سوا اور کوئی سوار نہیں ہوتا۔ ان میں سے آدھے تو دائیں اور آدھے بائیں طرف اس طرح کھڑے ہو کئے جاتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر سب پر پڑ سکے۔ پھر پچاس ہاتھی آتے ہیں جن پر طلائی اور ریشمی کپڑے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے دانتوں پر لوہا چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ان سے اہل جرائم کے مارنے کا کام لیا جاتا ہے ہر ہاتھی کی گردن پر فیلبان ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکس ہوتا ہے جو طبرزین کہلاتا ہے۔ اس سے وہ ہاتھی کو ادب دیتا ہے اور ہر ہاتھی کی پشت پر ایک بڑا صندوق[2] سا ہوتا ہے۔ جس میں بیس یا کم زیادہ جیسا کر ہاتھی ہو جنگی سپاہی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ ہاتھی سکھائے ہوتے ہیں۔ جس وقت حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ وہ سر جھکا کر تعظیم کرتے ہیں

---

[1] یعنی درواز ... و ... وہ نشست و برخاست ادب اور ... کا آئینہ دار ہے۔

[2] ہودج

آدھے ہاتھی ایک طرف کھڑے کئے جاتے ہیں اور آدھے دوسری طرف - یہ ہاتھی لوگوں کے
کھڑے کئے جاتے ہیں - ہر شخص پہلے بادشاہ کے سامنے آتا ہے اور تعظیم کرکے اپنی مقررہ
چلا جاتا ہے - اور وہاں کھڑا ہوجاتا ہے - جب کوئی ہندو تعظیم کے لئے آتا ہے تو حاجب او
بجائے بسم اللہ، ہداک اللہ[1] کہتے ہیں،

بادشاہ کے غلام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں - ان کے ہاتھوں میں ڈھالیں او
ہوتی ہیں - کوئی شخص ان میں سے ہوکر اندر داخل نہیں ہوسکتا بلکہ جو شخص آتا ہے وہ نقیب
حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے گذر کر آتا ہے - جب کوئی پردیسی یعنی غیر ملک کا باشن
کے لئے آتا ہے تو دروازہ پر اطلاع کرتا ہے سب سے آگے امیر حاجب اس کے پیچھے
پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں
دفعہ تعظیم بجالاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص سلام کے لئے حاضر ہے -

جب اجازت ہوتی ہے تو اس کی نذر لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی اس طرح پیش
ہے کہ بادشاہ کی نظران پر پڑسکے - پھر حکم ہوتا ہے کہ نذر دینے والے کو بلاؤ - وہ تین دفع
کے قریب پہنچنے سے پہلے تعظیم کرتا ہے - اور پھر حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پر
کرتا ہے - اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے تو امیر حاجب کی صف میں کھڑا ہوتا ہے - ورنہ اس
اور بادشاہ اس کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی کے ساتھ باتیں کرتا ہے اور اس کو
اگر وہ تعظیم کے لائق ہوتا ہے تو بادشاہ اس سے مصافحہ کرتا ہے اور گلے لگا کر ملتا ہے اور
میں سے بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا ہے - اگر کوئی کپڑا یا ہتھیار ہوتا ہے تو اس کو الٹ
دیکھتا ہے - اور دل جوئی کے لئے اس کی تعریف کرتا ہے - پھر خلعت دیجاتی ہے اور نذر
کے لئے درجہ کے موافق اس کی سرشوئی کے نام سے کچھ مقرر ہوجاتا ہے -

جب کوئی سرکاری اہل کار نذر پیش کرتا ہے - یا کسی ملک کا خراج لاتے ہیں تو سونے کے
طشت - آفتابے یا کوئی اور چیز بنواتے ہیں اور سونے کی اینٹیں بنوالیتے ہیں جن کو خشت کہتے

---

[1] یعنی اللہ تجھے ہدایت دے -

جو بادشاہ کے غلام ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اگر ہاتھی نذر میں ہوتا ہے۔ تو وہ ہاتھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد گھوڑے مع ساز و سامان کے۔ پھر خچر پھر اونٹ۔ اور ان سب پر سامان لدا ہوا ہوتا ہے۔ جب بادشاہ دولت آباد سے تشریف لائے تو خواجہ جہاں وزیر نے نذر پیش کی۔ اس وقت میں بھی موجود تھا۔ خواجہ جہاں نے شہر پناہ سے باہر نکل کر اپنی نذر پیش کی۔ اس نے اسی ترتیب سے نذر دی تھی جو میں نے ابھی بیان کی۔ اس نذر میں ایک سینی زمرد سے بھری ہوئی۔ اور ایک سینی موتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر بادشاہ ایران سلطان ابو سعید کا عم زاد بھائی اور حاجی گاؤں بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اس نذر میں سے بہت سا حصہ اس کو بخش دیا۔

جشنِ عید

شہنشاہ ہندوستان کا جلوس نمازِ عید کیلئے

چاند رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں اور مصاحبوں اور مسافروں متصدیوں، حاجبوں اور نقیبوں، افسروں، غلاموں اور پرچہ نویسوں کے لئے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجہ کے موافق بھیجتا ہے۔

جب صبح ہوتی ہے تو ہاتھی سجائے جاتے ہیں۔ ان پر ریشم کے طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سَو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے ہیں۔ ان پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ایک چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے اور ہر ہاتھی پر ایک ریشمی گدی مرصع بہ جواہرات رکھی جاتی ہے۔ ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے اور اس کے آگے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک پر بطور پرچم کے لے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے آگے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں ان میں ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی (یعنی ساشیہ) ہوتی ہے اور کمر پر مطلا پیٹی۔ بعض پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ کے آگے آگے نقیب بھی ہوتے ہیں جو تعداد میں تین سو ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے۔ کمر میں طلائی پیٹی۔ اور ہاتھ میں تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے۔

صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی عراقی خراسانی اور مغربی سب ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور تکبیر کہتے جاتے ہیں بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتے ہیں اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے ہر ایک امیر اپنی فوج کو علیحدہ علیحدہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے بھی ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے۔ بادشاہ کے آگے آگے وہ لوگ جن کا ذکر میں کر آیا ہوں۔ اور قاضی اور موذن ہوتے ہیں جو تکبیر پڑھتے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہیں ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار۔ پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خان کی سواری مع ان کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خان کی سواری۔ اس کے بعد بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز[1] کی۔ پھر ملک مجیر ذی الرجا کی پھر ملک قبولہ کی۔ یہ امیر بادشاہ کا نہایت مقرب اور منہ چڑھا ہے۔ اور بڑا دولت مند ہے۔ مجھ سے اس کا دیوان ملک علاء الدین مصری جو ابن سرشی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ذکر کرتا تھا۔ کہ اس کا اور اس کے لشکر اور خادموں کا خرچ چھتیس ۳۶ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ پھر ملک نکبہ کی پھر ملک لبغرا کی، پھر ملک مخلص کی۔ پھر قطب الملک کی مع ہر ایک کے لشکر اور باجے والوں کے

بادشاہ قربانی بقر عید کے دن کس طرح کرتا ہے

یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا۔ وہ امیر ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں۔ اور عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارے لے کر جاتے ہیں اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہیں اور وہ درجہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ہر شخص عید کے دن جلوس میں مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے۔ جب بادشاہ عیدگاہ کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو وہیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ قاضی اور موذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ پردیسی

---

[1] فیروز تغلق جو محمد تغلق کا جانشین بنا۔

پہلے داخل ہوجائیں ۔ بادشاہ بعد میں اترتا ہے ۔ امام نماز شروع کرتا ہے ۔ اور خطبہ پڑھتا ہے اور بقرعید ہوتی ہے تو بادشاہ نیزہ سے اونٹ کو نحر[1] کرتا ہے اور اس سے پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی اوڑھ لیتا ہے ۔ تاکہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں ۔ یہ قربانی کرکے بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوکر محل واپس آجاتا ہے ۔

---

[1] ذبح کرتا ہے ۔

دربارِ عید

اسلامی شان اور تجمّل کے روح پرور نظارے

عید کے دن تمام دیوان خانہ پر فرش بچھایا جاتا ہے اور طرح طرح کی آراستگی کی جاتی ہے - اور دیوان خانہ کے صحن میں بارگاہ کھڑی کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑا خیمہ ہوتا ہے جو بہت موٹے موٹے کھمبوں پر کھڑا کیا جاتا ہے اور اس کے چاروں طرف خیمے ہوتے ہیں اور ریشم کے بوٹے جن میں رنگ برنگ کے ریشمی پھول بڑے چھوٹے ہوتے ہیں لگائے جاتے ہیں - ان درختوں کی تین صفیں دیوانخانہ میں بناتے ہیں۔ دو درختوں کے درمیان ایک سونے کی چوکی رکھی جاتی ہے اور اس پر ایک گدیکا ہوتی ہے جس پر رومال پڑا ہوتا ہے۔

دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا ہے - یہ تخت خاص سونے کا ہے اس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں - ان کا طول ۲۳ بالشت کا اور عرض اس سے نصف ہے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہوتے ہیں - جب دیوان خانہ میں لگاتے ہیں تو ٹکڑوں کو جوڑ لیتے ہیں - ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے ہیں - اس کے اوپر ایک کرسی بچھاتے ہیں - اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے ہیں - جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے ہیں۔

پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا ہے - سب سے پہلے قاضی اور خطیب

اور عالم اور سید اور مشائخ اور بادشاہ کے بھائی اور نزدیکی اور رشتہ دار آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے
بعد پردیسی پھر وزیر پھر فوج کے بڑے بڑے افسر پھر بوڑھے بوڑھے غلام۔ پھر فوج کے سردار
ہر ایک رحال سے سلام کرکے واپس آتا ہے اور اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بھی دستور ہے کہ عید کے
دن جن لوگوں کے پاس جاگیریں دیہات ہیں وہ کچھ اشرفیاں لاتے ہیں اور رومال میں باندھ کر جس پر
دینے والے کا نام ہوتا ہے۔ سونے کے تھالوں میں جو اس مطلب کے واسطے رکھے ہوئے ہوتے ہیں
ڈالتے جاتے ہیں۔ اس طرح بہت سامال جمع ہوجاتا ہے۔ اس میں سے بادشاہ جس کو چاہتا ہے
بخشش کرتا ہے۔

جب سلام ہوچکتا ہے تو کھانا آتا ہے۔ عید کے دن بڑی انگیٹھی بھی باہر نکلتے ہیں۔ وہ برج
کی شکل کی خالص سونے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے بھی ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جب باہر
نکال کر رکھتے ہیں تو ٹکڑے جوڑ لیتے ہیں۔ اس میں تین خانے ہوتے ہیں۔ اس میں فراش داخل ہوکر
اور الائچی اور عنبر جلاتے ہیں۔ اس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اٹھتا ہے۔ غلاموں کے
ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہیں وہ حاضرین پر گلاب اور پھولوں کے عرق
چھڑکتے ہیں۔ یہ بڑا تخت اور انگیٹھی فقط عید کے دن باہر نکالے جاتے ہیں۔

عید کے بعد بادشاہ ایک اور تخت پر جلوس کرتے ہیں وہ تخت زریں ہے۔ یہ جلوس بارگاہ
کے تین دروازے ہوتے ہیں۔ بادشاہ ان کے اندر بیٹھتا ہے۔ اول دروازے پر عماد الملک سرتیز
کھڑا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازے پر ملک نکبر اور تیسرے دروازے پر یوسف بغرا اور دائیں
بائیں اور امیر کھڑے ہوتے ہیں۔ بارگہ کا کوتوال ملک طغی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چوبک
ہوتی ہیں۔ اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی۔ یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے ہیں
اور صفوں کو سیدھا کرتے ہیں۔ وزیر اور کاتب اس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ حاجب اور نقیب
بھی اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد طوائف اور گانے بجانے والے آتے ہیں۔ سب سے پہلے راجاؤں کی بیٹیاں
آتی ہیں جو اس سال لڑائی میں پکڑی ہوئی آتی ہیں۔ اور اپنا گانا بجانا اور ناچ دکھاتی ہیں اور
سناتی ہیں۔ ان کو بادشاہ اپنے بھائی بندوں اور داماووں اور شہزادوں پر تقسیم کر دیتا ہے۔ پھر

عصر کے وقت ہوتا ہے دوسرے دن بھی جلوس عصر کے بعد اسی ترتیب سے ہوتا ہے۔ عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ داروں کے نکاح ہوتے ہیں اور ان کو جاگیریں انعام میں ملتی ہیں۔ چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے ہیں۔ پانچویں دن لونڈیاں آزاد کی جاتی ہیں۔ چھٹے دن غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح ہوتے ہیں۔ اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔

سفر سے واپسی پر

شہنشاہ کی سواری باد بہاری کا نظارہ

جب بادشاہ سفر سے واپس آتا ہے تو ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا ہے اور سولہ ہاتھیوں پر زریں اور چھتر لگائے جاتے ہیں اور آگے آگے زین پوش اٹھا کر لے جاتے ہیں اس میں بھی جواہرات جڑے ہوئے لکڑی کے بڑے بڑے برج بنائے ہیں جس کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ریشم کا کپڑا ان پر منڈھا ہوتا ہے ہر ایک درجہ میں لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیوات پہن کر بیٹھتی ہیں۔ ہر ایک برج کے چمڑے کا حوض ہوتا ہے جس میں گلاب کا شربت ہوتا ہے۔ یہ لونڈیاں ہر شخص کو خواہ شہری ہو یا مسافر اور جب وہ پانی پی چکتا ہے تو اس کو پان کی گلوری دیتی ہیں۔

شہر سے شاہی محل تک تمام رستے پر دونوں طرف کی دیواروں پر ریشمی کپڑے منڈھے ہوتے ہیں اور راستہ پر ریشمی کپڑے کا فرش ہوتا ہے جس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا ہے۔ بادشاہ کے آگے غلام ہوتے ہیں اور فوج پیچھے پیچھے ہوتی ہے۔

اور بعض دفعہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہاتھیوں پر تین یا چار چھوٹی منجنیقیں چڑھا دیتے ہیں کے ذریعے سے دینار اور درہم لوگوں پر پھینکتے ہیں اور یہ لوٹ شہر کے دروازے سے شاہی محل کے دروازے تک ہوتی رہتی ہے۔

شاهی دَسترخوان!

"برایں خوان لیغما چہ دشمن چہ دوست!"

① بادشاہ کے محل میں دو طرح کا کھانا ہوتا ہے ایک خاص دوسرا عام۔ خاصّہ وہ ہے کہ بادشاہ خود کھاتے ہیں اور اس میں فقط خاص خاص امیر اور بادشاہ کا چچا زاد بھائی فیروز اور عماد الملک سرتیز اور میرمجلس یا پردیسیوں میں سے کوئی شخص جس پر بادشاہ کو خاص مہربانی کرنی منظور ہو شامل ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت جب حاضرین میں سے بھی خاص کر کسی پر مہربانی کرنی منظور ہوتی ہے تو بادشاہ خود رکابی اٹھاتے ہیں اور اس پر ایک روٹی رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس شخص کو دیتے ہیں۔ وہ بائیں ہتھیلی پر رکابی لیتا ہے اور داہنے ہاتھ سے سلام کرتا ہے۔ کبھی کبھی اس خاصّہ میں سے کسی غیر حاضر شخص کا کھانا بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح لیتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ جیسے کہ حاضر اور پھر اس کے پاس جتنے اشخاص حاضر ہوتے ہیں۔ ان سب کے ساتھ وہ اس کھانے کو کھاتا ہے۔ میں اس خاص کھانے میں بارہا شامل ہوا ہوں۔

② یہ کھانا مطبخ سے لاتے ہیں اس کے آگے نقیب ہوتے ہیں جو بسم اللہ کہتے جاتے ہیں اور ان سب کے آگے نقیب النقبا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑی ہوتی ہے۔ اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی۔ جب نقیب چوتھے دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دیوان خانہ میں موجود لوگ ان کی آواز سنتے ہیں تو سب کے سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوا بادشاہ کے کوئی شخص بیٹھا نہیں رہتا۔

جب کھانا زمین پر رکھا جاتا ہے تو نقیب صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا سردار
سب کے آگے کھڑا ہو کر بادشاہ کی تعریف کرتا ہے۔ اور پھر زمین بوس کرتا ہے۔ اور اس کے
ساتھ کل نقیب زمین بوس کرتے ہیں اور کل حاضرین زمین بوس کرتے ہیں۔ یہ بھی دستور ہے
کہ جب یہ موقع ہوتا ہے اور نقیب کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو جو شخص چلتا ہوتا ہے۔ کھڑا ہو
جاتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے تو وہیں جم جاتا ہے۔ اور جب تک نقیب تعریف ختم نہیں کر چکتا۔ کوئی
حرکت نہیں کرتا نہ بولتا ہے۔ پھر اسی طرح اس کا نائب تعریف کرتا ہے۔ اور پھر سب حاضرین زمین
بوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد بیٹھ جاتے ہیں۔

متصدی سب حاضرین کے نام لکھ لیتا ہے۔ خواہ بادشاہ کو اس کے حاضر ہونے کا حال
ہی ہو اور بادشاہ کے لڑکوں میں سے کوئی لڑکا یہ فہرست بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے۔ اس کو
بادشاہ حکم دیتا ہے کہ فلاں امیر آج کھانا کھلا دے۔ ان کا کھانا چپاتیاں اور بھنا ہوا گوشت اور
اور مرغ اور سموسہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ دسترخوان کے صدر میں قاضی اور خطیب اور فقیہ اور
سید اور مشائخ ہوتے ہیں اور ان کے بعد بادشاہ کے رشتہ دار اور بڑے بڑے امیر
ترتیب وار بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص کی جگہ مقرر ہوتی ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے اس
لیے بالکل اژدہام نہیں ہوتا۔

جب سب لوگ بیٹھ چکتے ہیں تو شربدار آتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں سونے اور
اور تانبے اور کانچ کے پیالے ہوتے ہیں جن میں شربت ہوتا ہے۔ کھانے سے پہلے شربت پیتے
ہیں۔ جب پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتے ہیں۔ اس وقت کھانا شروع کیا جاتا ہے اور
شخص کے سامنے ہر قسم کے کھانے اور ایک رکابی موجود ہوتی ہے ایک رکابی میں دو شخص
نہیں ہوتے علیحدہ علیحدہ کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد فقاع یعنی نبیذ قلعی کے پیالوں میں
ہیں۔ اور جب حاجب بسم اللہ کہتا ہے تو پینا شروع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد پان چھالیہ لاتے ہیں ہر ایک آدمی کو ایک لپ بھر چھالیہ اور پندرہ پان کے
بیڑے دیتے ہیں جن پر سرخ ریشم کا دھاگا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جب پان لے چکتے ہیں۔ تو
حاجب پھر بسم اللہ کہتے ہیں اور سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو امیر کھلانے پر مقرر

ہوتا ہے ۔ وہ زمین بوس کرتا ہے اور پھر سب حاضرین زمین بوس کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ دو دفعہ کی نا ہوتا ہے ۔ ایک تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد[1] ۔

---

[1] خاص دسترخوان پر دو سو اور عام دسترخوان پر بیس ہزار آدمی موجود رہتے تھے شاہی مطبخ میں ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بھیڑ بکری کا گوشت ہر روز استعمال ہوتا تھا ۔
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے دسترخوان کی وسعت کا کیا عالم تھا ، اور اس کے مصارف کی کیا کیفیت تھی ؛ حقیقت یہ ہے کہ آج یہ باتیں افسانہ نظر آتی ہیں ، لیکن وہ دور بے شک ایسا تھا ، جب یہ افسانہ حقیقت اور واقعہ کی صورت میں موجود تھا ،

تغلق کی داستان جود و سخا

بادشاہ کی داد و دہش کے سلسلے میں، صرف انہی واقعات پر اکتفا کروں گا، جو میرے سامنے
پیش آئے، جن کا میں نے مشاہدہ کیا، جن کا میں گواہ ہوں[1]

بات کی بات میں ایک پردیسی کو مالا مال کر دیا

گاوزون[2] کا ایک ملک التجار پرویز تھا۔ شہاب الدین اُس کا ایک دوست تھا۔ ملک پرویز
کی جاگیر میں بادشاہ نے کنبایت[3] کا شہر دیا تھا۔ اور اُس سے وعدہ کیا تھا کہ وزارت کا
عہدہ دے گا۔ اُس نے اپنے دوست شہاب الدین کو بلا بھیجا جب وہ آیا تو اُس سے
کہا کہ بادشاہ کے لیے نذر تیار کرے۔

اُس نے جو نذر تیار کی اُس میں ایک سراچہ یعنی ڈیرہ مشجر کا بنا ہوا تھا۔ جس پر زری

---

[1] فرشتہ اس کے جود و عطا کا ذکر یوں کرتا ہے:

"ہنگام بذل و ایثار غنی و فقیر، آشنا و بیگانہ در نظر ہمتش یکساں بودے۔!"

[2] شیراز کے قریب ایک مقام۔ [3] اسے کھمبایت بھی کہتے ہیں۔ اب یہاں پٹرول کا
نکلا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد حکومت ہند نے مسلمان والی ریاست کو بے دخل کر دیا۔

ریاں نکلی ہوئی تھیں اور جس کا سائبان بھی زربفت مشجر کا تھا۔ اور ایک خیمہ تھا۔ مع قنات وغیرہ کے ایک آرام گاہ تھی یہ سب چیزیں مشجر کمخواب کی بنی ہوئی تھیں۔ اور بہت سے خچر بھی تھے۔

جب شہاب الدین یہ سب چیزیں لے کر اپنے دوست ملک التجار کے پاس لایا تو وہ بھی ملک کا خراج اور نذر لے کر چلنے کو تیار بیٹھا تھا۔ بادشاہ کے وزیر خواجہ جہاں کو معلوم تھا کہ بادشاہ نے پرویز سے وزارت دینے کا وعدہ کیا ہے، اور یہ بات اسے نہایت ناگوار گذری تھی کیونکہ قبل ازیں کمبایت اور گجرات اُس کی جاگیر میں تھے اور اُس کے باشندوں سے اُس کا دلی تعلق تھا۔ اُن میں اکثر ہندو تھے۔ اور بعضے بادشاہ سے سرکش بھی تھے۔

خواجہ جہاں نے کسی کو ورغلایا کہ ملک التجار کو راستہ میں مار ڈالو چنانچہ جب ملک التجار نذر اور خراج لے کر دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا تو ایک روز چاشت کے وقت کسی منزل میں اترا اور تمام لشکر اپنی ضروریات کے لیے پراگندہ ہو گیا، جب اکثر لوگ سو گئے تو ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت آ پڑی ملک التجار کو قتل کر ڈالا، اور کل مال لوٹ لیا اور خزانہ اور نذر کو بھی نہ چھوڑا۔ شہاب الدین کا بھی سب مال لوٹ لیا۔ لیکن وہ خود نکل گیا۔

پرچہ نویسوں نے یہ حال بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ نہروالہ کے خراج سے تیس ہزار دینار اسے دے دیئے جاویں، اور وہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ شہاب الدین سے جب یہ کہا گیا، تو اُس نے کہا کہ میں بادشاہ کی زیارت کے لیے جاتا ہوں اور اُس کی دہلیز کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اُس کا جواب لکھا گیا۔ تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور اجازت دی کہ شہاب الدین دارالخلافہ کی طرف چلا آئے۔

جس روز دارالخلافہ پہنچا تو ہمیں بھی اُسی روز بادشاہ کے سامنے پیش ہونا تھا وہ بھی پیش ہوا۔ بادشاہ نے ہمیں بھی خلعت دی اور ٹھیرنے کا حکم دیا اور شہاب الدین

لہ گنا سی طرف کا رہنے والا نومسلم تھا۔

کو بھی بہت کچھ دیا۔ ایک روز بادشاہ نے حکم دیا کہ مجھے چھ ہزار روپیہ دیا جاوے اور اُس روز دربار میں دریافت فرمایا کہ شہاب الدین کہاں ہے بہاء الدین فلکی نے کہا کہ اخوند عالم بیمار لیکن پھر کہا شنیدم زحمت دارد[1] بادشاہ نے فرمایا کہ[2] بروہمیں زماں از خزانہ یک لک تنکہ بگیری پیش او ببری تا دل او خوش شود" بہاء الدین نے فوراً تعمیل کی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ جو اسباب ہندوستان کا بنا ہوا خریدنا چاہے خرید لے اور جب تک اُس کی خرید جاری رہے اور کوئی شخص نہ خریدے، اور یہ بھی حکم دیا کہ اُس کو تین جہاز مع اسباب اور زاد راہ کے دیے جائیں۔ شہاب الدین ہرمز میں پہنچا اور وہاں ایک عظیم الشان مکان بنوایا۔ اِس شہاب الدین کو میں نے پھر شہر شیراز میں دیکھا سو وہ وہاں سلطان ابو اسحاق کی بخشش کا خواستگار تھا۔ اس وقت وہ کل مال خرچ کر چکا تھا۔ ہندوستان کی دولت کا یہی حال ہے۔ اول تو وہاں کی دولت کو بادشاہ باہر نہیں جانے دیتا اور اگر چلی بھی جاتی ہے تو خدا لینے والے پر کوئی نہ کوئی آفت بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ شہاب الدین کی دولت بھی اُس جھگڑے میں جو اُس کے بھتیجوں کا بادشاہ ہرمز کے ساتھ تھا کل کی کل جاتی رہی۔

خلیفہ عباسی کے قاصد سے حسنِ سلوک کی حیرت انگیز مثال

بادشاہ نے خلیفہ ابوالعباس[3] کے پاس ملک مصر میں تحفے بھیج کر خلیفہ سے درخواست

---

[1] بیمار ہے۔

[2] ابھی جاؤ اور ایک لاکھ روپیہ اسے دو تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

[3] بغداد کی شوکت اور خلافت ہلاکو کے ہاتھوں ختم ہو گئی، مستعصم باللہ آخری خلیفہ کے قتل کے چند سال بعد فرماں روائے مصر ملک ظاہر نے مصلحتہً خاندان عباسی کے ایک شخص ابوالعباس کو کٹھ پتلی خلیفہ بنا کر اس کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ ۶۶۱ھ سے ۷۰۱ھ

کی تھی کہ اُس کو ہندوستان اور سندھ کے ملک پر حکمرانی کرنے کا اجازت[1] نامہ بخشا جاوے اور یہ درخواست فقط اعتقاداً تھی۔ خلیفہ ابو العباس نے ایک اجازت نامہ شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب شیخ رکن الدین دارالخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ نے اُن کے خیر مقدم اور خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جب وہ اُس کے پاس آتے تھے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ جو کچھ اُس کو بطور بخشش کے دیا۔ اُس کی بھی کچھ حد نہیں تھی ازاں جملہ گھوڑے کا تمام ساز یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں اور بادشاہ کا حکم تھا۔ کہ جب تم جہاز سے اتر کر خشکی پر چلنا شروع کرو تو سونے کے نعل اپنے گھوڑے کے لگوا لینا۔

شیخ صاحب کھمبایت کی طرف چلے کہ وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن تشریف لے جائیں۔ راستے میں قاضی جلال الدین نے بغاوت کی اور ابن الکولمی اور شیخ رکن الدین دونوں کو لوٹ لیا۔ شیخ صاحب اپنی جان لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ اُن کو دیکھ کر ہنسا مذاقاً یہ کہا کہ "آمدی کہ زر بری و با صنم دل باخوری زر نبردی و سر نہی" پھر کہا خاطر جمع رکھو میں دشمنوں پر چڑھائی کرتا ہوں اور جو کچھ انھوں نے تم سے لیا ہے اُس سے دو چند سہ چند تم کو دوں گا۔ جب میں ہندوستان سے چل پڑا تھا تو میں نے سنا تھا کہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور پہلے سے زیادہ دیا۔

ایک واعظ شیریں بیاں کو گراں بہا تحائف دے ڈالے

واعظ ترمذی ناصر الدین بادشاہ کی خدمت میں اپنے وطن سے آیا اور عرصہ تک

---

[1] اس اجازت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ سلاطین ہند طبعاً زیادہ مذہبی تھے۔ وہ خلیفہ کو دنیائے اسلام کا فرماں روائے حقیقی سمجھتے تھے۔ اور اس کی اجازت کے بغیر بادشاہت کرنا خیال کرتے تھے۔ چنانچہ محمود غزنوی، اور دوسرے ملوک و سلاطین نے خلیفہ سے سند بادشاہت بڑی عقیدت کیا تو حاصل کی۔ تغلق کو شروع میں تو اس کا خیال نہ آیا، مگر جب آیا تو اپنی عقیدت مندی میں سب سے آگے ہو گیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کے حق میں تخت حکومت تک سے دستبردار ہونے کو تیار ہو گیا۔

تک دارالخلافہ میں رہا، جب واپس جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اجازت دی لیکن
اُس کا وعظ سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا، رخصت کرنے سے پہلے وعظ سننے کا ارادہ
حکم دیا کہ سفید صندل مقاسُری کا ایک منبر تیار کیا جائے اُس کی میخیں اور پتیاں
کی بنوائیں اور اُس کے اوپر ایک بڑا یاقوت لگوایا اور ناصرالدین کو ایک خلعت
سیاہ رنگ زریں و مرصع اور ایک عمامہ پہننے کے لیے دیا اور وہ سراچہ میں باد
تخت کے اوپر بیٹھا اُس کے دائیں بائیں خواص اور قاضی اور مولوی اپنی اپنی جگہ
گئے۔

واعظ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا پھر وعظ کہا۔ جو یوں ہی سا تھا۔ لیکن
بیان خوب تھا۔

جب واعظ منبر سے نیچے اُترآیا بادشاہ اُس کی طرف بڑھا اسے گلے سے لگایا اور
پر سوار کرایا سب کو حکم دیا جن میں میں بھی شامل تھا کہ اُس کے آگے آگے پیدل
اُس کو ایک سراچہ یعنی خیمہ میں لے گئے جو اُسی کے واسطے کھڑا کیا گیا تھا۔ اور بادشاہ
خیمہ کے مقابل تھا۔ یہ خیمہ رنگا رنگ کے ریشمی کپڑوں کا بنا ہوا تھا۔ اُس کی رسیاں
قنات بھی ریشم کی تھیں۔ خیمہ کے ایک طرف سونے کے برتن تھے جو سلطان نے اُ
دئے تھے۔ اُن میں سے ایک تنور تھا اتنا بڑا کہ ایک آدمی بڑی آسانی سے اُس میں
سکتا تھا۔ اور دو دیگیں تھیں۔ رکابیوں کی گنتی مجھے یاد نہیں رہی اور کتنی آب خور
ایک لوٹا اور ایک تمی سندہ اور ایک خوان چار پاؤں والا اور ایک کتابوں کا
یہ سب سونے کی چیزیں تھیں عمادالدین سمنانی نے خیمہ کی دو میخیں اٹھا کر دیکھیں
سے ایک پیتل کی تھی دوسری قلعی کی ہوئی تانبے کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سونے
چاندی کی ہیں، لیکن اصل میں سونے اور چاندی کی نہیں تھیں جس وقت یہ واعظ پہلے
آیا تو اسے ایک لاکھ دینار دیے، اور دو سو غلام، جن میں سے کچھ تو اُس نے

دے اور کچھ رکھے۔

خلفائے عباسیہ سے عقیدت مندی کا والہانہ انداز

عبدالعزیز فقیہ اور محدث تھا۔ دمشق میں اُس نے تقی الدین ابن تیمیہ اور برہان الدین ابرکو وجمال الدین مزّی وشمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی پھر جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آیا تو اُس نے اُس کی بہت خاطر تواضع کی۔ ایک روز اتفاق سے اُس نے حضرت عباس اور اُن کی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا۔ بادشاہ بنی عباس سے محبت رکھتا تھا۔ وہ حدیثیں بہت پسند آئیں۔ بادشاہ نے عبدالعزیز اردبیلی کی قدم بوسی کی اور حکم دیا کہ سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفی لاؤ اور وہ تھالی بھری بھرائی بادشاہ نے فقیہ کو دیدی۔

فی شعر ایک ہزار اشرفی کا بے مثال عطیہ

فقیہ شمس الدین اندگانی ایک حکیم اور شاعر تھا اُس نے ایک فارسی قصیدہ بادشاہ کی مدح میں پڑھا۔ جس کے ستائیس۲۷ شعر تھے۔ بادشاہ نے اُس کو ہر بیت پہ ہزار دینار دئے زیادہ سے زیادہ جو ہم نے ایسے عطیوں کی بابت سنا تھا، وہ یہ تھا کہ کسی نے ہر شعر پر ہزار درہم دے ہوں لیکن وہ عطا اس بادشاہ کی عطا کا دسواں حصہ تھا۔

ایک فاضل شخص کو بے طلب دس ہزار روپے بخش دے

شونکاری عضدالدین اپنے وطن میں ایک مشہور فاضل تھا۔ جس کے علم وفضل کی شہرت تھی۔ بادشاہ نے بھی اُس کی تعریف سُنی۔ اُس کے پاس دس ہزار روپیہ گھر بیٹھے بھیج دیے نہ اُس نے کبھی بادشاہ کو دیکھا نہ اُس کے پاس قاصد بھیجا۔

قاضی مجدالدین کو گھر بیٹھے دس ہزار روپیہ بھیج دیا۔

جب بادشاہ نے قاضی مجدالدین ولی شیرازی کی تعریف سنی، تو اُن کے پاس شیراز میں ایک شیخ زادہ

دمشقی کے پاس بھیج دیا۔

ایک پردیسی واعظ کو چالیس[۴] ہزار کا عطیہ

برہان الدین ساغرجی ایک واعظ تھا اور سخی ایسا تھا کہ جو کچھ اُس کے پاس ہوتا بھوکوں کو دے دیتا تھا بعض اوقات قرض لے کر سخاوت کرتا تھا۔ بادشاہ کو اُس کی خبر پہنچی اس کے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے اور اُس سے ہندوستان آنے کی درخواست کی۔ برہان الدین نے وہ دینار لے لیے۔ اپنا قرض اتار دیا اور آنے سے انکار کیا یہ کہہ کر بادشاہ ہند عالموں کو اپنے روبرو کھڑا رکھتا ہے میں ایسے شخص کی ملازمت کرنا نہیں چاہتا۔ اور ملک خطا کی طرف چلا گیا۔

ایران کے ایک شاہزادے کے ساتھ حسن سلوک

حاجی گاون سلطان ابو سعید شاہ ایران کا چچازاد بھائی تھا۔ اور اُس کا بھائی موسیٰ عراق پر کسی جگہ کا حاکم تھا۔ اُس نے حاجی گاون کو ایلچی کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجا بادشاہ نے اُس کی بہت تعظیم کی اور بہت تعظیم کی اور بہت کچھ دیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ وزیر خواجہ جہاں نے ہدیہ بھیجا۔ جس میں تین تھالیاں تھیں۔ ایک میں یاقوت تھے اور دوسری میں زمرد اور تیسری میں موتی۔ حاجی گاون بھی حاضر تھا۔ اُس میں سے بادشاہ نے حاجی گاون کو بہت سامان دیا اور رخصت کے وقت بھی بہت دولت دی۔ جب حاجی گاون عراق گیا تو اُس کا بھائی فوت ہوگیا۔ اور اُس کی بجائے سلیمان حاکم بن بیٹھا تھا۔ حاجی گاون نے اپنے بھائی کا ورثہ طلب کیا۔ اور ملک کا بھی دعویٰ کیا۔ لشکر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ فارس کی طرف چلا گیا۔

جب شونکارہ کے شہر میں پہنچا تو اُس کے مشائخ نے ملازمت میں کچھ دیر کی جب وہ حاضر ہوئے تو اُن سے دریافت کیا کہ تم جلدی کیوں نہیں آئے انھوں نے کچھ عذر کیا وہ عذر قبول نہ کیا اپنے سپاہیوں کو حکم دیا " قلچ چکاہ یعنی تلوار کھینچو انھوں نے تلوار نکال کر اُن کے سر اڑا دیے یہ کافی لوگ تھے۔ قرب وجوار کے امیروں کو یہ بات ناگوار گزری انھوں نے شمس الدین سمنانی کو

امیر اور فقیہ تھا خط لکھا اور اُس سے اعانت طلب کی وہ اپنا لشکر لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور عوام الناس بھی شائخ شونکارہ کے انتقام لینے کے لیے جمع ہوئے اور رات کے وقت حاجی گاون کے لشکر پر شبخون مارا اور اسے پراگندہ کر دیا۔ حاجی گاون محل میں شہر کے اندر تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا وہ غسل خانہ میں جا چھپا لیکن اُس کو پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا اور باقی اعضا تمام ملک میں تقسیم کر دیے۔

ابن خلیفۃ المسلمین دہلی میں

بادشاہ کی طرف سے خاطر مدارات اور عقیدت کے والہانہ واقعات

امیر غیاث الدین محمد عباسی بن عبدالقادر بن یوسف بن عبدالعزیز بن خلیفۃ المستنصر باللہ عباسی بغدادی سلطان علاء الدین طرمشیریں بادشاہ ماوراء النہر کے پاس آیا۔ سلطان نے اُس کو حضرت قثم بن عباس کی خانقاہ کا متولی کر دیا۔ جہاں وہ کئی سال تک رہا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ ہندوستان کو بنی عباس کے ساتھ محبت ہے۔ اس لیے اُس نے اپنی طرف سے محمد ہمدانی صوفی اور محمد بن ابی شرفی حربادی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ دونوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دیے اور امیر غیاث الدین کے واسطے تیس۳۰ ہزار دینار بطور زادِ راہ کے روانہ کیے اور اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا اور ہندوستان کی طرف آنے کی درخواست کی۔

خط کے ملتے ہی غیاث الدین چل پڑا۔ اور جب ملک سندھ میں پہنچا تو پرچہ نویسوں نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے دستور کے موافق استقبال کے لیے آدمی بھیجے۔ جب وہ سرسہ میں پہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ استقبال میں کچھ فقیہ اپنے ساتھ لے کر اُس کی سواری کے ساتھ شامل ہو۔ پھر امیروں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ جب وہ مسعود آباد پہنچا تو بادشاہ مع امیروں کے خود اُس کے استقبال کے لیے باہر آیا۔

جب ملاقات ہوئی غیاث الدین پیادہ ہوگیا۔ بادشاہ بھی سواری سے نیچے اتر آیا۔ اور غیاث الدین نے حسب دستور زمین بوس کی تو بادشاہ نے بھی اسی طرح زمین بوس کی۔ امیر غیاث الدین کچھ نذرا اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس میں کپڑوں کے تھان بھی تھے۔ بادشاہ نے ایک تھان اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔ اور جس طرح اور لوگ بادشاہ کی زمین بوس کرتے ہیں۔ اسی طرح سلام کیا پھر گھوڑے آئے بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دے کر کہا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اور خود رکاب پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بادشاہ سوار ہو گیا اور باقی ہمراہی بھی سوار ہو گئے اور شاہی چھتر اُن دونوں پر سایہ کے لیے کھڑا کیا گیا۔

پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا۔ یہ سب سے بڑھ کر تواضع تھی۔ کیونکہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کسی کو پان نہیں دیتا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر میں خلیفہ ابوالعباس سے بیعت نہ کر چکتا تو آپ سے بیعت کرتا۔ غیاث الدین نے جواب دیا کہ میں خود ابوالعباس سے بیعت ہوں۔ امیر غیاث الدین نے تواضعاً فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جس نے بنجر زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا۔ وہ اُسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ گویا بادشاہ کے احسانات نے ہمیں از سرِ نو زندہ کیا ہے بادشاہ نے نہایت عجز سے اُس کا مناسب جواب دیا۔ جب اُس سراچہ یعنی خیمہ میں پہنچے جو بادشاہ کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ تو بادشاہ نے ابن خلیفہ کو اُس میں ٹھہرایا۔ اور اپنے واسطے علیحدہ خیمہ لگوایا۔ اُس رات کو دارالخلافہ سے باہر رہے۔

دوسرے دن شہر میں داخل ہوئے اور سیری کا محل جو سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا۔ اُس کی سکونت کے لیے مقرر کیا اور بادشاہ مع امیروں کے خود محل میں گیا اور اُس کا تمام سامان مہیا کیا۔ اور اُس کے سامان میں علاوہ چاندی اور سونے کے برتنوں کے ایک طلائی حمام غسل کے واسطے تھا۔ پھر چار لاکھ دینار اُسی وقت بطور سرشوئی کے بھیجے گئے۔ اور لونڈی اور غلام اور لڑکے خدمت کے لیے بھیجے اور روزانہ خرچ کے لیے تین سو دینار مقرر کیا۔ ہر وقت دسترخوان خاص سے اُس کے لیے کھانا علاوہ آتا تھا۔ سیری کا تمام شہر گھروں اور باغوں اور زمین اور گوداموں سمیت جاگیر میں دیا۔

اُس کے علاوہ سو دیہات اور روپے۔ دہلی کے شرقی مقامات کی حکومت عطا کی اور تیس خچر زریں زینوں کے اُس کے پاس بھیجے اور اُن کا چارہ دانہ سرکاری گودام سے جاتا تھا۔ اُس کے واسطے حکم تھا کہ جب بادشاہی محل میں آوے گھوڑے سے ہرگز نہ اترے اور جہاں تک بادشاہ سوار ہو کر آتے ہیں چلا جا حالانکہ اور کسی کو محل میں سوار آنے کی اجازت نہ تھی، سب لوگوں کو حکم تھا۔ کہ جس طرح بادشاہ کو زمین بوس کرتے ہیں۔ اسی طرح اُس کی بھی تعظیم کیا کریں۔

جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آتا تھا تو بادشاہ تخت سے نیچے اتر آتا تھا۔ اور اگر چوکی پر ہوتا تو کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے۔ بادشاہ اُس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تھا تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پھر بادشاہ اُس کو سلام کرتا تھا۔ اور جب بادشاہ کو جب مجلس سے باہر جاتا تھا، تو باہر اُس کے لیے ایک مسند بچھا دی جاتی تھی۔ اُس پر جتنی دیر چاہتا تھا بیٹھتا تھا۔ ہر روز دو دفعہ یہ ہوتا تھا۔

امیر غیاث الدین دہلی میں قیام پذیر تھا۔ کہ بنگالہ کا وزیر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے امرا اُس کا استقبال کریں اور پھر آپ بھی اُس کے استقبال کو نکلا۔ اور اُس کی بڑی تعظیم کی، اور جیسے بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے کے وقت رونق ہوتی ہے ویسی ہی اس وقت ہوئی امیر غیاث الدین بھی یعنی ابن الخلیفہ بھی اُس کی ملاقات کو باہر آیا اور قاضی اور فقیہ اور مشائخ بھی، جب بادشاہ واپس ہو گئے تو وزیر سے کہا کہ آپ مخدوم زادہ کے گھر جاویں۔ وزیر وہاں گیا اور دو ہزار اشرفی اور کپڑوں کے تھان پیش کیے اور اُس کے ساتھ امیر قبولہ اور میں بھی گیا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ کے پاس بہرام حاکم غزنی آیا۔ اُس کے ساتھ ابن الخلیفہ کی پرانی عداوت تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہ غزنی کو ایک مکان میں جو میری میں ہے ٹھیرا دیں۔ یہ بھی حکم دیا کہ میری بادشاہ غزنی کے لیے ایک نیا گھر بنایا جاوے۔ ابن الخلیفہ کو خبر ہوئی وہ غصہ ہو گیا۔ اور بادشاہ کے محل میں گیا۔ اور اپنی مسند پر حسب دستور جا کر بیٹھ گیا۔ اور وزیر کو بھیجا کہ اخوند عالم سے کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے مجھے دیا ہے وہ میرے مکان میں موجود ہے میں نے اُس میں سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ کچھ نہ کچھ زیادہ کیا ہوگا اور میں اب یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا یہ کہہ کر ابن خلیفہ محل سے چل دیا۔ وزیر نے اُس کے دوستوں سے سبب دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس سبب سے ناراض ہے کہ بادشاہ نے حاکم غزنی کے

یے سیری میں محل بنانے کا حکم دیا ہے۔

وزیر نے بادشاہ کو خبر کی۔ وہ اُسی وقت سوار ہوکر اور دس آدمی اپنے ہمراہ لے کر ابن الخلیفہ کے مکان پر آیا اور گھوڑے سے محل کے باہر اتر کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابن الخلیفہ ے بادشاہ نے عذر کیا اور ابن الخلیفہ نے اُس کا عذر منظور کر لیا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا کہ آپ خوش ہو گئے ہیں۔ جب تک آپ میری گردن پر پاؤں نہ رکھیں۔ ابن الخلیفہ نے کہا یہ میں ہرگز نہ کروں گا خواہ بادشاہ مجھے قتل کر ڈالے۔ بادشاہ نے اپنے سر کی قسم دلائی کہ یہ کرنا ہوگا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ ملک تبولہ نے ابن الخلیفہ کا پاؤں اپنے ہاتھ سے اٹھا کر بادشاہ کی گردن پر رکھ دیا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور کہا اب مجھے تشفی ہو گئی کہ آپ راضی ہو گئے۔ ایسی عجیب وغریب حکایت میں نے آج تک کسی بادشاہ کے متعلق نہیں سنی۔

عید کے دن میں بھی مخدوم زادہ کے سلام کو گیا۔ ملک کبیر بادشاہ کی طرف سے تین خلعت لایا۔ جنوں میں تکموں کی جگہ جو ریشم کے ہوتے ہیں بیر برابر موتیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ملک کبیر دروازہ پر کھڑا رہا جب ابن الخلیفہ محل سے نیچے اُترا تو اُس کو خلعت پہنایا۔ بادشاہ نے لاتعداد مال اور دولت دی تھی تاہم یہ شخص بڑا بخیل تھا۔ جس قدر بادشاہ میں سخاوت تھی۔ اُسی قدر یہ شخص بخیل تھا۔ میرے ساتھ ابن الخلیفہ کی نہایت گہری دوستی ہوگئی تھی میں اُس کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا۔ جب میں سفر کو چلا تو اپنے بیٹے احمد کو بھی اُس کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اُس کا کیا حال ہوا۔

میں نے ایک روز کہا کہ آپ تنہا کیوں کھاتے ہیں اور دسترخوان پر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کیوں نہیں کھلاتے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں دیکھ نہیں سکتا کہ اس قدر آدمی میرا کھانا کھاویں۔ اور اس لیے میں تنہا کھاتا ہوں۔ فقط اپنے کھانے میں سے محمد بن ابی الشرفی اپنے دوست کو کچھ دیا کرتا تھا۔ اور باقی کل آپ کھاتا تھا جب میں اُس کے گھر جاتا تھا۔ تو دیکھتا تھا کہ دہلیز میں اندھیرا ہوتا تھا۔ چراغ نہیں

ہوتا تھا اور میں نے کئی دفعہ اُس کو اپنے باغ میں تنکے جمع کرتے دیکھا۔ اُس نے ان تنکوں سے گود
بھر لیے تھے۔ میں نے کہا مخدوم زادہ صاحب یہ کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا کہ لکڑیوں کی ضرورت
پڑ جاتی ہے۔

اپنے غلاموں اور نوکروں اور دوستوں سے باغ میں کام لیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں چاہتا
کہ یہ لوگ میرا کھانا مفت کھائیں۔ ایک دفعہ مجھ پر قرض ہوگیا۔ میں نے اُس سے قرض مانگا
ایک دن مجھ سے کہا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ تیرا قرضہ ادا کروں لیکن ہمت نہیں پڑتی
ایک دفعہ مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ ہم چار آدمی بغداد سے باہر گئے۔ پیدل تھے۔ ہمارے
پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ایک چشمہ سے ہم گذرے تو وہاں ایک درہم پڑا ہوا پایا
ہم نے سوچا کہ ایک درہم کا کیا کریں۔ آخر ہم سب نے اتفاق کیا کہ اُس کی روٹی خرید لیں۔
ایک آدمی روٹی خریدنے گیا۔ تو نان بائی نے کہا کہ میں روٹی اور بھوسہ دونوں ساتھ
بیچتا ہوں اور علیحدہ علیحدہ نہیں دیتا۔ آخر ایک قیراط کی روٹی لی اور ایک قیراط کا بھوسہ۔
بھوسہ کی ہمیں ضرورت نہیں تھی اس لیے وہ پھینک دیا اور ایک لقمہ ہم نے روٹی کھالی
کہتا تھا اب خدا نے مجھے اس قدر دولت مند کر دیا ہے۔ میں نے کہا خدا کا شکر
اور فقرا اور مساکین کو صدقہ دیا کر۔ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کام نہیں
ہو سکتا۔

میں نے کبھی اُسے خیرات دیتے یا کسی کے ساتھ سلوک کرتے نہیں دیکھا۔
خدا ایسے بخل سے پناہ میں رکھے۔ ہندوستان سے جانے کے بعد میں بغداد میں
گیا۔ اور مدرسہ مستنصریہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جو اُس کے دادا خلیفہ المستنصر نے
نے بنایا تھا۔ میں نے ایک جوان سقیم الحال کو دیکھا کہ وہ ایک اور شخص کے پیچھے مدرسہ
سے نکلتا تھا۔ جلدی جلدی جا رہا تھا۔ ایک طالب علم نے مجھ سے کہا کہ یہ جوان
امیر غیاث الدین کا بیٹا ہے جو ہندوستان میں ہے۔ میں نے اُس کو آواز دی اور کہا
میں ہندوستان سے آیا ہوں تیرے باپ کا حال بتا سکتا ہوں۔ اُس نے کہا میرے باپ
حال ... اُس کی خیر و عافیت آچکی ہے۔ اور وہ اُس شخص کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ میں

دریافت کیا کہ یہ شخص جس کے پیچھے یہ عباسی دوڑتا ہے۔ کون ہے اُس نے کہا یہ جیل خانہ
کا ناظر ہے۔ اور یہ جوان کسی مسجد کا امام ہے اس مسجد سے اُس کو ایک درہم یومیہ ملتا
ہے۔ اور اس شخص سے وہ اپنی اُجرت مانگتا ہے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں
نے سوچا کہ اگر ابن الخلیفہ اپنی خلعت کا ایک تکمہ اس کو بھیج دے تو اُس کو عمر بھر کے
لیے غنی کر دے۔

ایک غریب الوطن امیر

جس پر تغلق نے نوازشوں کی بھرمار کر دی

شہزادی فیروزہ کی سیف الدین سے شادی کا شاندار جشن طرب

سیف الدین غدا ابن ہبتہ اللہ ابن مہنے[1] امیر عرب (شام) بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اُس کا حد درجہ اکرام کیا۔ اور سلطان جلال الدین کے محل میں جو کوشک لعل[2] کے نام سے مشہور ہے اسے فروکش کیا۔ یہ محل بہت بڑا ہے اُس میں ایک بہت بڑا صحن ہے اُس کی دہلیز بہت بڑی ہے اس دہلیز پر ایک بُرج ہے جس سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں چوگان بازی دیکھا کرتا تھا۔

جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھیرایا گیا۔ تو میں نے یہ محل دیکھا۔ اسباب سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہو گئی تھیں، ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مر جا

---

[1] یہ شخص عرب کے ایک نجیب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے خلافت عباسیہ کو کرانے میں بڑی جدو جہد کی تھی۔

[2] سلطان جلال الدین خلجی نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ آثار الصنادید (سرسید) میں تفصیل موجود ہے۔

ہے تو اُس کا محل چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیٰحدہ محل تیار کرواتا ہے اور اُس محل کی کوئی چیز جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ عبرت کا مقام تھا۔ میرے آنسو نکل آئے۔ فقیہ جلال الدین مغربی غرناطی نے جو بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ اُس وقت میرے ساتھ تھے انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

وسلاطینہم سل الطین عنہم ۔ ۔ ۔ فالرؤس العظام صارت عظاما

یعنی :-

خاک رہ گئی مٹی سے ان بادشاہوں کا حال پوچھو ۔ ۔ ۔ جن کے بڑے سروں کی کاسۂ رہ گئے ہیں۔

اس محل میں امیر سیف الدین کی شادی کا کھانا ہوا تھا۔ بادشاہ اہلِ عرب کا شیدائی تھا۔ اس امیر کے ساتھ بہی سلوک ہوا اور بارہا اُس کو بڑے بڑے عطیے بخشے ایک دفعہ ملک اعظم بایزیدی حاکم مانکپور کی نذر پیش ہوئی اُس میں گیارہ گھوڑے اصیل اور نجیب تھے بادشاہ نے امیر سیف الدین کو دے دیے اور پھر ایک دفعہ دس گھوڑے جن کے زین زریں اور لگام طلائی تھے۔ امیر کو دے دیے اور بعدازاں اپنی بہن فیروزہ اخوندزادہ سے اُس کی شادی کر دی۔

جب بادشاہ نے حکم دیا کہ اُس کی بہن کی شادی امیر سیف الدین سے کی جاوے تو ولیمہ کی تیاری اور اخراجات کا کام ملک فتح اللہ شونویس کے سپرد کیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ تم امیر سیف الدین کے ساتھ رہو۔ ملک فتح اللہ بڑے بڑے سائبان لایا اور اُس نے دونوں صحنوں پر سائبان لگائے اور ایک صحن میں ایک بڑا خیمہ لگایا اور اُس میں طرح طرح کے عمدہ فرش بچھائے اور شمس الدین تبریزی مطربوں اور طوائفوں کو لے کر آیا۔ یہ سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں اور باورچی اور نان بائی اور حلوائی اور سقے۔ تنبولی حاضر ہو گئے جانور اور پرندے ذبح کیے گئے اور پندرہ دن تک سب لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اور بڑے بڑے امیر اور پردیسی دو وقت کھانے میں شامل ہوتے تھے۔

نکاح کی رات سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل سے بیگمیں آئیں اور انھوں نے مکان آراستہ کیا اور اچھے اچھے فرش بچھائے اور امیر سیف الدین کو بلایا۔ یہ پردیسی تھا۔ اور اُس کا کوئی عزیز وہاں نہیں تھا۔ ان عورتوں نے اُس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُس کو ایک مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ

کے حکم سے اس کی سوتیلی ماں جو مبارک خاں کی ماں تھی امیر سیف الدین کی ماں بنی اور ایک بیگم بہن بنی اور تیسری بیگم پھوپھی بنی اور چوتھی خالہ تاکہ وہ سمجھے کہ اس کا تمام خاندان یہاں موجود ہے۔ انھوں نے اسے چوکی پہ بٹھایا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی اور باقی عورتیں ناچتی گاتی رہیں۔ بیگمیں یہ سب سامان تیار کر کے دولہا دولہن کے سونے کے گھر میں چلی گئیں۔ اور وہ اپنے دوستوں سمیت باہر کے مکان میں رہا۔

بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ چند امیر اُس کی جماعت میں داخل ہوں اور چند دولہن کی جماعت ہمارے یہاں کا دستور ہے جس مکان سے دولہا دولہن کو اپنے ساتھ لاتا ہے اُس مکان کے دروازے پر دولہن کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور جب دولہا کی جماعت آتی ہے تو اُن کو داخل ہونے سے روکتے ہیں اگر وہ غالب ہو جاتے ہیں تو چلے جاتے ہیں اور اگر مغلوب ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو ہزاروں روپیہ انعام دینے پڑتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت لائے جو زردوزی کے تھے۔ اور اس قدر جواہرات اُن پر جڑے تھے کہ کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا اور اور ایسی ہی ایک کلاہ تھی۔ میں نے ایسی پوشاک کبھی نہیں دیکھی تھی اور جو پوشاکیں بادشاہ نے اپنے دوسرے دامادوں کو دیں جیسے عماد الدین سمنانی کو اور ملک العلماء کے بیٹے کو اور شیخ الاسلام کے بیٹے کو اور صدر جہاں بخاری کے بیٹے کو کوئی اُس کے برابر نہ تھی۔

پھر امیر سیف الدین اپنے ساتھیوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ پھر ایک چیز جو تاج کے مشابہ تھی اور چنبیلی اور نسرین اور رائے بیل کے پھولوں کی بنی ہوئی تھی۔ اور جس کی جھالر منہ اور سینہ پر لٹکتی تھی لائے اور امیر سے کہا کہ اس کو سر پر رکھو۔ امیر نے انکار کیونکہ وہ عرب کا صحرائی تھا میں نے کہا کہ میرا کہنا مان اور اُس کو قسم دلائی تو اس نے سر پر رکھ لیا۔ پھر سب لوگ حرم کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں دولہن کی جماعت کھڑی تھی امیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پہ حملہ کیا اور پچھاڑ پچھاڑ کر سب کو بھگا دیا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور صحن میں داخل ہوا تو وہاں ایک منبر پر جو دیبا سے منڈھا تھا اور

۱؎ سہرا۔

اُس پر جواہرات جڑے تھے دلہن کو لاکر بٹھا دیا۔ گانے والیاں بیٹھی تھیں اُس کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں امیر کا گھوڑا دلہن سے منبر تک آیا۔ وہاں آکر امیر گھوڑے سے اترا اور منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر زمین بوس کیا اس وقت دلہن کھڑی ہو گئی پھر دلہن نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا اور پھر امیر دولہن سے ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گیا۔ اور اُس کے ساتھیوں پر درہم اور دینار نثار کیے گئے۔ عورتیں تکبیر بھی کہتی جاتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں، باہر نوبت اور نقارے بج رہے تھے۔

پھر امیر کھڑا ہوا اور دولہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اترا۔ امیر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور دولہن ڈولے پر بیٹھ لی۔ اور دونوں پر درہم اور دینار نثار کیے گئے۔ ڈولے کو غلاموں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ اور بیگمیں گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور باقی عورتیں پیدل تھیں۔ وہ اُن کے آگے آگے جاتی تھیں جب سواری کسی امیر کے گھر کے سامنے سے گذرتی تھی تو باہر نکل کر درہم اور دینار اُن پر بکھیرتا تھا۔ دوسرے دن دولہن نے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینار اور درہم بھیجے اور بادشاہ نے بھی اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا مع سازو سامان کے اور ایک ایک تھیلی جن میں دو سو سے لے کر ہزار تک دینار تھے بھیجے، اور ملک فتح اللہ نے بیگموں کو قسم قسم کے ریشمی کپڑے اور تھیلیاں دیں،

ہندوستان کا دستور ہے کہ اہل عرب سوا دولہا کے اور کوئی کچھ نہیں دیتا۔ اُسی روز لوگوں کی پھر ضیافت کی گئی اور شادی ختم ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ امیر غدا کو مالوہ اور گجرات اور کھمبایت اور نہروالہ جاگیر میں دیے جاویں اور ملک فتح اللہ کو اُس کا نائب مقرر کیا اور امیر کی رتبہ افزائی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی لیکن وہ صحرائی آدمی تھا اُس نے اپنی قدر نہ پہچانی اور صحرائی جہالت نے اُس کو تھوڑے روز میں ادبار کو پہنچا دیا۔

شادی سے ۲۰ دن بعد وہ بادشاہی محل میں گیا۔ اور اندر جانا چاہا۔ امیر حاجب پردہ دار نے منع کیا اُس نے کچھ پروا نہ کی اور زبردستی گھسنا چاہا۔ دربان نے اُس کی زلفیں پکڑ لیں اور الٹا دھکیل دیا امیر نے اُس کے لاٹھی ماری جو اُس کے ہاتھ میں تھی۔ دربان کے خون نکل آیا۔ یہ شخص امیر کبیر تھا۔ اُس کا باپ غزنی کا قاضی تھا۔ اور سلطان محمود بن سبکتگین کی اولاد میں سے تھا۔ اور بادشاہ اُس کو باپ کہہ کر پکارا کرتا تھا اس کے بیٹے کو یعنی اس مضروب کو بھائی کہا کرتا تھا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا۔

اُس کے کپڑے خون سے آلودہ تھے۔ اُس نے کہا کہ امیر غدا نے مجھے مارا۔ بادشاہ تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر کہا قاضی کے پاس جا کر نالش کرو۔ یہ جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کسی کو معاف نہیں کرتا اور اُس کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے، لیکن پردیسی ہونے کے سبب سے اُس کی رعایت کی گئی اور ملک تاتار سے کہا کہ ان دونوں کو قاضی کے پاس لے جاوے، قاضی کمال الدین دیوان خانہ میں تھا اور یہ ملک تاتار حاجی تھا اور عربی اچھی بولتا تھا۔ اس نے امیر سے کہا کہ تو نے اُس شخص کو مارا ہے اگر نہیں مارا تو کہہ دے نہیں مارا اس تقریر میں اشارہ تھا کہ وہ انکار کر جائے لیکن امیر غدا ایک جاہل آدمی تھا اور اُس کو کچھ فخر بھی ہو گیا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ میں نے مارا ہے اتنے میں مضروب کا باپ بھی آ گیا وہ چاہتا تھا کہ صلح کرا دے۔ لیکن سیف الدین نے منظور نہ کیا قاضی نے حکم دیا کہ وہ رات بھر قید رہے۔ اُس کی بیوی نے بادشاہ کے خوف سے نہ اُس کے پاس بستر بھیجا نہ کھانے کی خبر لی۔ اُس کے دوستوں کو بھی خوف ہوا اور انھوں نے اپنی اپنی دولت لوگوں کے پاس امانت رکھ دی۔

میں نے ارادہ کیا کہ میں قید خانہ میں جا ملوں۔ ایک امیر مجھے ملا اور میرا مطلب سمجھ کر کہا کہ تو بھول گیا کہ تو نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام کے ملنے کا ارادہ کیا تھا اور بادشاہ نے تیرے قتل کا حکم دیا تھا۔ (اُس کا ذکر میں آگے کروں گا) یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور دوسرے دن ظہر کے وقت امیر غدا رہا ہو گیا بادشاہ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا جاگیر کا جو حکم دیا تھا وہ منسوخ کر دیا اور اُس کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا۔

بادشاہ کا ایک بہنوئی تھا جس کا نام مغیث الدین ابن ملک الملوک تھا۔ اور بادشاہ کی بہن اُس کی شکایت کرتی کرتی مر گئی تھی اُس وقت لونڈیوں نے یاد کرایا کہ وہ بھی اُس کے ظلم کے سبب مری ہے اور اس کے نسب میں بھی کلام تھا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے حکم لکھا کہ حرامی اور موش خوار دونوں جلا وطن کیے جائیں۔ موش خوار سے مراد امیر سیف الدین تھا اور حرامی سے امیر مغیث الدین کیونکہ عرب کے بدو یربوع کھاتے ہیں اور وہ جنگلی چوہے کے برابر ہوتا ہے۔ چوبدار آئے کہ اسے جلا وطن کریں اُس نے ارادہ کیا کہ گھر جاوے اور اپنی بیوی سے رخصت ہو آوے لیکن چوبدار پے در پے اُس کے بلانے کے لیے آئے وہ روتا ہوا چلا۔ میں نے اُس وقت محل کی طرف گیا اور رات کو وہیں رہا۔ ایک امیر نے پوچھا کہ تم رات کو یہاں کیوں ٹھہرتے ہو میں نے کہا کہ میں امیر سیف الدین کے معاملہ میں

سے کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کو واپس بلا لے اور ملک بدر نہ کرے اُس نے کہا کہ یہ ممکن ہی نہیں میں نے کہا اگر سورات مجھے یہاں بھیڑنا پڑے گا تو نہ جاؤں گا۔ جب تک میرا مطلب پورا نہ ہو جائے گا۔ بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ اُس۔ نے حکم دیا کہ امر سیت کو واپس بلا لو اور پھر حکم دیا کہ وہ ملک قبولہ لاہوری کی خدمت میں رہا کرے چنانچہ چار برس تک وہ اُس کے پاس رہا حضر میں اور سفر میں اور سب آداب اور طریقے سیکھ گیا پھر بادشاہ نے اُس کو اُس کے مرتبے پر بحال کر دیا اور اُس کو جاگیر دی اور لشکر کا سردار بنایا۔

خواجہ جہاں کی لڑکیوں کی شادی

بادشاہ نے خود نائب بن کر سارے کام کیے

خداوند اور قوام الدین قاضی ترمذ جن کے ساتھ ہیں ملتان سے دہلی آیا تھا۔ جب دہلی پہنچے تو بادشاہ نے اُن کی بہت خاطر و مدارت کی اور بڑا عمدہ سلوک مرعی رکھا، پھر اُس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں کا نکاح کر دیا۔

وزیر اُس وقت دارالخلافہ میں نہ تھا۔ بادشاہ نے لڑکیوں کے باپ کا نائب ہو کر وزیر کے محل میں آکر اُس کی بیٹیوں کا نکاح کر دیا۔ جب تک قاضی القضاۃ نے نکاح پڑھایا بادشاہ کھڑا رہا اور امیر اور حاضرین بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے اور تھیلیاں اٹھا کر قاضی کو اور خداوند کے بیٹوں کو دیں۔ یہ دیکھ کر اور امیر بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کی حضور یہ کام نہ کریں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ اور پھر اپنی جگہ ایک امیر کو کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

دین دار بادشاہ

ایک ہندو کا بادشاہ پر دعویٰ؛ مظلوم کی دادرسی؛ قحط زدوں کی مدد

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعوے کیا کہ بادشاہ نے اُس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔

بادشاہ بالکل غیر مسلح اور پا پیادہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا، وہاں جاکر سلام اور تعظیم کی، قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا - کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو اور نہ کسی طرح کی حرکت کرے۔ بادشاہ قاضی کے سامنے کھڑا ہوا قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کر لے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا - بادشاہ نے اسے راضی کر لیا[1]

ایک دفعہ ایک مسلمان نے اُس پر مال کا دعوے کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اُس کا مال دیدے، بادشاہ نے دیدیا -

ایک دفعہ ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب مجھے مارا ہے۔ قاضی

---

[1] فدیہ دے کر،

نے حکم دیا کہ یا تو لڑکے کو راضی کر ورنہ قصاص کے لیے تیار ہو جا۔ میں نے دیکھا کہ اُس نے دربار میں آکر لڑکے کو بلایا اور اُس کو چھڑی دے کر کہا کہ اپنا بدلہ لے لے اور اُس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جیسا میں نے تجھ کو مارا تھا تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں چھڑی لے کر اکیس چھڑیاں بادشاہ کے لگائیں یہاں تک کہ ایک دفعہ اُس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔

باجماعت نماز نہ پڑھنے والوں پر بادشاہ کا عتاب

بادشاہ نماز کے بارے میں بہت تاکید کرتا اُس کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اسے سزا دی جائے۔

ایک روز اُس نے نو آدمی اس بات پر قتل کر ڈالے ان میں سے ایک مطرب بھی تھا۔ اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اسے پکڑ لاؤ یہاں تک کہ سائیں لوگ جو دیوان خانہ کے دروازے پر گھوڑے لیے رہتے تھے اُن کو بھی پکڑنا شروع کیا۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض نماز و شرائط اسلام سیکھے۔ لوگوں سے سوال کیے جاتے تھے اور اگر کوئی اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتا تھا تو سزا ملتی تھی۔ تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے۔ اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

احکام شرع کی پابندی کی بھی سخت تاکید کرتا تھا۔ اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دیا تھا کہ دیوان خانہ میں قاضی کے ساتھ بیٹھ کر انصاف کرائے اسے حکم تھا کہ ایک بلند برج میں بیٹھے اور قاضی کے واسطے اُسی برج میں ایک مسند بادشاہ کی مسند کی طرح لگائی جاتی تھی۔ مبارک خاں قاضی کے دائیں ہاتھ بیٹھتا تھا۔ اگر کسی شخص کا دعویٰ کسی بڑے امیر پر ہوتا تھا تو مبارک خاں کے سپاہی اُس امیر کو بلا کر قاضی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اور قاضی پوری پوری دادرسی کرتا تھا۔

۷۴۱ھ میں بادشاہ نے حکم دیا کہ سوا زکوٰۃ اور عشر کے اور سب محصول اور ڈنڈ معاف کر دیے جاویں اور خود ہفتے میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن دادرسی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا۔

اُس روز اُس کے سامنے فقط امیر حاجب و خاص حاجب اور سید الحجاب اور شرف الحجاب چار شخص ہوتے تھے۔ عام اجازت تھی جسے کسی کو شکایت کرنا ہو عرض کرے چار امیروں کو چار دروازوں پر مقرر کیا تھا کہ وہ مستغیثوں کی شکایتیں قلم بند کریں اُن میں سے چوتھا ملک فیروز بادشاہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازے والا شکایت لکھ لیتا تو بہتر ورنہ وہ دوسرے دروازے والے کے پاس آتا اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازہ والے کے پاس اگر وہ بھی انکار کرتا تو صدر جہاں قاضی القضاۃ کے پاس اگر وہ بھی نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس آنے کی اجازت تھی اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا تھا کہ ان میں کسی کے پاس وہ گیا تھا اور انھوں نے اُس کی شکایت نہیں لکھی تو سخت زجر و توبیخ کرتا یہ ساری تحریریں بادشاہ عشا کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔

جب ہندوستان اور سندھ میں قحط پڑا یہاں تک کہ گیہوں چھ دینار فی من ہو گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دہلی کے کل باشندوں کو بلا تمیز چھوٹے بڑے یا غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل مغربی روزانہ فی کس چھ مہینے کا ذخیرہ سرکاری گودام سے دے دو۔ فقیہ اور قاضی محلہ کی فہرست تیار کرتے تھے اور لوگوں کو حاضر کرتے تھے ہر شخص کو چھ مہینے کی خوراک دی جاتی تھی۔ ؎

؎ [illegible]

●

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

●

تصویر کے ۲ دو رُخ

دوسرا رُخ

- شکنجۂ انتقام
- قتلِ بے دریغ
- جلاد کی تلوار
- پھانسی کی کوٹھری
- داستانِ زنداں
- ضبطی جائداد و املاک

خوں ریز اور سفاک بادشاہ

اب تک بادشاہ کی تواضع، انصاف، انق و کرم کے واقعات جو سب غیر معمولی اور فوق العادت تھے میں نے بیان کیے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ خوں ریزی پر نہایت دلیر تھا ایسا کبھی شاذ و نا ہوتا تھا کہ اُس کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا۔ اکثر نعشیں دروازے پر پڑی رہتی تھ

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں محل جا رہا تھا، میرا گھوڑا ایک سفید سی چیز دیکھ کر چمکا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔؟ میرے ہمراہی نے کہا یہ ایک شخص کا سینہ ہے جس کے تین ٹکڑے کیے گئے ہیں۔

یہ بادشاہ چھوٹے بڑے جرم پر برابر سزا دیتا تھا۔ نہ اہل علم کا لحاظ کرتا تھا اور نہ شرفا کا نہ صالحین کا۔ دیوان خانہ میں ہر روز سینکڑوں آدمی ہتکڑی بیڑی میں جکڑے حاضر کیے جاتے بعض قتل کیے جاتے تھے۔ اور بعض کو عذاب دیا جاتا تھا۔ اور بعض مارے جاتے تھے اس کا تھا کہ سوا جمعہ کے ہر روز کل قیدیوں کو دیوان خانہ میں بلاتا تھا جمعہ کے روز وہ غسل اور حجامت کرتے تھے اور آرام کرتے تھے۔ اللہ بلا سے پناہ میں رکھے!

سوتیلی ماں اور بھائی کا قتل

تین سو سپاہی بیک وقت قتل کروا ڈالے

بادشاہ کا ایک بھائی مسعود خاں تھا۔ اُس کی ماں سلطان علاءالدین کی بیٹی تھی۔ یہ شخص ایسا خوب صورت تھا کہ میں نے اُس کا ثانی نہیں دیکھا۔ اُس پر تہمت لگائی گئی کہ بغاوت کرنا چاہتا ہے جب اُس سے دریافت کیا تو تعزیر کے ڈر سے اُس نے اقرار کر لیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسے جرموں میں انکار کرنے والوں کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا ہے جس کی نسبت ایک دفعہ مرنا آسان ہوتا ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ بازار کے چوک میں لے جا کر اُس کی گردن مار دو چنانچہ قتل ہونے کے بعد تین دن تک بے گور و کفن نعش وہیں پڑی رہی اُس کی والدہ دو برس پہلے اسی جگہ سنگسار کی گئی تھی کیونکہ اُس نے زنا کا اقرار کیا تھا اور قاضی کمال الدین نے اُس کو سنگسار کیا تھا۔[1]

ایک دفعہ بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کی سرداری میں ایک کوہستانی علاقہ کے ہندوؤں سے لڑنے کو ایک لشکر بھیجا۔ یوسف مع لشکر کے شہر سے باہر نکلا تین سو چالیس آدمی روپوش ہو گئے اور گھر واپس چلے آئے۔ یوسف نے بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی گلی آدمی پھر جائیں جو کوئی فراریوں میں سے ملے اُس کو پکڑ لاویں چنانچہ تین سو چالیس آدمی پکڑے گئے۔ ان سب کو ایک ہی جگہ مروا ڈالا ۔

---

[1] دہشت کے باعث، لیکن اس واقعہ کی صداقت مشتبہ ہے۔

بوریۂ فقر اور تخت شاہی کی ٹکر

حضرت شیخ شہاب الدین کی تحقیر اور بے دردانہ قتل

شیخ شہاب الدینؒ بن شیخ احمد جام خراسانی کا شمار شہر کے کبار مشائخ اور فضلا میں تھا وہ چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان غیاث الدین تغلق ان کی زیارت کو جاتے تھے۔ اور ان سے دعا کی آرزو رکھتے تھے۔

سلطان محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی نج کی خدمتیں سپرد کر کرتا تھا اور یہ دلیل لاتا تھا کہ خلفائے راشدین سوا اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہیں کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین نے انکار کیا۔ جب بادشاہ نے دربار عام میں بالمشافہ کہا تو بھی انکار کیا۔ بادشاہ غصہ ہوا اور شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ شیخ شہاب الدین کی ڈاڑھی کے بال نوچے۔ ضیاء الدین نے انکار کیا اور کہا میں یہ کام نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کی داڑھی نوچی جائے۔ چنانچہ نوچی گئی۔ ضیاء الدین کو تلنگونہ (تلنگانہ) کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد اُس کو وارنگل (ورنگل) کا قاضی مقرر کیا۔ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا وہ وہاں سات برس تک رہے پھر انھیں واپس بلا لیا۔ اور بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کو ... سے بقایا وصول کرنے کا کام سپرد کیا۔ پھر وہاں سے بُلا بھیجا اور اُن کی نہایت تعظیم تکریم کی اور ان کو ...

لہ شیخ شہاب الدین شیخ احمد جام صاحب طریقت و شریعت بزرگ تھے دہلی میں ان کی شخصیت (باقی اگلے صفحہ پر)

عاملوں سے بقایا وصول کرتے ہیں۔ دیوان مقرر کر دیا پھر اُن کی تعظیم افزائی کی۔ امیروں کو حکم دیا کہ اُن کے پاس سلام کو جایا کریں اور جو کچھ وہ کہیں عمل کیا کریں یہاں تک کہ بادشاہ کے گھر میں کوئی شخص اُن سے اعلیٰ عہدہ پر نہیں تھا۔

جب بادشاہ نے دریائے گنگ پر جا کر اپنے لیے ایک محل بنایا جس کا نام اس نے "سرگ دوارہ" رکھا تو لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں اپنے اپنے مکان بنا دیں شیخ شہاب الدین نے اجازت چاہی کہ وہ دہلی میں رہیں بادشاہ نے اجازت دے دی اور شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بڑا بنجر رقبہ عطا کر دیا۔ شیخ شہاب الدین نے ایک بڑا غار کھدوایا اور اُس کے اندر گھر اور گودام اور تنور اور حمام ہر طرح کی تعمیرات بنوائیں اور دریائے جمنا سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔ چونکہ قحط کا زمانہ تھا غلے کی آمدنی سے بہت فائدہ ہوا۔ اڑھائی برس تک جب تک بادشاہ دہلی سے باہر رہا شیخ شہاب الدین اپنے غار میں رہے اُن کے خادم دن میں زمین کا کام کرتے تھے اور رات کو مع مویشی کے غار کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔ کیونکہ قرب و جوار کے پہاڑوں میں چور بہت رہتے تھے۔

جب بادشاہ دارالخلافہ کی طرف واپس آیا تو شیخ شہاب الدین نے سات میل کے فاصلہ پر جا کر بادشاہ کا استقبال کیا بادشاہ نے بہت تعظیم و تکریم کی اور خوب گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے آئے۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے پھر شیخ کو بلا بھیجا۔ شیخ شہاب الدین نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک تدرباری کو جو امرائے عظام میں سے تھا اُنکے پاس بھیجا۔ اُس نے نہایت ملائمت سے گفتگو کر کے بادشاہ کے غضب سے اُن کو ڈرایا۔ شیخ نے کہا کہ میں اس ظالم بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کروں گا۔

مخلص الملک بادشاہ کے پاس واپس آیا اور جو کچھ شیخ نے کہا تھا اُس سے جا کہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ لائیں چنانچہ پکڑ لائے۔

بادشاہ نے پوچھا تو مجھے ظالم کہتا ہے۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔ مرجع انام تھی، سلاطین دہلی میں سے جو بادشاہ (مثلاً غیاث الدین تغلق وغیرہ) نظام الدین اولیاء سے پرخاش رکھتا تھا وہ انہیں کا نام رشد بنا لیتا تھا۔ کیونکہ دونوں میں کچھ اختلافات تھے۔

شیخ نے کہا ہاں تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں۔

شیخ نے دہلی کے اُجاڑنے اور وہاں کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا۔

بادشاہ نے تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اُس سے کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر اور
گردن اس تلوار سے اڑا دے۔

شیخ شہاب الدین نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا کیونکہ
خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔

بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبہ دوادار کے حوالے کیا اُس نے اُن کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالیں اور
دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں۔ چودہ دن برابر شیخ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ہر روز — دیوان خانے
لاتے تھے فقہا اور مشائخ کے سامنے اُن سے کہا گیا کہ اپنے قول کو واپس لے لیں۔

شیخ نے کہا کہ میں واپس نہیں لیتا اور شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ہاتھ کھانا بھجوایا۔ لیکن شیخ نے کھانے سے انکار
اور کہا میرا رزق زمین سے اٹھ گیا۔ بادشاہ کا کھانا اُس کے پاس واپس لے جاؤ۔

بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ڈیڑھ سیر گوبر کھلائیں۔ اس کام پر ہندو کافر مقرر ہوتے
ہیں۔ انھوں نے شیخ کو چت لٹایا اور اُس کا منہ قلابوں سے کھول کر پانی میں ملا کر گوبر پلایا۔ دوسرے دن
شیخ کو قاضی صدر جہاں کے پاس لے گئے اور وہاں تمام مولویوں اور مشائخوں اور پردیسیوں نے نصیحت کی
کہ اپنا قول واپس لے لیں۔ شیخ نے انکار کیا۔ اس لیے اُن کا سر کاٹا گیا۔ خدا اُن پر رحم کرے۔

دو سندھی عالموں کا قتل

غلط الزام کے اقرار کے بعد بھی قتل، اور انکار کے بعد بھی قتل

ایک عالم دین کا قتل

سندھ کے دو فقیہ بادشاہ کے ملازم تھے بادشاہ نے ایک دفعہ ایک امیر کو کسی ملک کا حاکم مقرر کیا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ تم اس کے ساتھ جاؤ میں نے اس ملک کی رعیت تمھارے سپرد کی ہے یہ امیر ہمیشہ تمھارے کہے پر عمل کرے گا۔

ان دونوں نے کہا ہم بطور گواہ ہوں گے اور جو کچھ راست ہوا کرے گا بتا دیا کریں گے بادشاہ نے کہا تمھاری نیت درست نہیں معلوم ہوتی۔ تمھاری نیت یہ ہے کہ تم پرایا مال کھاؤ اور اس جاہل ترکی کے سر الزام لگا کر اسے پھنسا دو

فقیہوں نے کہا کہ اے اخوند عالم پناہ بخدا ہماری یہ نیت نہیں ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ نہیں تمھاری یہی نیت ہے۔

حکم دیا کہ ان دونوں کو شیخ زادہ نہاوندی کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے پر مقرر تھا جب دونوں کو اس کے پاس لے گئے اس نے سمجھایا بادشاہ تم کو قتل کرنا چاہتا ہے جو کچھ کہتا ہے اس کا اقرار کرو۔ اور اپنی جان کو عذاب سے بچاؤ۔

دونوں نے کہا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ سے ہم کہہ چکے ہیں۔

شیخ زادہ نہاوندی نے اپنے نوکروں سے کہا کہ ان کو کچھ عذاب کا مزا چکھاؤ چنانچہ وہ چت

...لئے گئے اُن کے سینوں پر ایک ایک گرم لوہے کی سل رکھی گئی پھر وہ سل اٹھائی گئی تو تمام سینے کا گوشت اس کے ساتھ آگیا پھر زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی گئی۔ تب انھوں نے اقبال کیا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ کہتا ہے۔ ہم گنہ گار ہیں اور قتل کے مستحق ہیں اگر ہم قتل کیے جاویں تو دین دنیا میں ہمارا کچھ دعویٰ نہیں۔

چنانچہ اس مضمون کا خط اُن دونوں نے لکھ دیا اور قاضی کے پاس اُس کی تصدیق کرنے کے لیے لے گئے۔ قاضی نے اس پر مہر کی اور اپنے ہاتھ سے لکھا کہ یہ دونوں شخص بغیر اکراہ جبر کے اقبال کرتے ہیں اگر وہ کہتے کہ یہ اقبال ہم سے زبردستی لیا گیا ہے تو ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا انھوں نے بجا [سمجھا] کہ ایک دفعہ گردن ماری جائے تو عذاب سے بہتر ہے، چنانچہ دونوں خدا اُن پر رحم کرے قتل کیے گئے[1]

قحط کے دنوں میں بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دارالخلافہ کے باہر کنوئیں کھودے جائیں اور اُن سے کھیتی کی جائے۔ لوگوں کو اپنے پاس سے بیج دیے اور زراعت کے لیے ضروری سامان حوالے کیا گیا؛ زراعت زبردستی بادشاہی گودام کے لیے کراتا تھا۔

فقیہ عفیف الدین کاشانی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے کہا ایسی زراعت سے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

کسی نے بادشاہ سے بھی جا کہا بادشاہ نے اسے قید کر لیا اور کہا تو امور سلطنت میں کیوں دخل دیتا ہے۔؟

کچھ دنوں بعد رہا کر دیا فقیہ اپنے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں دو فقیہ ملے جو اُس کے دوست تھے انھوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تیری خلاصی ہوئی۔

عفیف الدین نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی۔ عفیف الدین اپنے گھر چلا گیا اور وہ دونوں فقیہ اپنے گھر چلے گئے۔

بادشاہ کو خبر پہنچی[2] اُس نے کہا کہ تینوں کو حاضر کیا جاوے چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ...

---

[1] گویا روس کی حکومت کا اقرار جرم کرا کے قتل کرنے کا طریقہ نیا نہیں ہے۔ "یونہی ازل سے مرے یار ہوتے آئے..."

[2] ...تغلق کے نظام مخبری کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں اور اُن دونوں کی گردنیں مارنے کا حکم دیا۔ اُن دونوں نے کہا کہ عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اُس نے تجھے ظالم کہا لیکن ہمیں کس گناہ پر مارتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے اس کا کلام سنکر اُس کی تردید نہیں کی تو گویا تم نے بھی اُس کے قول سے اتفاق کیا چنانچہ تینوں کو (اللہ اُن پر رحمت کرے) قتل کیا۔

شیخ زادہ ہود کا قتل

خود ہی سجادہ نشین بنایا، خود ہی قتل کر دیا

شیخ زادہ ہُود شیخ رکن الدین ملتانی کا پوتا تھا اور بادشاہ اُس کے دادا شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسی طرح سے اُس کے بھائی عماد الدین کی بھی۔ یہ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت ملتا جلتا تھا چنانچہ کشلو خاں کی لڑائی کے دن دشمنوں نے اسے بادشاہ سمجھ کر مار ڈالا جب عماد الدین مارا گیا تو بادشاہ نے اُس کے بھائی شیخ رکن الدین کو مصارف خانقاہ کے لیے سو گاؤں جاگیر میں دیے۔

شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد شیخ ہُود اپنے دادا کی وصیت کے بموجب خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے لیکن شیخ رکن الدین کے ایک بھتیجے نے تنازعہ کیا اور کہا کہ میں اپنے چچا کی میراث کا زیادہ تر مستحق ہوں پھر وہ دونوں بادشاہ کے پاس دولت آباد آگئے دولت آباد ملتان سے اسی منزل ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی وصیت کے بموجب ہود کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ ہود عمر میں بڑا تھا اور شیخ رکن الدین کا بھتیجا ابھی نوجوان تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کی نہایت تعظیم اور تکریم کی جائے اور جس منزل میں ٹھیرے بادشاہ کی طرف سے دعوت کی جاوے۔ شہر کے مشائخ اور حکام کو حکم دیا کہ ان کے استقبال کرنے جائیں جب وہ دار الخلافہ میں پہنچا تو شہر کے کل مولوی اور قاضی اور مشائخ استقبال کے لیے باہر آئے۔ میں بھی اُن میں شامل تھا شیخ پالکی میں سوار تھا جسے کہار لیے جلتے تھے اُس کے

گھوڑے کوتل چلے آرہے تھے۔ ہم نے اسے سلام کیا مگر اُس کی پالکی میں سوار ہونا پسند نہ کیا۔ میں نے کسی سے ذکر کیا کہ اُس کو چاہیے گھوڑے پر سوار ہوجائے اور قاضی اور مشائخ استقبال کرنے آئے ہیں اُن کے ساتھ سوار ہوکر چلے۔ کسی نے اس سے کہہ دیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہولیا۔ اور عذر کیا اور کہا کہ بسبب درد کے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔

جب دارالخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اس میں قاضی اور مولوی اور پردیسی سب بلائے گئے۔ جب کھانا کھا چکے تو ہر ایک کو علی القدر استحقاق نذر بھی دی گئی۔ چنانچہ قاضی القضاۃ کو پانچ سو دینار اور مجھے اڑھائی سو دینار۔ یہ اُس ملک کا دستور ہے کہ ہر ایک شاہی دعوت پر اس کی نذریں دی جاتی ہیں۔

پھر شیخ ہُود ملتان کی طرف رخصت ہوئے۔ بادشاہ نے اُن کے ساتھ شیخ نورالدین شیرازی کو بھیجا کہ ملتان جاکر رسم سجادگی ادا کرائے۔ بادشاہ کے خرچ سے وہاں بھی ایک بڑی دعوت کی گئی۔

شیخ ہُود کئی سال تک سجادہ نشین رہا۔

ایک دفعہ عمادالملک حاکم سندھ نے بادشاہ کو لکھا کہ شیخ ہود اور اس کے رشتہ دار مال جمع کرتے ہیں اور بیجا کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ خانقاہ میں کسی کو روٹی نہیں دیتے۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوا کہ اُن کا مال ضبط کر لیا جائے۔ عمادالملک نے انھیں طلب کیا بعض کو قتل کیا اور بعض کو مارا پیٹا۔ کچھ دنوں تک ہر روز بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس کچھ نہ رہا۔ اُن کے گھروں سے بہت مال اسباب نکلا۔ چنانچہ ایک جوتیوں کا جوڑا تھا جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت سات ہزار دینار تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ جوتیوں کا جوڑا شیخ ہود کی بیٹی کا تھا۔ کوئی کہتا ہے اُس کی لونڈی کا۔ جب شیخ پر بہت سختی ہوئی تو اُس نے ترکستان بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن ایک شخص نے پکڑ لیا۔ عمادالملک نے بادشاہ کو لکھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کو اور اُس شخص کو جس نے اُسے پکڑا ہے ایک جگہ باندھ کر بھیج دیں۔ جب دونوں دارالخلافہ میں پہنچے تو جس شخص نے شیخ ہود کو پکڑا تھا اسے رہا کر دیا اور شیخ سے پوچھا کہ تو نے کہاں بھاگنے کا ارادہ کیا تھا۔ شیخ نے عذر کیا۔

بادشاہ نے کہا تیرا ارادہ تھا کہ ترکستان چلا جائے۔ اور وہاں جا کر کہے کہ میں بہاء الدین زکریا ملتانی کا بیٹا ہوں اور بادشاہ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور ترکوں کو مجھ پر چڑھا لائے — "ماردو اس کی گردن۔" فوراً تعمیل حکم ہوئی۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

مقتول کے بیٹوں کا قتل، تعمیل حکم کرنے والے قاضی کا قتل

شیخ صالح شمس الدین ابن تاج العارفین کول[1] شہر میں رہتے تھے وہ تارک الدنیا اور زاہد تھے۔ جب بادشاہ کول گیا تو شیخ شمس الدین کو بلا بھیجا وہ نہ آئے تو بادشاہ خود اُن کے پاس گیا اور جب اُن کے گھر کے قریب پہنچا تو وہ کہیں چل دیے اور بادشاہ سے ملاقات نہ کی اُس کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ ایک امیر نے بغاوت کی اور لوگوں نے اُس کی بیعت کی۔ بادشاہ سے کسی نے جا کر کہا کہ ایک موقع پر جب شیخ شمس الدین کی مجلس میں اُس امیر کا ذکر ہو رہا تھا تو شیخ نے امیر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ بادشاہی کے لائق ہے یہ سنکر بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ شمس الدین کو قید کر لائے۔ اُس نے شیخ کو اور شیخ کے بیٹوں کو اور کول کے قاضی اور محتسب کو قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ جس میں شیخ نے امیر کی تعریف کی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان تینوں کو قید کیا جائے اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی جاوے۔ شمس الدین قید میں گئے۔ اور قاضی اور محتسب کو ہر روز بھیک مانگنے کے واسطے باہر لاتے تھے اور پھر قید خانہ میں لے جاتے تھے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی کہ شیخ شمس الدین کے بیٹے ہندوؤں سے نہایت اختلاط کرتے ہیں اور باغی ہندوؤں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ جب شیخ شمس الدین مر گئے تو اُن کے بیٹوں کو قید خانہ سے باہر لائے۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ پھر ایسا نہ کرنا انھوں نے کہا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ اُس پر بادشاہ کو غصہ آیا اور اُن سب کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

---

[1] موجودہ علی گڑھ۔

قاضی صاحب کی گردن اڑادی گئی۔

پھر قاضی کو بلایا اور کہا اُن سب کے نام بتاؤ جوان مقتولوں کے ساتھی اور اُن کی پیروی کرتے تھے۔ اس نے بہت سے ہندوؤں کے نام بتلا دیے بادشاہ نے جب وہ فہرست دیکھی تو کہا کہ یہ شخص میری رعیت کو اجاڑنا چاہتا ہے[1]۔ اس کی گردن مارو۔ چنانچہ قاضی کی گردن ماردی۔

---

[1] اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے۔؟

شیخ علی حیدر کا قتل

"مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی!"

شیخ علی حیدری کھمبایت کے شہر میں جو ہندوستان کا ایک بندرگاہ ہے رہتا تھا۔ اس کی بزرگی کا شہرہ دور دور تھا اور سوداگر لوگ سمندر میں اُس کے نام کی نذریں مانتے تھے اور جب اگر کے سامنے آتے تھے اسے سلام کرتے تھے وہ مکاشفہ کے زور سے تمام باتیں تبلادیا کرتا تھا۔ جب کوئی سوداگر بڑی نذر مانتا تھا اور پھر اُس پر پشیمان ہوتا تھا تو شیخ حیدری کہتا تھا کہ تو نے اتنی نذر مانی تھی اور اب اس قدر دیتا ہے۔ کئی دفعہ جو ایسا اتفاق ہوا تو شیخ حیدری کی شہرت بہت ہوگئی۔ جب قاضی جلال افغانی نے کھمبایت کے ملک میں بغاوت کی تو بادشاہ کو خبر پہنچی کہ شیخ حیدری نے قاضی جلال الدین کے لیے دعا کی ہے اور اپنے سر کی کلاہ اُس کو بخشی ہے۔ اور یہ بھی خبر پہنچی کہ شیخ حیدری نے قاضی جلال کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

جب بادشاہ خود بہ نفس نفیس بغاوت کے فرو کرنے کو گیا اور قاضی جلال کو شکست ہوئی تو بادشاہ نے شرف الملک امیر بخت کو کھمبایت میں چھوڑا اور حکم دیا کہ کل باغیوں کی جستجو کرے اور اس کے ساتھ ایک فقیہ بھی چھوڑا اور اُس سے کہا فقیہ کے فتوے کے موافق عمل کرتے رہے۔ شیخ علی حیدری کو شرف الملک نے اپنے سامنے بلایا یہ ثابت ہوگیا کہ اُس نے

قاضی جلال الدین کو اپنی پگڑی دی تھی اور اس کیلئے دعا بھی کی تھی۔ فقیہوں نے اُس کے قتل کا فتوے دیا۔ لیکن جب جلاد نے اُس پر تلوار چلائی تو تلوار نے کچھ کام نہ کیا اور لوگوں کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ اب اُس کو معاف کردیں گے لیکن شرف الملک نے ایک دوسرے جلاد کو حکم دیا۔ اور اُس نے اس کی گردن جدا کی [1]

رئیس فرغانہ کا قتل

طوغان اور اُس کا بھائی فرغانہ کے رئیس تھے۔ وہ بادشاہ کے پاس آئے تھے اور بادشاہ نے اُن سے اچھا سلوک کیا تھا۔ وہ بہت عرصہ تک بادشاہ کے پاس رہے اور جب ایک مدت گذر گئی تو وطن کی طرف واپس ہونے کا ارادہ کیا بلکہ بھاگ جانے کا بندوبست کیا۔ اُن کے کسی دوست نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُن کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں [2]۔ اور اُن کا تمام مال اُس شخص کو جس نے مخبری کی تھی دے دیا۔

---

[1] ملک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ، [2] کتنے بڑے جرم کی کتنی بڑی سزا۔
(رئیس احمد جعفری)

سوداگر بچّے کا قتل

امیر علی تبریزی کا جرم بے گناہی

خطیب الخطبا کی درگت

ایک تھا ملک التجار کا بیٹا جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ جب عین الملک نے بادشا[ه]
کے خلاف بغاوت کی تو ملک التجار کا بیٹا اس کے قابو میں تھا۔ اس نے اسے بھی ساتھ لیا۔ جب عین [الملک]
کو شکست ہوئی اور اسے مع اس کے ساتھیوں کے پکڑ لائے تو اُن میں ملک التجار کا بیٹا بھی تھ[ا]
اور اس کا بہنوئی قطب الملک کا بیٹا بھی تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اُن کے ہاتھ لکڑی پر باندھ کر ان کو لٹکایا جائے اور امیروں کے بیٹوں [...]
حکم دیا کہ اُن پر تیروں کا نشانہ لگائیں اس طرح اُن کی جان نکل گئی۔ جب وہ دونوں مر گئے تو خواجہ [...]
تبریزی نے قاضی کمال الدین سے ذکر کیا۔ کہ یہ نوجوان قتل کا مستحق نہیں تھا۔ بادشاہ کو بھی [...]
خبر پہنچی۔ بادشاہ نے اس کو بلا کر کہا کہ تو نے اس کے مرنے سے پہلے یہ بات کیوں نہیں کہی اور حکم [دیا]
کہ دو سو دُرّے لگائیں جائیں۔ وہ قید خانہ میں بھیجا گیا اور اس کا تمام مال جلادوں کے [...]
کو دیا گیا۔

میں نے دوسرے دن دیکھا کہ یہ شخص امیر علی تبریزی کے کپڑے اور اس کی کلاہ پہنے [...]
گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے دور سے خیال کیا کہ یہ امیر علی تبریزی ہے۔ امیر علی تبریزی کی [...]

میں رہا۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اور اس کے منصب پر بحال کر دیا۔ پھر دوسری دفعہ خفا ہوا اور خراسان کی طرف نکال دیا وہ ہرات میں ٹھیر گیا اور بادشاہ کو ایک عرضداشت بھیجی اور رحم کا طالب ہوا۔ بادشاہ نے اُس کی پشت پر لکھ دیا کہ اگر "باز آمدی باز آئی" یعنی اگر توبہ کر لی ہے تو واپس چلا آ۔ چنانچہ امیر علی تبریزی واپس چلا آیا۔

دہلی کے خطیب الخطبا کو بادشاہ نے ایک دفعہ حکم دیا کہ وہ جواہرات کے خزانہ کی نگرانی کرے۔ اتفاق سے ایک رات چور آئے اور اُس خزانے پر آ پڑے اور اس میں سے کچھ لے گئے بادشاہ نے حکم دیا، کہ خطیب کو پیٹا جائے چنانچہ وہ پٹتے پٹتے مر گیا۔

دلی کی بپتا: یہ شہر کس طرح ویران ہوا؟

سب سے بڑی بات جس پر بادشاہ مورد ملامت قرار دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے دہلی کے تمام باشندوں کو جلا وطن کر دیا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ رقعے لکھ کر اُن پر مہر لگاتے تھے اور لفافہ پر لکھتے تھے کہ بادشاہ کے سر کی قسم ہے کہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہ کھولے اور یہ رقعے رات کو دیوان خانہ میں ڈال جایا کرتے تھے۔

جب بادشاہ اُن کو کھولتا تھا تو گالیاں درج ہوتی تھیں۔ بادشاہ نے دہلی کے اجاڑنے کا ارادہ کیا۔ اور اُس کے متوطنوں کے مکان خرید لیے اور ان سب کو گھروں کی پوری پوری قیمت دے دی۔ یہ حکم بھی دیا گیا کہ سب دولت آباد چلے جاویں۔ لوگوں نے انکار کیا تو منادی کی گئی کہ تین دن کے بعد شہر میں کوئی شخص نہ رہے۔ بہت سے لوگ چل پڑے اور بعض گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ شہر میں جا کر دیکھو کوئی شخص باقی تو نہیں رہا۔ انھوں نے دو آدمی ایک کوچہ میں پائے۔ ایک اندھا اور دوسرا لولا۔ اُن دونوں کو بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے لولے کو منجنیق سے اڑا دیا۔ اور اندھے کے واسطے حکم دیا کہ اسے دلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے گھسیٹ کر لے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کا صرف ایک پیر دولت آباد پہنچا۔ جب لوگوں نے یہ حال دیکھا تو کل آدمی اپنے اسباب اور اموال چھوڑ کر نکل گئے اور شہر سنسان ہو گیا۔

ایک معتبر آدمی نے مجھ سے ذکر کیا کہ بادشاہ ایک رات اپنے محل کی چھت پر چڑھا اور شہر کی طرف

دیکھا تو اسے آگ، دھواں اور چراغ کچھ نظر نہ آیا بادشاہ نے کہا اب میرا دل ٹھنڈا ہوا اور پھر دوسرے شہروں کے باشندوں کو حکم دیا کہ دہلی میں آن کر رہیں چنانچہ اور شہر بھی خراب ہو گئے لیکن دلی آباد نہ ہوئی۔ جب ہم شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت تک دلی بالکل غیر آباد تھی۔ اور اس میں کوئی کوئی مکان آباد تھا۔ اب ہم دوسرے واقعات کا ذکر کریں گے جو اس بادشاہ کے عہد میں رونما ہوئے۔[1]

غیاث الدین بہادر کی سرکشی

جب محمد تغلق تخت پر بیٹھا اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی تو غیاث الدین بہادر کو بھی سامنے لائے۔ جسے تغلق نے قید میں ڈالا ہوا تھا محمد تغلق نے اس پر احسان کیا اور قید سے رہا کر کے بہت سا مال اور ہاتھی اور گھوڑے دے کر رخصت کیا اور اس کے ساتھ ابراہیم خاں[2] کو کر دیا اور اس سے یہ عہد لیا کہ دونوں شامل ہو کر بادشاہت کریں اور دونوں کا نام سکہ میں لکھا جاوے اور خطبہ میں پڑھا جاوے۔

بادشاہ نے غیاث الدین سے یہ بھی شرط لی کہ وہ اپنے بیٹے محمد کو بادشاہ کے پاس بطور یرغمال کے بھیج دے۔ غیاث الدین اپنے ملک میں چلا گیا اور سب شرطوں کی تعمیل کی لیکن اپنے بیٹے کو بادشاہ کے پاس نہ بھیجا اور عذر یہ کیا کہ وہ کہنا نہیں مانتا اور گستاخی کرتا ہے۔ بادشاہ نے ابراہیم خاں کے پاس لشکر بھیجا اور دلجی تاتاری کو اس پر امیر مقرر کیا۔ جس نے غیاث الدین کا مقابلہ کیا اور اسے مار ڈالا اور اس کی کھال کھنچوا کر اور اس میں بھوسہ بھروا کر تمام ملک میں گشت کرایا۔

---

[1] دلی کے اجاڑنے اور اسے چھوڑ کر دولت آباد کو پایۂ تخت بنانے کا جہاں تک تعلق ہے۔ بالکل ٹھیک ہے لیکن جو سبب ابن بطوطہ نے لکھا ہے اس کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ جنوبی ہند کو اسلامی شان و شوکت اور تہذیب و ثقافت اور علم و ہنر کا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ اور یہ بات اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک پورا علمی اور تہذیبی ڈھانچہ ــــــ جو بڑی حد تک عبارت تھا۔ باشندگان دہلی سے ــــــ دولت آباد منتقل نہ ہو جاتا۔ صرف اسی طرح دولت آباد کو دہلی کا مرتبہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر باشندگان دہلی کو جلا وطن کرنا مقصود ہوتا تو ان کے مکانات کی پوری قیمت نہ ادا کرتا۔ اگرچہ کوئی شبہ نہیں یہ اقدام جلد بازی بھی تھا۔ اور غیر مدبرانہ بھی، لیکن تغلق جیسے شخص سے بجز سوتر ہرگز نہ تھا۔ ــــــ تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں یہ بھی ...

... [illegible] تھا۔ اور بنگال کا حکمران تھا۔ [3] ابراہیم خاں، بہرام خان ... غیاث الدین تغلق کا ... [illegible]

تغلقؒ کے خلاف

شورشیں، بغاوتیں، اور ہنگامے

تغلق کے بھانجے

بھاؤالدین گشتاسپ کی بغاوت

سلطان غیاث الدین تغلق کا ایک بھانجا تھا جس کا نام بہاء الدین گشتاسپ تھا۔ جسے اس نے کسی علاقہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ غیاث الدین کے مرنے کے بعد اُس نے محمد تغلق کی بیعت ۔سے انکار کیا۔ یہ شخص بڑا بہادر تھا۔ بادشاہ نے اُس کی طرف لشکر بھیجا اور ملک مجیر اور خواجہ جہاں کو لشکر کا سردار مقرر کیا۔ سخت لڑائی کے بعد بہاء الدین رائے کمبیلہ[1] کے ملک میں بھاگ گیا۔ رائے کا لفظ ہندی میں جیسا کہ فرنگی زبان[2] میں ہے بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کمبیلہ اُس کے ملک کا نام ہے جس کا وہ بادشاہ تھا۔ اس راجہ کا ملک دشوارگزار پہاڑوں میں ہے، اور وہ ہندو راجاؤں میں بہت بڑا گنا جاتا ہے۔

جب بہاء الدین اُس کے پاس گیا تو بادشاہ کا لشکر بھی پیچھے گیا اور شہر کا محاصرہ کیا۔

---

[1] صوبۂ مدراس کے علاقہ بلاری میں بیجانگر کے قریب یہ ریاست تھی۔

[2] "رائے" کے معنی بادشاہ کے انگریزی زبان میں بھی ہیں۔ مثلاً "وائسرائے" یعنی نائب

جب راجہ کے پاس کل ذخیرہ ختم ہو چکا اور اسے خوف ہوا کہ اب پکڑا جاؤں گا تو بہاء الدین کو بلا کر کہا کہ جو حال ہے تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے اپنی جان اور خاندان کی ہلاکت کا ارادہ کر لیا ہے تو فلاں راجہ کے پاس چلا جا پھر اس کو وہیں پہنچا دیا۔ رائے کمبیلہ نے ایک بڑی آگ جلوائی اور اپنا تمام مال و اسباب اس میں ڈلوا دیا اور اپنی بیٹیوں اور عورتوں سے کہا کہ میں جلنا چاہتا ہوں، جس کو میری موافقت کرنی ہو کرے۔ چنانچہ ایک ایک عورت غسل کر کے اور صندل مل مل کے آتی تھی اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دے کر اپنے تئیں آگ میں ڈالتی تھی۔ اور ہلاک ہو جاتی تھی اس کے کل امیروں اور وزیروں اور عوام سے جس نے چاہا وہ بھی آگ میں جل کر مر گئے۔

پھر راجہ نے غسل کیا اور صندل ملا اور سوا زرہ کے اور سب ہتھیار باندھے اور اپنے آدمیوں کو لے کر بادشاہ کے لشکر پر جا پڑے اور سب لڑ مر گئے۔ بادشاہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور باشندوں کو پکڑ لیا اور راجہ کے بیٹوں میں سے گیارہ بیٹے پکڑے آئے اور بادشاہ کے سامنے لائے گئے سب نے اسلام قبول کیا، بادشاہ نے اُن کی اصالت اور اُن کے باپ کی بہادری کے سبب اُن کو امارت کا منصب دیا۔ اُن میں سے تین کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک کا نام ناصر تھا اور دوسرے کا نام بختیار اور تیسرے کو مہردار کہتے ہیں اس عہدہ دار کے پاس بادشاہ کی مہر رہتی تھی۔ وہ ہر ایک کھانے پینے کی چیز پر لگائی جاتی ہے۔ اس کی کنیت ابو مسلم تھی اور میری اُس سے نہایت گہری دوستی ہو گئی تھی۔

جب کمبیلہ کا راجہ مارا گیا تو بادشاہی لشکر اُس راجہ[1] کے علاقہ میں گیا جہاں بہاؤالدین نے پناہ لی تھی۔ اس راجہ نے بہاؤالدین سے کہا۔ کہ میں رائے کمبیلہ کی طرح نہیں کر سکتا اور بہاء الدین کو پکڑ کر بادشاہی لشکر کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں

---

[1] ظاہر ہے دوسروں کے لیے اپنی جان دے دینے کی ہمت ہر شخص میں تو نہیں ہوتی۔ "کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگن عشق!؟"

ڈال کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا، جب بادشاہ کے پاس حاضر ہوا تو حکم دیا کہ اس کو حرم سرا میں لے جاؤ۔ وہاں اُس کی رشتہ دار عورتوں نے اُس کو بُرا بھلا کہا اور اس کے منہ پر تھوکا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھینچی جائے اور اُس کا گوشت چاولوں میں پکوا کر اُس کے گھر بیوی بچوں کو بھیجا گیا اور باقی ایک سینی میں رکھ ایک ہتھنی کے سامنے ڈال دیا گیا۔ اُس نے نہ کھایا۔ پھر ہتھنی کی کھال میں بھوسہ بھروا کر غیاث الدین بہادر کی کھال کے ساتھ تمام ملک میں گشت کرایا۔

کشلو خان کی بغاوت

○

تغلق کے سر پر تاج دارائی رکھنے والے کا انجام

جب ملک سندھ میں یہ دونوں کھالیں پہنچیں تو اس وقت کشلو خاں سلطان غیاث الدین تغلق کا یار غار سندھ کا حاکم تھا محمد تغلق اس کی حد درجہ تعظیم کرتا تھا اور چچا کہا کرتا تھا جب کبھی وہ دارالخلافہ آتا تو اس کے استقبال کے لیے نکلتا کشلو خاں نے حکم دیا ان دونوں کھالوں کو دفن کر دیا جائے۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو ناگوار گزرا اور کشلو خاں کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے کشلو خاں کو بلا بھیجا۔ کشلو خاں کو یہ علم تھا کہ بادشاہ نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس نے جانے سے انکار کیا اور کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور ترکوں اور افغانوں اور اہل خراسان سے مدد طلب کی۔ وہ لوگ اس کی مدد کو آئے اس کا لشکر بادشاہی لشکر کے برابر بلکہ اس سے بھی کثرت میں ہو گیا۔ بادشاہ اس کی لڑائی کے واسطے خود گیا اور ابوہر کے جنگل میں ملتان سے دو منزل ورے مقابلہ ہوا۔

بادشاہ نے اس روز یہ ہوشیاری کی کہ چتر کے نیچے اپنے عوض شیخ عماد الدین کو جو رکن الدین ملتانی کا بھائی تھا کھڑا کر دیا۔ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت مشابہ تھا جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو بادشاہ چار ہزار آدمی لے کر ایک طرف چلا گیا۔ اور کشلو خاں کے لشکر نے شاہی چتر کے پاس جا کر عماد الدین کو قتل کر دیا۔ تمام لشکر میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ بادشاہ قتل ہو گیا۔ کشلو خاں کا تمام لشکر لوٹ پر پڑ گیا اور اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ اور اس کے ساتھ بہت کم آدمی رہ گئے۔ بادشاہ موقع دیکھ کر اپنے آدمیوں سمیت کشلو خاں پر آ پڑا۔ اسے قتل کر کے سر کاٹ

ڈالا۔ کشلو خاں کا لشکر یہ معلوم کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ بادشاہ ملتان کے شہر میں داخل ہوا اور ملتان کے
کریم الدین کو پکڑ کر اس کی بھی کھال کھچوائی اور کشلو خاں کا سر کٹوا کر ملتان کے دروازے پر لٹکا دیا۔
جب میں ملتان میں پہنچا اُس وقت تک وہ سر وہیں لٹکا ہوا تھا[1]۔ بادشاہ نے شیخ رکن الدین
کے بھائی اور شیخ صدر الدین اُن کے بیٹے کو سو گاؤں انعام میں دیے تاکہ وہ اس سے اپنا گذارہ
اور شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کی خانقاہ کا لنگر جاری رکھیں۔ یہ روایت مجھ سے شیخ رکن الدین نے
خود بیان کی ہے۔

پھر بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ جہاں کو حکم دیا کہ وہ کمال پور[2] کے شہر کی طرف جاوے۔ یہ سمندر
کے کنارے ایک بڑا شہر تھا۔ وہاں کے باشندوں نے بھی بغاوت کی تھی۔ ایک فقیہ نے جو اس وقت
کمال پور میں تھا مجھ سے کہا، شہر کا قاضی اور خطیب وزیر کے روبرو پیش کیے گئے اس نے حکم دیا کہ
دونوں کی کھال کھچوائی جاوے۔

---

[1] یہ کشلو خاں وہ تھا، جس کی موجودگی میں غیاث الدین تغلق کو تاج شاہی سر پر رکھنے کی ہمت نہیں ہوئی
تھی۔ اور وہ اس سے تقاضا کر رہا تھا کہ وہ خود بادشاہ بن جائے، لیکن کشلو خاں کی عالی ظرفی نے، اپنے سر کے
بجائے تاج شہریاری غیاث الدین کے سر پر رکھ دیا، — آج اس کا یہ انجام تھا۔!
کشلو خاں کی بغاوت کے کچھ اور اسباب بھی بعض مؤرخوں نے لکھے ہیں، لیکن سب سے زیادہ قرین قیاس
سبب وہی ہے جو ابن بطوطہ نے لکھا ہے۔

[2] کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست تھی،

ہمالہ کی مہم

چین فتح کرنے کا عزم جو پورا نہ ہو سکا

کوہ قراجیل[1] ایک بڑا پہاڑ ہے جس کا طول تین مہینے کے سفر کا ہے اور دلی سے دس منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کا راجہ بہت بڑے راجاؤں میں ہے۔ بادشاہ نے ملک نکبیہ کو ایک لاکھ سوار اور پیادہ دے کر اس پہاڑ میں لڑائی کے لیے بھیجا اس نے شہر جدیہ پر جو پہاڑ کے نیچے واقع ہے قبضہ کر لیا اور ملک کو جلا کر برباد کر دیا اور بہت سے کافروں کو قید کر لیا۔ یہ دیکھ کر ہندو پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ اس پہاڑ میں فقط ایک درہ تھا نیچے دریا بہتا تھا اور اوپر پہاڑ تھے اور ایک آدمی سے زیادہ ایک دفعہ اس پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ بادشاہی لشکر اسی طرح اوپر چڑھ گیا اور شہر ورنگل کو جو اس پہاڑ کے اوپر تھا قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو فتح کی مبارک باد بھیجی۔

بادشاہ نے ایک قاضی اور خطیب اُن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں ٹھیرے رہیں۔ جب برسات کا موسم آیا تو لشکر میں بیماری پھیل گئی اور اہل لشکر ضعیف ہو گئے اور گھوڑے مر گئے، اور

---

[1] کوہ قراجیل سے مراد کوہ ہمالہ ہے، جیسا کہ فرشتہ نے بھی لکھا ہے۔

تغلق کا مقصد اس مہم سے جیسا کہ دوسری مستند تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے چین کو فتح کرنا تھا۔ یہ اس کی اولوالعزمی کی انتہا تھی۔

یہ لشکر کمایوں کے راستے سے گیا تھا۔ اور وہیں کے راجہ سے صلح ہوئی تھی۔

کمانیں نمی کے سبب سے نکمی ہوگئیں۔ امیروں نے بادشاہ کو لکھا اور پہاڑ سے باہر آنے کی اجازت مانگی۔ کہ دامن کوہ میں آکر برسات تک ٹھیرے رہیں اور برسات ختم ہونے پر پھر پہاڑ پر چلے جائیں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔

امیر مکمبہ نے تمام خزانہ اور جواہرات لوگوں پر تقسیم کر دیے کہ اُن کو اٹھا کر پہاڑ کے نیچے لے جائیں ہندوؤں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ غاروں اور کمین گاہوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے اور تنگ راستوں کو روک لیا اور بڑے بڑے درخت کاٹ کر پہاڑ سے اور لڑھکا دیے جو شخص ان درختوں کی جھپٹ میں آتا ساتھ گڑھوں میں چلا جاتا تھا۔ اسی طرح بہت سے آدمی مر گئے اور بہت سے قید ہو گئے اور کل اسباب اور ہتھیار اور گھوڑے لٹ گئے لشکر میں سے صرف تین آدمی باقی بچے ایک امیر نکمبہ اور دوسرا بدرالدین دولت شاہ اور تیسرے کا نام مجھ کو یاد نہیں اس سے شاہی لشکر کو سخت صدمہ پہنچا اور لشکر نہایت ضعیف ہوگیا۔ بادشاہ نے پہاڑیوں سے کچھ خراج لے کر صلح کر لی کیونکہ ان لوگوں کی زمینیں پہاڑ کے نیچے بھی تھیں اور وہ اس زمین کو بغیر بادشاہ کی اطاعت کے آباد نہیں کر سکتے تھے۔

شریف جلال الدین کی بغاوت

ہاتھی سے مجرم کس طرح کچلوایا جاتا تھا؟

بادشاہ نے معبر[1] کے ملک کا حاکم (جو دلّی سے چھ مہینے کے راستے پر ہے) سید جلال الدین احسن شاہ کو مقرر کیا تھا اس نے مخالفت کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنے نام کا سکّہ جاری کیا اور دینار کے ایک طرف یہ عبارت نقش کی "سلالۃ طٰہٰ و یٰسین ابو الفقرا والمساکین جلال الدنیا والدین" اور دوسری طرف یہ نقش کروایا "الواثق بتائید الرحمٰن احسن شاہ السلطان"۔

جب بادشاہ نے اس کی سرکشی کا حال سنا تو خود لڑائی کے واسطے گیا اور ایک موضع میں جس کا نام کشک زر تھا۔ یعنی سونے کا محل۔ آٹھ دن تک ساز و سامان فراہم کرنے کے لئے ٹھہرا۔ انہی دنوں وزیر خواجہ جہان کا بھانجہ اور چار پانچ امیر جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی۔ بادشاہ کے سامنے حاضر کئے گئے۔ بادشاہ نے وزیر کو اپنے سے پہلے بھیج دیا تھا۔ جب وہ دھار کے شہر میں پہنچا۔ جو دلی سے بیس میل ہے اور وہاں جا کر اس نے قیام کیا تو اس کے بھانجے نے جو نہایت دل چلا اور بہادر آدمی تھا۔ چند امیروں کے ساتھ سازش کی کہ وزیر کو قتل کر کے کل مال اور خزانہ لے کر سید جلال الدین کے پاس معبر کے ملک میں بھاگ جائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وزیر کو اچانک جمعہ کی نماز کے وقت پکڑلیں۔

---

[1] معبر سے مراد جنوبی ہند کا وہ علاقہ ہے، جو کرناٹک وغیرہ کو محیط ہے۔

ان میں سے ایک شخص نے جو ان کے مشورہ میں شامل تھا اور جس کا نام ملک نصرت حاجب تھا وزیر کو خبر دی اور یہ بھی بتلایا کہ وہ اس وقت اپنے کپڑوں کے نیچے آہنی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ وزیر نے انہیں بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ اور یہی بغاوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

وزیر نے انہیں بلا بھیجا اور جیسا کہ ملک نصیر نے بیان کیا تھا۔ وہ کپڑوں کے نیچے زرہ پہنے ہوئے تھے وزیر نے ان کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو میں بھی وہیں تھا۔ ان میں سے ایک شخص کو میں نے دیکھا اس کی ڈاڑھی لمبی تھی اور خوف سے کانپ رہا تھا اور سورہ یٰسین پڑھتا جاتا تھا بادشاہ نے وزیر کے بھانجے کو وزیر کے پاس بھیج دیا اور حکم کیا کہ اس کو قتل کر ڈال۔ اور باقی امیروں کو ہاتھی کے سامنے ڈلوا دیا ان ہاتھیوں کے دانتوں پر جن سے آدمیوں کو مارنے کا کام لیا جاتا ہے۔ لوہے کے دندانے دار خول چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو ہل کی پھالی کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جس کے دونوں طرف دھاریں ہوتی ہیں۔ فیلبان ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اور جب کسی شخص کو ہاتھی کے سامنے ڈالا جائے تو ہاتھی اس کو اپنی سونڈھ میں لپیٹ کر اوپر کی طرف پھینک دیتا ہے اور پھر ادھر کا ادھر اپنے دانتوں پر لے لیتا ہے اور اپنے سامنے زمین پر ڈال کر اگلا پاؤں اس کے سینے پر رکھتا ہے اگر فیلبان کہتا ہے کہ اس کے دو ٹکڑے کر دے تو دانتوں سے ٹکڑے کر دیتا ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ اس کو پڑا رہنے دے تو پڑا رہنے دیتا ہے جس کو ٹکڑے نہیں کیا جاتا ہے اس کی کھال کھنچوائی جاتی ہے۔ ان امیروں کی بھی کھال کھنچوائی گئی۔

جب میں بادشاہ کے محل سے مغرب کے بعد نکلا تو کتے ان کا گوشت کھا رہے تھے اور ان کی کھال میں بھوسہ بھرا جا رہا تھا۔ خدا پناہ میں رکھے۔ جب بادشاہ نے معبر میں میں جانے کا ارادہ کیا تو مجھے دارالخلافہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور جب بادشاہ دولت آباد میں پہنچا۔ تو امیر حلاجون نے بغاوت کی۔ وزیر خواجہ جہان دارالخلافہ میں لشکر جمع کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔

حاکم لاہور کی بغاوت

امیر حلاجون وغیرہ کی سرکشی کا عبرتناک انجام

جب بادشاہ دولت آباد پہنچا اور اپنے ملک سے بہت دور نکل گیا تو امیر حلاجون نے لاہور میں بغاوت کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ امیر گل چند نے اس کی مدد کی اور حلاجون نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یہ خبر وزیر خواجہ جہاں کو پہنچی۔ وہ اس وقت دلّی میں تھا۔ وزیر تمام خراسانیوں کو اور اس لشکر کو جو دلی میں موجود تھا۔ ساتھ لے کر لاہور کی طرف چلا۔ میرے ہمراہی بھی اس کے ساتھ گئے۔ بادشاہ نے اس کی مدد کے واسطے دو بڑے امیر بھیجے۔ ایک ملک قیران صفدار۔ دوسرا ملک تیمور شربدار یعنی ساقی۔

حلاجون اپنے لشکر کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ اور ایک بڑے دریا کے کنارے مقابلہ ہوا۔ حلاجون کو شکست ہوئی وہ بھاگ گیا اور اس کا بہت سا لشکر دریا میں ڈوب گیا وزیر نے شہر میں داخل ہو کر بعض اہل شہر کی کھال کھنچوائی اور بعض کو قتل کیا اور یہ کام محمد بن نجیب نائب وزیر کے سپرد کیا۔ اس شخص کو اژدر ملک کہتے تھے اور سگ سلطان بھی اس کا خطاب تھا یہ شخص نہایت ظالم اور سنگ دل تھا۔ بادشاہ اس کو بازاری شیر کہا کرتا تھا۔ یہ شخص اکثر مجرموں کو

اپنے دانتوں سے کاٹا کرتا تھا۔

وزیر نے باغیوں کی عورتیں تین سو کے قریب گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیں جہاں وہ قید کردی گئیں ان میں سے بعض کو میں نے وہاں دیکھا بھی ہے۔ ایک فقیہ تھا اس کی عورت بھی انہیں عورتوں کے ساتھ گوالیار میں بھیجی گئی تھی۔ یہ فقیہ اپنی عورت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ قید خانہ میں اس کے بچہ بھی ہوگیا۔

ملک ہوشنگ کی بغاوت

جب بادشاہ دولت آباد واپس آرہا تھا تو راستے میں بیمار ہوگیا اور لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ مرگیا۔ تمام ملک میں فتنہ برپا ہوگیا۔ اس وقت ملک ہوشنگ، ملک کمال الدین گرگ کا بیٹا دولت آباد میں حاکم تھا۔ اس سے بادشاہ نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ تو بادشاہ کی زندگی میں اور نہ اس کی موت کے بعد کسی سے بیعت کرے گا۔

جب اس نے بادشاہ کی موت کی خبر سنی تو وہ ایک راجہ کے پاس جس کا نام بربرہ تھا اور جس کا علاقہ دولت آباد اور کوکن تھانہ کے درمیان تھا بھاگ گیا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی اور اس اندیشہ سے کہ کہیں فتنہ نہ بڑھ جائے۔ جلدی جلدی دولت آباد پہنچا۔ اور پھر فوراً ہوشنگ کے پیچھے پیچھے جاکر راجہ کے شہر کا محاصرہ کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ ہوشنگ کو میرے حوالے کردے۔

اس نے کہا کہ میں اپنے پناہ گزین کو نہیں دوں گا اگرچہ مجھے وہی کرنا پڑے جو رائے کمپیلہ نے کیا تھا۔ ہوشنگ کو خوف پیدا ہوا۔ اس نے بادشاہ سے خط وکتابت کی اور یہ بات ٹھہری کہ بادشاہ دولت آباد کی طرف واپس چلا جائے اور قتلوخان بادشاہ کا استاد پیچھے رہے اور اس کے پاس ہوشنگ چلا آئے۔

بادشاہ کوچ کر کے چلا گیا اور ہوشنگ قتلوخان کے پاس آگیا۔ قتلوخان نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ نہ تو بادشاہ تجھے قتل کرے گا۔ اور نہ تیرے مرتبہ میں کمی کرے گا۔ ہوشنگ اپنے مال اور عیال اور ہمراہیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے اس کے پاس آنے سے بہت اور خلعت دیکر اس کی تعظیم کرتا تھا

اور اسی سبب سے وہ بادشاہ کے پاس بغیر بلائے کبھی نہ جاتا تھا۔ تاکہ بادشاہ کو کھڑے ہونے کی تکلیف نہ ہو۔ یہ شخص خیرات بھی بہت کرتا تھا۔ فقیروں اور مسکینوں کو بہت دیا کرتا تھا۔

ابن بطوطہ کے سالے سید ابراہیم کی بغاوت اور قتل

سید ابراہیم جو خریطہ دار کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی بادشاہ کا قلم اور کاغذ اس کے پاس رہتے تھے۔ ہانسی اور سرسہ کا حاکم تھا۔ جب بادشاہ معبر کی طرف گیا اور اس سید ابراہیم کا باپ معبر کے ملک میں باغی ہو بیٹھا اور بادشاہ کے مرنے کی خبر پہنچی۔ تو سید ابراہیم نے بھی سلطنت کا لالچ کیا۔

یہ شخص نہایت خوبصورت اور بہادر اور فیاض تھا۔ میرا نکاح اس کی بہن حرنسب سے ہوا تھا۔ وہ نہایت نیک بخت بی بی تھی۔ رات کو تہجد پڑھتی تھی۔ اور وظیفہ میں مشغول رہتی تھی۔ اس کے بطن سے میری ایک بیٹی بھی تھی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں کا کیا حال ہوا۔ یہ بی بی پڑھنا جانتی تھی لیکن لکھ نہ سکتی تھی۔

جب ابراہیم نے بغاوت کا ارادہ کیا تو ایک امیر اس کے علاقہ میں سے گزرا وہ دلی کی طرف سندھ سے خزانہ لئے جاتا تھا۔ ابراہیم نے اس سے کہا کہ راستے میں چوروں کا خوف ہے۔ امن وامان ہونے تک میرے پاس ٹھہر جا اس کا ارادہ تھا کہ اتنے میں بادشاہ کی موت کی خبر تحقیق ہو جائے گی۔ تو اس خزانہ پر قبضہ کر لوں گا۔ لیکن جب بادشاہ کی زندگی کی خبر تحقیق ہو گئی تو اس وقت اس نے امیر کو آگے جانے دیا۔ ——— اس امیر کا نام ضیاء الملک بن شمس الملک تھا۔ اور جب بادشاہ ڈھائی برس کے بعد دارالخلافہ واپس آیا تو سید ابراہیم اس کے سلام کو آیا۔ اس کے ایک غلام نے بادشاہ سے چغلی کھائی اور بادشاہ کو اس کے ارادے سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ اس کو قتل کر ڈالے لیکن بادشاہ کو اس سے کچھ محبت تھی۔ اس لئے ارادہ ملتوی کر دیا۔

ایک دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ بادشاہ کے پاس ایک ہرن کا بچہ ذبح کیا ہوا لائے۔ بادشاہ اس کو

ابن بطوطہ صاحب اسی طرح شادیاں رچاتے، پھر بیوں کو خدا کے حوالہ کر کے سیاحت جاری رکھنے کے عادی تھے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا درست طور سے ذبح نہیں ہوا اسے پھینک دو
ابراہیم نے اس ہرن کے بچے کو دیکھ کر کہا ذبح درست طور سے ہوا ہے اور میں اس کو کھا لیتا ہوں۔
یہ خبر بادشاہ کو پہنچی وہ غصہ ہوا اور اس کو قید کر لینے کا حکم دیا۔ پھر اس پر یہ الزام لگایا کہ تو اس نے
کو جو ضیاء الملک سندھ سے لا رہا تھا لینا چاہتا تھا۔ ابراہیم کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اس کے باپ کی
بغاوت کے سبب سے اس کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کوئی عذر مفید نہ ہوگا اور ناحق اس کو
عذاب دیئے جائیں گے۔ پس اس نے عذاب سے موت کو سہل سمجھ کر اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ بادشاہ
نے حکم دیا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ یہاں دستور ہے کہ بادشاہ جس شخص کو قتل کراتا
ہے تو وہ تین دن تک اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ تین دن کے بعد جو کافر اس کام پر مقرر ہوتے ہیں۔ وہ
ہیں اور نعش کو شہر کی خندق کے باہر لے جا کر ڈال دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے گھر بھی خندق ہوتے ہیں۔ باغی
کے وارث لاش اٹھا کر نہ لے جائیں۔ چنانچہ مقتولوں کے وارث رشوت دے کر لاش
اٹھا لے جاتے اور دفن کر دیتے۔ اسی طرح سید ابراہیم کو بھی دفن کیا گیا۔

عین الملکؓ کی بغاوت

بیوی کی وفاداری نے باغی کی جان بچالی

جب ملک میں قحط پھیل گیا تو بادشاہ اپنے لشکر کو لے کر دریائے گنگ کے کنارے چلا گیا اس دریا کو ہندو بڑا متبرک سمجھتے ہیں اور ہر سال یاترا کے لیے جاتے ہیں ۔ یہ جگہ جہاں بادشاہ نے قیام کیا دلّی سے دس منزل تھی ۔ بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں مکان بنائیں۔ پھوس کے چھپر بنائے جن سے اکثر آگ لگتی رہتی تھی جس سے لوگوں کو نہایت تکلیف ہوتی تھی۔ اس کا علاج لوگوں نے یہ کیا تھا کہ زمین کے نیچے تہ خانے بنا لیے تھے۔ جب کبھی آگ لگ جاتی تھی تو اس میں اپنا اسباب ڈال کر مٹی سے اس کا منہ بند کر دیتے تھے ۔

میں بھی بادشاہ کے کیمپ میں انھیں دنوں میں پہنچا تھا۔ دریائے گنگ کے غربی طرف نہایت سخت قحط تھا لیکن مشرق کی طرف ارزانی تھی اور امیر عین الملک بادشاہ کی طرف سے اودھ اور ظفر آباد اور لکھنؤ کا حاکم تھا۔ یہ امیر ہر روز بادشاہ کے ڈیرہ میں پچاس ہزار من گیہوں، چاول اور چنے لشکر کے واسطے بھیجتا تھا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ کیمپ کے ہاتھی اور گھوڑے اور خچر دریا کے مشرق کی طرف چرائی کے لیے بھیج دیے جائیں ۔ عین الملک کو ان کی نگہبانی کے لیے مقرر کیا۔

عین الملک کے چار بھائی اور تھے جن میں سے تین کا نام شہر اللہ۔ نصر اللہ۔ فضل اللہ تھا۔ چوتھے

کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انھوں نے اپنے بھائی عین الملک کے ساتھ سازش کرکے ارادہ کیا کہ
بادشاہ کے ہاتھی اور مواشی بھگا کر لے جائیں اور عین الملک کی بیعت کرکے اسے بادشاہ بنائیں
عین الملک بھی رات کو بھاگ گیا اور قریب تھا کہ ان لوگوں کا کام بن جائے اور بادشاہ کو خبر
بھی نہ ہو۔

لیکن بادشاہانِ ہندوستان کا دستور ہے کہ ہر ایک چھوٹے اور بڑے امیر کے پاس
بادشاہ کا ایک غلام رہتا ہے جو بادشاہ کو امیر کے کل حال کی خبر دیتا رہتا ہے اور اسی طرح
لونڈیاں اس کے گھر میں رہتی ہیں یہ لونڈیاں جو کچھ گھر میں ہوتا ہے۔ اس کی خبر بھنگنوں کو دے
دیتی ہیں۔ اور یہ بھنگنیں کل خبر مخبروں کے افسر کو پہنچا دیتی ہیں اور وہ بادشاہ تک خبر پہنچا دیتا
ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک امیر اپنی عورت کے ساتھ سویا ہوا تھا اس امیر نے اُس کے ساتھ جماع
کا ارادہ کیا تو عورت نے اسے بادشاہ کے سر کی قسم دلائی کہ وہ ایسا نہ کرے۔ مگر امیر نے
اس کی بات نہ سُنی۔ صبح کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ تو نے ایسا کیا اور اسی سبب
وہ امیر قتل کیا گیا۔

بادشاہ کا ایک غلام ملک شاہ نام عین الملک کے پاس رہا کرتا تھا اُس نے بادشاہ کو عین الملک
کے بھاگ جانے کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے سمجھا
کہ اب موت آگئی کیونکہ اس کے گھوڑے اور ہاتھی اور غلہ کل چیزیں عین الملک کے پاس تھیں
اور بادشاہی لشکر جگہ جگہ پراگندہ ہو رہا تھا بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دارالخلافہ کو واپس چلا جائے
اور وہاں سے لشکر جمع کر کے عین الملک کے مقابلہ کے واسطے واپس آئے لیکن اس نے
امیروں سے مشورہ کیا اور چونکہ خراسانی اور پردیسی امیروں کو عین الملک سے بہت اندیشہ تھا
کیونکہ وہ ہندی تھا اور اہل ہند پردیسیوں سے اس لیے ناراض رہتے تھے کہ بادشاہ ان پر
بہت مہربانی کرتا تھا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی صلاح کو منظور نہ کیا اور عرض کیا اے خوند عالم
اگر آپ دارالخلافہ چلے جائیں گے۔ تو عین الملک کو خبر ہو جائے گی اور وہ اس طرح بہت
لشکر جمع کرلے گا اور فتنہ جو آدمی چاروں طرف سے اس کے پاس آکر جمع ہو جائیں گے بہت

صلاح یہ ہے کہ اس پر فوراً حملہ کر دیا جاتے ۔ یہ بات پہلے پہل ناصرالدین اوہری نے کہی اور باقیوں نے اُس کی تائید کی ۔ بادشاہ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور قریب ہیں جو امیر اور جتنی فوجیں تھیں اسی رات خط لکھ کر بلوا لیا وہ فوراً چلے آتے اور بادشاہ نے یہ حیلہ کیا کہ اگر سو آدمی آتے تھے تو بادشاہ ہزار آدمیوں کو ان کے استقبال کے واسطے بھیجتا تھا اور وہ کل گیارہ سو ہو کر بادشاہ کے ڈیرے میں داخل ہوتے تھے ۔ تاکہ دشمن کو ان کی تعداد بہت معلوم ہو۔

بادشاہ دریا کے کنارے کنارے بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ شہر قنوج کو اپنی پشت کے پیچھے کر لے اور وہاں قلعہ نشین ہو جائے ۔کیونکہ قنوج بہت مضبوط جگہ تھی لیکن قنوج اُس جگہ سے تین منزل تھا۔ جب اوّل منزل طے کر چکا تو اُسنے اپنے لشکر کو لڑائی کے آمادہ کیا ۔ اور صف باری کی ہر سپاہی کے ہتھیار اس کے بدن پر تھے اور اس کا گھوڑا برابر میں تھا اور بادشاہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا خیمہ تھا جس میں وہ کھانا کھاتا تھا اور غسل کرتا تھا ۔ بڑا کیمپ وہاں سے دور تھا ۔ تین دن تک بادشاہ اپنے خیمہ میں نہ سویا اور نہ کبھی سایہ میں بیٹھا ۔

ایک دن میں اپنے خیمہ میں تھا میرے ایک نوکر نے جس کا نام سنبل تھا مجھے آواز دی اور کہا جلدی باہر آؤ ۔ میں باہر نکلا اُس نے کہا بادشاہ نے ابھی حکم دیا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اس کی عورت یا لونڈی ہو اس کو قتل کیا جائے میرے ساتھ لونڈیاں تھیں ، پس کئی امیروں نے بادشاہ سے عرض کی تو اس نے حکم دیا کہ کوئی عورت کیمپ میں نہ رہے ۔ ان سب کو ایک قلعہ میں جس کا نام کمپیل تھا اور تین کوس کے فاصلے پر تھا بھیج دیا ۔ اس کے بعد کیمپ میں کوئی عورت نہ رہی یہاں تک کہ بادشاہ کے ساتھ بھی کوئی عورت نہ تھی ۔ وہ رات ہم نے تیاری میں گذاری ۔جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور ہر فوج کے ساتھ زرہ پوش ہووے والے ہاتھی تھے جن پر سپاہی بیٹھے تھے ۔ تمام لشکر کو زرہ پوش ہونے کا حکم دیا اور سب لڑائی کے لیے تیار ہو گئے یہ دوسری رات بھی تیاری میں خرچ ہوئی ۔ جب تیسرا دن ہوا یہ خبر پہنچی کہ عین الملک دریا سے عبور کر آیا ہے ۔ بادشاہ کو یہ سن کر اندیشہ پیدا ہوا اور سمجھا کہ وہ دریا کے پار باقی امیروں کے ساتھ خط کتابت کر کے آیا ہے ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر ایک مصاحب کو ایک گھوڑا دے دیا جائے ۔ میرے پاس بھی کچھ

گھوڑے بھیجے میرا ہمراہی ایک شخص میر میران کرمانی نام تھا یہ شخص بڑا بہادر شمار کیا جاتا تھا ایک گھوڑا سبز رنگ کا میں نے اسے دیا۔ جب وہ سوار ہوا تو گھوڑا بھاگ کھڑا ہوا اور اس سے نہ رکا۔ گھوڑے نے اسے نیچے گرا دیا وہ اسی وقت مر گیا۔

بادشاہ نے اس روز چلنے میں بہت جلدی کی اور عصر کے بعد وہ شہر قنوج میں پہنچ گیا بادشاہ کو خوف تھا کہ کہیں عین الملک اس سے پہلے قنوج پر قبضہ نہ کر لے۔ اس روز بادشاہ خود لشکر کی ترتیب کرتا رہا۔ ہم اُس دن لشکر کے اگلے حصے میں تھے۔ بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کے ساتھ اور امیر غدا ابن مہنا اور سید ناصر الدین اور، اور خراسان کے امیر بھی ہمارے ساتھ تھے۔ بادشاہ نے ہم کو اپنے خواص میں شامل کیا اور کہا کہ تم لوگ میرے ساتھ رہو اور اس میں خیر ہوئی کیونکہ عین الملک نے پچھلی رات کو لشکر کے اگلے حصے پر چھاپا مارا۔ وزیر خواجہ جہاں بھی اس حصے میں شامل تھا۔ لوگوں میں بڑا شور پڑا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے اور تلوار سے لڑائی کی جائے۔ تمام لشکر نے تلواریں کھینچ لیں۔ اور دشمن کی طرف بڑھے۔ لڑائی کا ہنگامہ خوب گرم ہوا۔

بادشاہ نے اُس رات اپنی علامت دہلی اور غزنی مقرر کی تھی۔ جب ہمارے لشکر کا کوئی سوار ملتا تھا تو دلی کا لفظ کہتا تھا۔ اگر دوسرے نے غزنی کا جواب دیا تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمارے لشکر کا ہے ورنہ حکم تھا کہ اس کو قتل کر دو۔ عین الملک کا ارادہ اس جگہ چھاپہ مارنے کا تھا جہاں بادشاہ کا ڈیرہ تھا۔ لیکن اس کے رہبر نے دھوکا دیا اور وہ وزیر کی جگہ پر آ پڑا عین الملک نے رہبر کو مار ڈالا۔ وزیر کے لشکر میں عجمی اور ترک اور خراسانی بہت تھے اور چونکہ وہ ہندوؤں کے دشمن تھے۔ اس لیے خوب جی توڑ کر لڑے۔ عین الملک کا لشکر پچاس ہزار کے قریب تھا۔ صبح ہوتے تک وہ سب کے سب بھاگ گئے ملک ابراہیم تاتاری جو جنگی مشہور تھا اور سندیلہ کی طرف عین الملک کے ساتھ تھا عین الملک نے اسے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ قطب الملک کا بیٹا داؤد اور ملک التجار کا بیٹا جو بادشاہ کے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر افسر تھے وہ بھی اس سے مل گئے۔ داؤد کو عین الملک نے اپنا حاجب مقرر کیا تھا۔

جب عین الملک وزیر کے لشکر پر آ پڑا تو داؤد پکار پکار کر بادشاہ کو نہایت گندی گالیاں

دے رہا تھا۔ بادشاہ سنتا تھا اور واودو کی آواز پہچانتا تھا۔ جب عین الملک کے لشکر کو شکست ہوئی تو اس نے اپنے نائب ابراہیم سے کہا کہ اے ابراہیم اب تیری کیا رائے ہے اکثر لشکر اور بڑے بڑے بہادر سردار بھاگ گئے اب تیری رائے ہو تو ہم بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ ابراہیم نے اپنے ہمراہیوں سے اپنی زبان میں کہا کہ جب عین الملک بھاگنے کا ارادہ کرے گا تو میں اس کی زلفیں پکڑوں گا اور جس وقت میں اس کی زلفیں پکڑوں تو تم گھوڑے کے چابک مار کر اسے نیچے گرا دینا۔ اور پھر ہم اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جائیں گے شاید بادشاہ میرا قصور اس خدمت کے سبب معاف کر دے۔ جب عین الملک نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو ابراہیم نے کہا کہ سلطان علاءالدین کہاں جاتے ہو۔ عین الملک نے اپنا خطاب سلطان علاءالدین رکھ لیا تھا۔ اور عین الملک کی زلفیں مضبوط پکڑ لیں اس کے ساتھیوں نے عین الملک کے گھوڑے کو چابک مار کر بھگا دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ابراہیم نے اسے قابو میں کر لیا۔ اور جب وزیر کے ہمراہی اس کو پکڑنے کو آتے اس کو روکا کہ میں خود وزیر کے پاس لے جاؤں گا۔ یا لڑ کر مر جاؤں گا لیکن کسی اور شخص کو ہاتھ نہیں لگنے دوں گا ابراہیم عین الملک کو وزیر کے پاس لے گیا۔

میں اس وقت جبکہ صبح ہو گئی تھی ہاتھیوں اور جھنڈوں کو جو سلطان کے سامنے پیش کیے جاتے تھے دیکھ رہا تھا۔ کسی عراقی نے مجھ سے کہا کہ عین الملک پکڑا گیا مجھے یقین نہ آیا۔ میں تھوڑی دور چلا تھا کہ ملک تیمور شربدار آیا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا مبارک ہو عین الملک پکڑا گیا اور وزیر کے پاس ہے۔ یہ سنکر بادشاہ مع ہمارے عین الملک کے کیمپ کی طرف گیا۔ لشکر نے اس کے ڈیرے کو لوٹ لیا اور عین الملک کے بہت سے سپاہی دریا میں کود پڑے اور ڈوب گئے قطب الملک کا بیٹا اور ملک التجار کا بیٹا دونوں پکڑے گئے۔

بادشاہ نے اس دن گھاٹ پر ڈیرا کیا۔ اور جب وزیر عین الملک کو لے کر آیا تو وہ بیل پر سوار تھا اور بدن سے ننگا تھا۔ فقط ایک پرانے کپڑے کا لنگوٹ اس کی شرمگاہ پر باندھا ہوا تھا۔ اور اسی کو گردن میں باندھ دیا تھا۔ وزیر نے عین الملک کو ڈیرہ کے دروازہ پر کھڑا کیا اور آپ بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے اس کو شربت پینے کے لیے دیا۔ امیروں کے لڑکے عین الملک کے

پاس آتے تھے اور اس کو گالیاں دیتے تھے اور اس کے چہرے پر تھوکتے تھے اور اس کے ہمراہی کو زدوکوب کرتے تھے۔ بادشاہ نے اس کے پاس ملک کبیر کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو غریبوں جیسے کپڑے پہنائے جائیں اور پیروں میں چار بیڑیاں ڈالی جائیں اور دونوں ہاتھ گردن پر باندھ کر وزیر کے سپرد کیا جائے۔

عین الملک کے بھائی دریا کے پار بھاگ گئے اور شہر اودھ میں پہنچ کر اپنے بال بچوں کو اور دولت اور اسباب جس قدر اٹھا سکے اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے اپنے بھائی عین الملک کی بیوی سے کہا کہ تو بھی اپنے بال بچوں کو لے کر ہمارے ساتھ چل اس نے کہا کہ کیا میں ایک ہندو عورت سے بھی کم ہوں جو اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہے اگر میرا خاوند مرے گا تو مروں گی اگر زندہ رہے گا تو زندہ رہوں گی بادشاہ کو اس جواب کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا بادشاہ کو اس عورت پر رحم آگیا۔ ایک شخص سہیل سنے عین الملک کے بھائی نصر اللہ کو پکڑ لیا اور اسے قتل کر ڈالا اور اس کا سر بادشاہ کے پاس لایا اور عین الملک کی بیوی اور بہن کو بھی ساتھ لے آیا۔ بادشاہ نے ان کو بھی وزیر کے سپرد کیا اور ان کے لیے عین الملک کے خیمہ کے پاس ایک خیمہ لگا دیا۔ عین الملک ان کے پاس آتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھتا تھا اور پھر قید خانہ میں چلا جاتا تھا۔ فتح کے روز عصر کے وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ بازاری اور غلام اور کمینے لوگ جو ان کے ساتھ پکڑے گئے ہیں چھوڑ دیے جائیں۔ ملک ابراہیم بھنگی کو بھی بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ سپہ سالار ملک بغرا نے کہا کہ اے اخوند عالم اس کو قتل کر دینا چاہیے اس نے بھی بغاوت کی تھی۔ وزیر نے کہا کہ عین الملک کو گرفتار کرنے سے اس کا قصور معاف کر دیا گیا۔ بادشاہ نے بھی اس کا قصور معاف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اپنی جاگیر میں چلا جائے۔

مغرب کے بعد بادشاہ چوبی برج میں بیٹھا اور عین الملک کے ہمراہیوں میں سے باسٹھ بڑے بڑے آدمی اس کے روبرو پیش کیے گئے اور ہاتھیوں کے سامنے ڈالے گئے۔ بعضوں کو ہاتھیوں نے اپنے آہن پوش دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور بعضوں کو اوپر اچھال کر مار ڈالا اور اس وقت نوبت نقارے اور نفیری بجائی جاتی تھیں۔ عین الملک کھڑا دیکھ رہا تھا اور ان کے ٹکڑے اس کی طرف پھینکے جاتے تھے پھر اس کو اس کے قید خانہ میں لے گئے

بادشاہ دریا کے کنارے آدمیوں کی کثرت اور کشتیوں کی قلت کے سبب ٹھیرا رہا اور بادشاہی اسباب اور خزانہ ہاتھیوں پر پار اتارا گیا۔ اور کچھ ہاتھی بادشاہ کے خاص خاص امیروں میں تقسیم کیے گئے کہ اپنا اسباب ہاتھیوں کی پشت پر دریا کے پار لے جائیں میرے پاس بھی ایک ہاتھی بھیجا گیا میں نے اپنا اسباب اس ہاتھی پر لاد کر دریا کے پار پہنچایا۔

پھر بادشاہ نے بہڑائچ[1] کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک خوب صورت شہر دریائے سرجو کے کنارے واقع ہے سرجو ایک بڑا دریا ہے جو اکثر اپنے کنارے گراتا رہتا ہے بادشاہ شیخ سالار[2] مسعود کی قبر کی زیارت کے لیے دریا پار گیا۔ شیخ سالار نے اس نواح کے اکثر ملک فتح کیے تھے اور اُن کی بابت عجیب عجیب باتیں مشہور ہیں لوگوں کے دریا پار ہونے کے وقت بڑی بھیڑ ہوئی، چنانچہ ایک بڑی کشتی جس میں تین سو آدمی تھے ڈوب گئی اور ان میں سے ایک عرب جو امیر غدا کا ہمراہی تھا بچ گیا۔

ہم ایک چھوٹی کشتی میں تھے اس سبب سے اللہ نے ہمیں بچا لیا۔ اس عرب کا نام جو ڈوبنے سے بچ گیا تھا سلام تھا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں بیٹھے لیکن ہماری کشتی ذرا آگے بڑھ آئی تھی اس سبب سے وہ بڑی کشتی میں بیٹھ گیا تھا جو ڈوب گئی۔ جب وہ دریا سے نکلا تو لوگوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری کشتی میں تھا اس لیے ہمارے ساتھیوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگوں نے خیال کیا کہ ہم بھی ڈوب گئے۔ لیکن جب انھوں نے ہمیں صحیح و سالم دیکھا تو ہم کو مبارک باد دی۔ پھر ہم نے شیخ سالار کی قبر کی زیارت کی۔ ان کا مزار ایک برج میں ہے لیکن میں اژدحام کے سبب سے اس کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ پھر اس نواح میں ہم بانس کے جنگل میں داخل ہوئے تو ہم نے گینڈا دیکھا لوگوں نے اس کا شکار کیا اور سر لائے وہ ہاتھی سے چھوٹا تھا لیکن سر اس کا چند در چند ہاتھی کے سر سے

---

[1] صوبۂ اودھ کا ایک سرسبز اور دل کشا شہر۔

[2] سالار مسعود غازی، سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کا مزار اب تک نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کی عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے۔

بڑا تھا۔ عین الملک کو شکست دینے کے ڈھائی سال بعد بادشاہ دہلی واپس آیا، عین الملک کا قصور معاف کیا گیا اور نصرت خاں کو بھی جس نے تلنگانہ کے ملک میں بغاوت کی تھی معاف کر دیا گیا اور بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے باغوں کا ناظر مقرر کر دیا۔ اور ان کو خلعت اور سواری عطا ہوئی اور آٹا اور گوشت یومیہ اُن کے واسطے سرکاری گودام سے مقرر ہوا۔[1]

---

[1] تغلق کو یقین ہو گیا تھا، جس کی تصدیق فرشتہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ عین الملک دوسروں کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ ورنہ فطرت خراب نہ تھی، متعدد نازک مواقع پر، بادشاہ کی خدمت بڑی وفاداری اور دل سوزی سے کر چکا تھا۔ اس لیے اتنے بڑے جرم کے باوجود اسے نہ صرف معاف کیا، بلکہ بحال کر دیا۔ تغذ کی ہے اور بات مگر خوں ریزی نہیں!

علی شاہ کی شامت

پھر یہ خبر پہنچی کہ قتلوخان کا ایک ہمراہی علی شاہ کر (یعنی بہرہ) بادشاہ سے باغی ہوگیا۔ یہ شخص بڑا خوبصورت اور بہادر اور اچھی خصلت کا آدمی تھا۔ اس نے بدر کوٹ پر قبضہ کرکے اسے دارالخلافہ مقرر کیا۔ بادشاہ نے اپنے استاد کو حکم دیا کہ اس سے لڑنے جائے۔

قتلوخان نے ایک بڑا لشکر اپنے ہمراہ لیا اور بدر کوٹ کا محاصرہ کیا۔ اور برجوں پر سرنگ لگائی جب علی شاہ بہت تنگ ہوا تو اس نے اماں طلب کی۔ امان دیدی اور بادشاہ کے پاس قید کرکے بھیج دیا۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور شہر غزنی کی طرف جلاوطن کر دیا۔ وہاں وہ کچھ مدت تک رہا۔ پھر وطن میں آنے کا شوق پیدا ہوا اور جب قضا آگئی تو واپسی کا ارادہ کیا۔ سندھ کے ملک میں پکڑا گیا۔ بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے کہا تو میرے ملک میں پھر فساد کرنے کے لئے آیا ہے اور حکم دیا کہ گردن اڑا دو، تعمیل ہوئی۔

باغی کی سرفرازی، امیر بخت شرف الملک کی کہانی،

بادشاہ امیر بخت شرف الملک پر خفا ہوا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جو ہمارے ساتھ بادشاہ کے پاس آئے تھے۔ بادشاہ نے اس کا مرتبہ چہل ہزاری سے ایک ہزاری کر دیا۔

اور اس کو وزیر کے پاس دہلی میں بھیج دیا۔ اتفاق سے امیر عبداللہ ہراتی جو باٹ تلنگانہ میں مرگیا۔ اس کا مال اس کے ہمراہیوں کے پاس دہلی میں تھا۔ انہوں نے امیر بخت کے ساتھ بھاگنے کی سازش کی۔ جب وزیر دہلی سے بادشاہ کے استقبال کے لئے نکلا تو یہ لوگ امیر بخت کے ساتھ بھاگ گئے اور چالیس دن کا راستہ سات دن میں طے کر کے سندھ کے ملک میں جا پہنچے۔ ان کے پاس بہت عمدہ گھوڑے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ دریائے سندھ سے تیر کر عبور کر جاویں۔

امیر بخت اور اس کا بیٹا اور وہ لوگ جو اچھی طرح تیرنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے نرسل کے ٹوکرے میں جو اسی غرض کے لئے بنائے جاتے ہیں پار ہونے کا ارادہ کیا اور انہوں نے زرتجم کی رسیاں اس غرض کے واسطے تیار کر لی تھیں۔ جب وہ دریا پر پہنچے تو تیر کر عبور کرنے سے ڈر گئے اور انہوں نے دو شخص جلال الدین حاکم اوچ کے پاس بھیجے۔ ان دونوں نے جا کر جلال الدین سے کہا کہ بعض سوداگر دریا عبور کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے یہ زین تیرے پاس بطور نذر کے بھیجی ہے تاکہ ان کو عبور کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ امیر نے فوراً پہچان لیا کہ ایسا تاجروں کے پاس نہیں ہو سکتا۔ اس نے حکم دیا کہ ان دونوں شخصوں کو پکڑ لو۔ ان میں سے ایک شخص بھاگ کر شرف الملک کے پاس گیا۔ وہ تکان اور پے در پے جاگنے کے سبب سے سو گئے تھے۔ اس نے خبر کی وہ فوراً سوار ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ جلال الدین نے حکم دیا کہ جو شخص پکڑا گیا ہے۔ اس کو خوب زدوکوب کیا جاوے چنانچہ اس نے شرف الملک کا حال بتا دیا۔ جلال الدین نے اپنے نائب کو حکم دیا کہ وہ لشکر کے ساتھ شرف الملک اور اس کے ہمراہیوں کی طرف جائے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ سوار ہو گئے اور ڈر کر بھاگ گئے لیکن اس نے انہیں جا لیا۔ لشکر نے تیر برسانے شروع کئے۔ اور شرف الملک کے بیٹے طاہر کے بازو پر نائب کا تیر لگ گیا۔ اور نائب نے اسے پہچان کر پکڑ لیا۔ وہ سب جلال الدین کے پاس لائے گئے اس نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور ہاتھ باندھ دیئے اور وزیر کو لکھا کہ کیا کیا جائے۔

وزیر نے لکھا کہ ان کو دارالخلافہ کی طرف بھیج دیا جائے۔ جلال الدین نے دارالخلافہ کی طرف بھیج دیا وہ وہاں قید کر دیئے گئے۔ طاہر قید میں مرگیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ شرف الملک کے سو دُرّے ہر روز مارے جائیں۔ وہ اس مار پر بھی زندہ رہا۔ پھر بادشاہ نے اس کی خطا معاف کر دی۔ اسے امیر نظام الدین کے ساتھ چندیری کی طرف بھیجا۔ پھر اس کی حالت ایسی ابتر ہو گئی۔ کہ سواری کے واسطے گھوڑا بھی نہ رہا۔

بیل پر سوار ہوتا تھا - مدت تک یہی حال رہا - پھر امیر نظام الدین نے بادشاہ کے پاس کچھ آدمی بھیجے - وہ بھی ان کے ساتھ تھا - بادشاہ نے اس کو اپنا چاشنی گیر مقرر کیا - اس عہدہ دار کا کام ہوتا تھا کہ وہ گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کرے بادشاہ کے دستر خوان پر رکھتا جاتا تھا - اور کھانا لے کر بادشاہ کے حضور میں جاتا تھا - پھر بادشاہ نے اس پر مہربانی کی اور اس کا رتبہ یہاں تک بڑھایا کہ جب وہ بیمار ہوا تو بادشاہ اس کی عیادت کے لئے گیا اور اس کی برابر سونا تول کر اس کو دیدیا - ہم نے یہ حکایت پہلی جلد میں بیان کی ہے - پھر اس کی شادی اپنی بہن سے کردی - اور چندیری کا حاکم مقرر کردیا - خدا بڑا مقلب القلوب ہے کچھ سے کچھ کردیتا ہے -

---

پرده داری می کند بر قصر کسری عنکبوت
بوم نوبت می زند به گنبد افراسیاب

ابنِ بطوطہ اور تغلق

سیّاح کے ذاتی مشاہدات
واردات اور تاثرات

بادشاہ کی طرف سے مسافر کی عزّت افزائی

قصر ہزار ستون میں میرا داخلہ

اب تک میں نے جو کچھ کہا اس کا تعلق یا تو اخبار سلاطین ماضی سے تھا۔ یا عہد محمد تغلق کے واقعات و حوادث سے، اور یہ کافی ہے۔

اب میں اصل موضوع یعنی ذاتی مشاہدات و تاثرات پر آتا ہوں، چنانچہ آئندہ سطروں میں ——— ——— اپنے دارالخلافہ پہنچنے کی کیفیت اور بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہونے پھر ملازمت چھوڑنے اور بادشاہ کی طرف سے چین میں سفیر ہوکر جانے اور پھر چین سے اپنے ملک میں واپس ہونیکا ذکر کرونگا۔

جب ہم دارالخلافہ دہلی میں داخل ہوئے تو شاہی محل کی طرف چلے اور پہلے دروازے میں داخل ہوئے۔ پھر دوسرے پھر تیسرے میں۔ تیسرے دروازے میں نقیب موجود تھے۔ جن کا مفصل حال میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ ایک نقیب ہمیں ایک وسیع صحن میں لے گیا۔ وہاں وزیر خواجہ جہاں ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے آگے خداوندزادہ ضیاءالدین۔ اس کے پیچھے اس کا بھائی قوام الدین اس کے پیچھے کا بھائی عمادالدین۔ پھر میں اور میرے پیچھے ان کا بھائی برہان الدین۔ پھر امیر مبارک سمرقندی اس کے پیچھے ارنی لغا ترکی۔ پھر ملک زادہ خداوندزادہ کا بھانجہ۔ پھر بدرالدین فقال۔ اسی ترتیب سے ہم داخل ہوئے۔ جب ہم تیسرے دروازے کے اندر داخل ہوئے تو ہمیں ایک بڑا دیوانخانہ جس کا نام ہزار ستون تھا دکھائی دیا۔ اس میں بادشاہ جلوس عام کرتے ہیں۔

یہاں پہنچ کر وزیر نے تعظیم ادا کی - وہ اس قدر جھکا کہ زمین کے قریب ہوگیا اور ہم نے بھی تعظیم ادا کی - لیکن ہم رکوع کے موافق جھکے مگر ہماری انگلیاں بھی زمین تک پہنچ گئیں - یہ تعظیم بادشاہ کے تخت کی تھی - اور لوگ جو ہمارے ساتھ تھے انہوں نے بھی تعظیم کی - جب ہم تعظیم سے فارغ ہوئے تو چوبدار نے اونچی آواز سے بسم اللہ کہا اور ہم باہر نکل آئے -

بادشاہ کی زیارت اور شرف باریابی

بادشاہ کی والدہ کو مخدومہ جہاں کہتے ہیں - اور وہ ایک نہایت بزرگ عورت ہے - خیرات بہت کرتی ہے اور بہت سی خانقاہیں اس نے تعمیر کرائی ہیں جہاں مسافر کو کھانا ملتا ہے آنکھوں سے نابینا ہے اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب اس کا بیٹا بادشاہ ہوا تو اس کے پاس تمام بیگمیں اور امیروں کی بیٹیاں زرق برق کپڑے اور زیورات پہن کر آئیں اور وہ ایک سونے کے تخت پر جس میں جواہر جڑے ہوئے تھے بیٹھی ہوئی تھی چمک کی چکاچوند سے اسی وقت اس کی بینائی جاتی رہی - ہر طرح طرح کے علاج کئے لیکن فائدہ نہ ہوا بادشاہ اس کی تعظیم اور اطاعت بدرجہ غایت کرتا ہے - کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ سفر میں بادشاہ کے ساتھ گئی اور بادشاہ کچھ دنوں پہلے آیا - جب وہ دار الخلافہ میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے اس کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر پڑا جب وہ پالکی میں سوار تھی تو اس کے پاؤں کو بوسہ دیا --- یہ منظر سب دیکھ رہے تھے -

اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں جب ہم بادشاہ کے محل سے واپس ہوئے تو وزیر اور ہم حرم سرا کے دروازہ کی طرف گئے - مخدومہ یہیں رہتی ہے جب ہم دروازہ پر پہونچے تو سواریوں سے اتر پڑے ہم میں سے ہر ایک مخدومہ جہاں کے واسطے اپنی وسعت کے موافق تحفے لایا تھا - ہمارے ساتھ قاضی القضاۃ کمال الدین ابن برہان الدین گئے - وزیر نے اور قاضی نے مخدومہ جہاں کے دروازے کے پاس جاکر تعظیم کی اور ہم نے بھی اسی طرح تعظیم کی ایک منشی نے جو دروازہ پر تھا - ہمارے تحفے قلم بند لئے پھر کچھ جوان لڑکے آئے اور ان میں سے جو بڑا تھا وہ وزیر کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ چپکے سے کچھ بات کر کے محل کی طرف چلا گیا - وہ غلام وزیر کے پاس آئے اور پھر محل میں واپس چلے گئے اور ہم اتنی دیر کھڑے رہے - پھر ہمیں ایک دالان میں بیٹھنے

کا حکم ہوا۔ اس کے بعد کھانا لائے اور اس کے بعد طلائی مٹکے جن کو سینی کہتے ہیں لائے۔ یہ مٹکے دیگوں کی مانند تھے اور ان کی گھڑونچیاں جن کو سبک کہتے ہیں طلائی تھیں پھر پیالے اور رکابیاں اور لوٹے لائے یہ سب سونے کے بنے ہوئے تھے اور دسترخوان بچھائے گئے اور ہر دسترخوان پر دو دو صفیں تھیں۔ صف میں سب اوّل وہ شخص بیٹھتا ہے جو مہمانوں میں درجے میں سب سے بڑا ہوتا ہے جب ہم کھانے کے واسطے آگے بڑھے تو حاجبوں اور نقیبوں نے تعظیم کی اور ہم نے بھی تعظیم کی پہلے شربت لائے جب ہم شربت پی چکے تو حاجبوں نے بسم اللہ کہی۔ اس وقت ہم نے کھانا شروع کیا۔

جب کھانا کھا چکے بنیدلائے اس کے بعد پان۔ پھر حاجبوں نے بسم کہی۔ ہم سب نے تعظیم کی اس کے بعد ہم کو ایک جگہ بلا کر لے گئے اور ہمیں زربفت کے خلعت دیئے گئے پھر ہم محل کے دروازے پر آئے وہاں پہنچ کر سب نے تعظیم کی۔ حاجبوں نے بسم کی اور وزیر ٹھہر گیا ہم سب بھی ٹھہر گئے۔ پھر محل کے اندر سے ریشم اور کتان اور روئی کے تھان بغیر سلے ہوئے لائے۔ اور ہم میں سے ہر کو حصہ دیا اور اس کے بعد ایک طلائی سینی لائے کہ اس میں سوکھے میوہ جات تھے اور دوسری سینی میں گلاب اور تیسری میں پان یہاں دستور ہے کہ جس کے واسطے یہ چیزیں لائی جاتی ہیں وہ سینی ہاتھ میں دیتا ہے اور اسے ایک ہاتھ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے زمین چھوتا ہے وزیر نے سینی اپنے ہاتھ میں لی۔ تاکہ مجھے بتلائے کہ میں کس طرح کروں پھر میں نے بھی اسی طرح کیا۔ اس کے بعد ہم اس گھر میں جو ہمارے ٹھہرنے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا شہر میں گئے یہ مکان پالم دروازہ کے قریب تھا۔ جب میں گھر میں پہنچا تو میں نے ضرورت کی ہر چیز مثلاً فرش، بوریا، برتن، چارپائی، بچھونا موجود پائی۔ ہندوستان میں چارپائیاں ہلکی ہوتی ہیں ایسی کہ ایک آدمی اٹھا سکتا ہے اور سفر میں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ ہر ایک چارپائی کے چار پائے ہوئے ہیں جن میں چار لکڑیاں عرضاً و طولاً لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ انہیں ریشم بافی سے بنتے ہیں۔ جب آدمی اس سوتا ہے تو تر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ خود ہی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

چارپائی کے ساتھ دو گدیلے اور دو تکیئے اور ایک لحاف لائے۔ یہ سب ریشم کے بنے ہوئے

تھے۔ یہاں دستور ہے کہ گدیلوں اور لحاف پر کمل یا روئی کے سفید غلاف چڑھا دیتے ہیں اور جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو ان کو دھو ڈالتے ہیں۔ اور اندر سے لحاف اور گدیلے محفوظ رہتے ہیں پھر ہمارے پاس دو آدمی لائے گئے۔ ایک آٹے والے تھا جس کو خرّاس کہتے ہیں۔ دوسرا گوشت والا جس کو قصاب کہتے اور یہیں حکم ہوا ان دونوں سے اس قدر آٹا اور اس قدر گوشت لے لیا کرو اور اس کی تعداد اب مجھے یاد نہیں رہی۔ یہاں دستور ہے کہ آٹا اور گوشت ہم وزن دیتے ہیں یہ ضیافت بادشاہ کی والدہ کی طرف سے تھی اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ضیافت آنی شروع ہوئی جس کا ذکر ہم آگے بیان کریں گے۔

آیا ہے ان سب نے وہ کھانا کھایا اور غریبوں کو تقسیم کیا پھر بھی بہت سی روٹیاں اور حلوا اور شکر اور مصری بچ گئی جو کئی دن تک پڑی رہی۔ یہ سب بادشاہ کے حکم سے کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مخدومہ جہان یعنی بادشاہ کی والدہ کے گھر سے ڈولہ (پالکی) آیا۔ عورتیں اس ملک میں ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں اور بعض وقت مرد بھی اس میں بیٹھتے ہیں یہ چارپائی کے مشابہ ہوتا ہے اور ریشم یا روئی کی رسیوں سے بنا جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک لکڑی ہوتی ہے جو ایک ٹھوس بانس کو ٹیڑھا کرکے بناتے ہیں۔ آٹھ آدمی باری باری اسے اٹھاتے ہیں چار آدمی اٹھاتے ہیں اور چار آدمی آرام کرتے ہیں یہ ڈولیاں ہندوستان میں وہی کام دیتی ہیں۔ جو مصر میں گدھے۔ اکثر لوگوں کی روزی منحصر ہے جس کے غلام ہوتے ہیں وہ ڈولی کو اٹھاتے ہیں۔ اگر غلام نہ ہوں تو کرایہ کے آدمی جو شہر میں بہت ہیں اور بازاروں میں بادشاہی محل کے دروازہ کے پاس یا لوگوں کے دروازوں کے پاس کھڑے رہتے ہیں کہ کوئی شخص ان کو ڈولی اٹھوانے کے واسطے لے جائے عورتوں کی ڈولیوں پر ریشم کے پردے پڑے ہوتے ہیں اور اسی طرح اُس ڈولے پر بھی جو بادشاہ کی والدہ کے گھر سے اس کے غلام لائے تھے ریشمی پردہ پڑا تھا اس میں میری کنیز کو جو متوفی لڑکی کی ماں تھی بٹھایا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک ترکی لونڈی بطور تحفہ کے بھیجی رات کو میری کنیز بادشاہ کی والدہ کے پاس رہی دوسرے دن واپس آگئی اس کو بادشاہ کی والدہ نے ایک ہزار روپیہ اور سونے کے جڑاؤ کڑے اور سونے کا جڑاؤ ہار اور زردوزی کتان کا کرتہ اور زردوزی ریشم کا خلعت اور کپڑے کے کئی تھان دیے۔ جب وہ یہ سب کچھ لائی تو میں نے اپنے دوستوں اور ان سوداگروں کو جن کا میں مقروض تھا اپنی آبرو کے قائم رکھنے کے واسطے دے دیا کیونکہ مخبر میرا ذرا ذرا سا حال بادشاہ کو لکھتے تھے۔

بادشاہ نے حکم بھیجا کہ میرے واسطے جاگیر میں کچھ گاؤں مقرر کیے جائیں جن کی آمدنی پانچ ہزار دینار سالانہ کی ہو۔ وزیر اور اہل دیوان نے میرے واسطے ایک موضع باولی اور ایک موضع بسی اور نصف موضع بالڑے کا مقرر کیا یہ سب گاؤں دارالخلافہ سے سولہ کوس کے فاصلے پر تھے اور سب کے سب ہندپت کی صدی میں شامل تھے اور صدی اس ملک میں سو گاؤں کے مجموعہ کو کہتے ہیں ہر ایک صدی پر ایک چوطری (چودھری) ہوتا ہے اور وہ ہندوؤں میں بڑا آدمی

ہوتا ہے اور ایک متصرف ہوتا ہے جو خراج جمع کرتا ہے۔ اسی عرصہ میں بہت سی کافر عورتیں لوٹ میں آئیں ان میں سے دس لونڈیاں وزیر نے میرے پاس بھیج دیں میں نے ان میں سے ایک لانے والے کو دے دی۔ وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ میرے ہمراہیوں نے اُن میں سے تین چھوٹی چھوٹی لونڈیاں لے لیں اور باقی کی بابت میں نہیں جانتا کیا ہوا۔

لوٹ میں جو لونڈیاں آتی تھیں وہ اس ملک میں بہت سستی ہوتی ہیں کیونکہ وہ گندی ہوتی ہیں تہذیب سے واقف نہیں ہوتیں اور یہاں سیکھی سکھائی لونڈیاں سستی ہوتی ہیں۔ اس لیے کوئی لوٹ کی لونڈیاں نہیں خریدتا۔ ہندوستان میں ہندو تمام ملک میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں۔ اور مسلمان اُن پر غالب ہیں۔ بہت سے ہندو دشوار گذار پہاڑوں اور بانسوں کے جنگلوں میں پناہ گزیں ہیں۔ بانس اس ملک میں کھوکھلا نہیں ہوتا اور بہت لمبا ہو جاتا ہے اور اس کی شاخیں اس قدر پیچ در پیچ ہوتی ہیں کہ آگ بھی اثر نہیں کرتی یہ ہندو بانسوں کے جنگلوں میں داخل ہو کر سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بانس فصیل کا کام دیتے ہیں اور اس کے اندر اس کے مویشی اور کھیت ہوتے ہیں اور بارش کا پانی جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور کوئی شخص ان بانسوں کو مناسب اوزاروں سے کاٹے بغیر ان پر غالب نہیں ہو سکتا۔ عیدالفطر آئی اور بادشاہ اب تک دارالخلافہ میں واپس نہ آیا تھا جب عید کا دن ہوا تو خطیب ہاتھی پر سوار ہوا اور اس ہاتھی کی پشت پر ایک چیز تخت کے مشابہ بچھائی گئی اور چار علم اس کے چاروں طرف لگائے گئے۔ خطیب کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ مؤذن ہاتھیوں پر سوار خطیب کے آگے تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ شہر کے مولوی اور قاضی بھی سوار تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ صدقہ آیا جو وہ عیدگاہ کے راستہ میں تقسیم کرتا جاتا تھا۔ عیدگاہ پر روئی کے کپڑے کا سائبان لگایا گیا تھا اور فرش بچھایا گیا تھا۔ جب سب نمازی جمع ہو گئے تو خطیب نے نماز پڑھائی اور خطبہ پڑھا اور سب لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ہم بادشاہ کے محل کی طرف گئے اور وہاں امیروں اور پردیسیوں نے کھانا کھایا اور پھر اپنے گھروں کو واپس آئے۔

بادشاہ کی آمد

○

بادشاہ کا شہر میں داخلہ، دربار کا نظارہ، انعامات و مناصب کی بارش

○

مسافر ابن بطوطہ پر بادشاہ کی نوازشیں

شوال کی چوتھی تاریخ تھی کہ بادشاہ نے ایک محل میں جس کا نام تل پت تھا اور جو دارالخلافہ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے قیام کیا۔ وزیر نے ہمیں حکم دیا کہ بادشاہ کے استقبال کے لیے جائیں۔ ہم سب استقبال کے لیے باہر گئے اور ہر ایک کے پاس نذر کے واسطے گھوڑے اور اونٹ اور خراسانی میوے اور مصری تلواریں اور غلام اور ترکستانی دنبے تھے۔

جب ہم محل کے دروازے کے پاس پہنچے اور سب آنے والے جمع ہو گئے تو اپنے اپنے مرتبہ کے موافق داخل ہوتے گئے، ہر ایک کو کتاں کے زردوز کپڑے کے خلعت ملتے جاتے تھے جب میری باری آئی تو میں نے بادشاہ کو کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے گمان کیا کہ وہ کوئی حاجب ہے لیکن جب میں نے اس کے پاس ملک الندما ناصر الدین کافی ہروی کو کھڑے دیکھا جسے میں پہچانتا تھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ یہی ہے حاجب نے تعظیم ادا کی اور میں نے بھی تعظیم ادا کی امیر حاجب نے جو بادشاہ کا چچازاد بھائی[1] تھا میرا استقبال کیا۔ پھر میں نے دوسری دفعہ تعظیم ادا کی۔

---

[1] فیروز شاہ تغلق۔

پھر ملک الندماء نے کہا کہ بسم اللہ مولانا بدرالدین جن کو ہندوستان میں بدرالدین کہتے تھے اور ہر ایک عرب عالم کو مولانا کہتے ہیں۔ میں بادشاہ کی ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نہایت نرم الفاظ میں اور فارسی زبان میں کہا تمہارا آنا مبارک ہو خاطر جمع رکھو میں تم پر نہایت مہربانی کروں گا اور اس قدر انعام دوں گا تمہارے ہم وطن سنکر تمہارے پاس آئیں گے۔ پھر پوچھا کہ تمہارا ملک کون سا ہے میں نے کہا کہ مغرب۔ بادشاہ نے کہا کہ امیرالمومنین[1] کا ملک۔ میں نے کہا ہاں۔ جب وہ کوئی بات کہتا تھا میں اس کا ہاتھ چومتا تھا یہاں تک کہ سات دفعہ میں نے اس کا ہاتھ چوما۔ مجھے خلعت دیا گیا اور میں واپس آیا۔

سب نووارد جمع ہو گئے تھے تھے ان کے لیے دستر خوان بچھایا گیا اور ان کے سرپر قاضی القضاۃ صدر جہاں ناصر الدین خوارزمی اور قاضی القضاۃ صدر جہاں کمال الدین غزنوی اور عماد الملک بخشی اور جلال الدین کیچی بہت سے حاجب اور امیر کھڑے ہوتے تھے۔ اس دستر خوان پر خداوند زادہ غیاث الدین بھی موجود تھا، بادشاہ اس کی نہایت عزت کرتا تھا اور اسے بھائی کہہ کر پکارتا تھا اور وہ اپنے ملک سے کئی دفعہ بادشاہ کے پاس آیا اور گیا تھا۔

دوسرے دن بادشاہ نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا اپنے خاص گھوڑوں میں سے عطا کیا اور ان کے ساتھ زین اور لگام بھی دیے جن پر سونے چاندی کا کام تھا دارالخلافہ میں داخل ہونے کے لیے بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ بادشاہ کی سواری کے آگے آگے سولہ ہاتھی تھے جن کو آراستہ کیا گیا تھا اور ان ہاتھیوں پر نشان یعنی علم بلند کیے گئے تھے اور ہر ایک ہاتھی پر ایک ایک چتر لگا ہوا تھا۔ بعضے چتر جڑاؤ تھے اور بعضے طلائی اور ایک چتر بادشاہ کے سر پر لگایا گیا تھا اور آگے آگے جڑاؤ زین پوش اٹھائے لیے جاتے تھے۔ بعضے ہاتھیوں پر چھوٹی چھوٹی منجنیقیں رکھی ہوئی تھیں۔ جب بادشاہ شہر کے پاس پہنچا تو منجنیقوں سے دینار

---

[1] امیرالمومنین کے ملک سے مراد مراقش ہے۔ جہاں عبدالمومن کا خاندان حکومت کرتا تھا، جسے محمد بن تومرت مہدی نے اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور امیرالمومنین کا لقب دیا، اس خاندان نے ۵۲۴ھ سے لے کر ۶۶۸ھ تک مغرب اقصیٰ اور اندلس پر حکومت کی۔!

اور درہم ملے جلے مجر کر پھینکے جاتے تھے بادشاہ کے آگے آگے جو ہزارہا پیدل سپاہی اور عوام ان
چل رہے تھے وہ انھیں لوٹ لیتے تھے، محل میں پہنچنے تک یہ نچھاور ہوتے رہے۔ راستے میں جگہ
جگہ لکڑی کے برج ریشمی کپڑوں سے منڈھے رکھے تھے جن میں گانے والی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں
دوسرے دن جمعہ تھا۔ ہم دیوان خانہ کے دروازہ میں داخل ہو کر تیسرے دروازہ کی صحنچیوں میں
بیٹھ گئے۔ اب تک ہمیں اندر جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ شمس الدین فوشنجی حاجب آیا اور اس نے
متصدیوں کو حکم دیا کہ ہم سب کے نام لکھ لو۔ اور یہ بھی کہا کہ ان سب کو اندر آنے کی اجازت
ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہمراہیوں کی تعداد معین کی گئی، جن کو اندر آنے کی اجازت دی
گئی، کہ یہاں آٹھ آدمی اپنے ساتھ لے جاؤں ہم سب مع ہمراہیوں کے داخل ہوئے لتنے میں دیں
کی تھیلیاں اور ترازو لائے اور قاضی القضاۃ اور متصدی بیٹھ گئے۔ وہ پردیسیوں کو بلاتے جاتے
تھے اور ہر ایک کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا تھا۔ جو اسے دیتے جاتے تھے۔ میرے حصہ میں پانچ
ہزار دینار آئے۔ کل روپیہ ایک لاکھ تھا۔ یہ مال بادشاہ کی والدہ نے اپنے بیٹے کے خیر
عافیت واپس آنے کی تقریب میں صدقہ کے لیے نکالا تھا۔ پھر ہم واپس چلے گئے۔

اس کے بعد بادشاہ نے کئی دفعہ ہم کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلانے کے لیے بلایا اور
نہایت نرمی سے ہمارا حال دریافت کیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ ہم سے کہنے لگا کہ تم جو میرے
ملک میں تشریف لائے مجھ پر نہایت مہربانی کی میں اس تکلیف کا صلہ نہیں دے سکتا۔ تم میں
سے جو پیر سال ہے وہ مجھے باپ کی جگہ ہے اور جو ہم عمر ہے میرا بھائی ہے اور جو مجھ سے چھوٹا
ہے وہ میرا بیٹا ہے میرے ملک میں کوئی شہر اس سے بڑا نہیں۔ یہ شہر تمھاری ملک ہے۔

ہم نے یہ سنکر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے حق میں دعا کی اس کے بعد ہماری
تنخواہیں اور عہدے مقرر کیے میری تنخواہ بارہ ہزار دینار سالانہ مقرر کی اور تین گاؤں میری
جاگیر میں پہلے تھے اب دو اور زیادہ کر دیے ان گاؤں کے نام جورہ اور ملک پور تھے ایک
دن ہمارے پاس خداوند زادہ غیاث الدین اور قطب الملک حاکم سندھ کو بھیجا انھوں نے آکر
کہ اخوند عالم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو جس کام کرنے کی لیاقت ہو اور رغبت ہو وہ کام
اس کے سپرد کیا جائے جس کسی کو وزیر بننا ہو اس کے لیے وزارت اور جس کو مدرس بننا

ہو اس کے لیے مدرسی اور جس کو منشی بننا ہو اس کے لیے منشی گری۔ جس کو امیر بننا ہو اس کے لیے امارت اور جس کو شیخ بننا ہو اس کے لیے مشیخیت کا عہدہ موجود ہے۔

یہ سنکر ہم سب خاموش ہو رہے کیونکہ ہم سب کا ارادہ تھا کہ ہمیں جو انعام ملے گا وہ لے کر اپنے گھر واپس چلے جائیں گے۔ آخر امیر بخت بن سید تاج الدین نے جس کا ذکر میں کر آیا ہوں کہا کہ میرے بزرگ وزیر تھے اور میں خود کاتب ہوں۔ ان دو کاموں کے علاوہ تیسرا کام نہیں جانتا اور ہبتہ اللہ فلکی نے بھی کچھ ایسا ہی کہا خداوند نے میری طرف مخاطب ہو کر عربی زبان میں کہا کہ سیدنا آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس ملک کے آدمی عربوں کو سید کے لفظ سے پکارتے ہیں کیونکہ بادشاہ تعظیماً ان کو اسی طرح خطاب کرتا ہے میں نے کہا کہ وزارت اور کتابت میرا کام نہیں میرا پیشہ قضا اور مشیخیت کا ہے اور یہی میرے باپ دادا کا پیشہ تھا اور امارت یعنی فوج کی افسری اس کی بابت آپ خوب جانتے ہیں کہ عرب کی تلوار کے ڈر سے کل عجم مسلمان ہوا ہے مطلب یہ کہ سپاہگری اور شمشیر زنی ہمارا قدیم پیشہ ہے۔

بادشاہ نے جب یہ جواب سنا تو نہایت خوش ہوا۔ اس وقت بادشاہ قصر ہزار ستون میں تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ ہم سب کو بلا بھیجا۔ ہم نے بھی بادشاہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر ہم محل سے باہر آگئے میرے ساتھی وہاں بیٹھ گئے۔ میرے دنبل نکلا ہوا تھا۔ میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے واپس مکان کو چلا آیا۔ بادشاہ نے دوسری بار ہم سب کو بلایا باقی سب گئے میں عصر کی نماز پڑھ کر گیا اور دیوان خانہ میں مغرب اور عشا کی نماز پڑھی اتنے میں حاجب باہر آیا اور کہا بادشاہ سلامت یاد کرتے ہیں۔ پہلے خداوندزادہ ضیاء الدین جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اندر گیا۔ بادشاہ نے اس کو میرداد مقرر کیا۔ اس عہدہ پر بڑا آدمی ہوا کرتا ہے اس کا کام ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ بیٹھتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی امیر یا بڑے آدمی پر نالش کرتا ہے تو وہ اسے قاضی کے روبرو حاضر کرتا ہے اس کی تنخواہ پچاس ہزار سالانہ مقرر تھی نیز اس کے لیے جاگیر مقرر کی جو اپنی اسی مقدار کی تھی پھر حکم دیا کہ اسے پچاس ہزار دینار فوراً دیے جائیں اور ریشم کا زریں خلعت جس کو شیر صورت کہتے ہیں اس خلعت کی پشت اور سینہ پر شیر کی تصویر ہوتی ہے اور خلعت کے اندر ایک پرچہ پلیٹ کر سی دیتے ہیں اس میں درج ہوتا ہے کہ اس خلعت میں اس قدر سونا

ہے اور ایک گھوڑا بھی اوّل درجہ کا اسے عطا ہوا۔ گھوڑے کے چار درجہ اس ملک میں مقرر ہیں اور گھوڑے کی زین مصری زینوں کی مانند ہوتی ہیں اور ان کے اکثر حصے پر چاندی منڈھی ہوتی ہے اور چاندی پر سونے کا ملمع ہوتا ہے۔

اس کے بعد امیر بخت اندر گیا اس کے واسطے حکم ہوا کہ وزیر کے ساتھ مسند پر بٹھایا کرے اور دیوانوں کے حساب کی پڑتال اُس کے ذمہ کی اور اس کی تنخواہ چالیس ہزار دینار سالانہ مقرر کی اور اتنی ہی سالانہ آمدنی کی جاگیر مقرر کی۔ چالیس ہزار دینار اسی وقت دیے گئے اور ایک گھوڑا اور خلعت ویسا ہی جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے اسے بھی ملا۔ شرف الملک اُس کو خطاب دیا گیا۔

اس کے بعد ہبتہ اللہ فلکی اندر گیا اس کو بادشاہ نے رسول دار مقرر کیا یعنے صاحب الارسال اس کی تنخواہ چوبیس ۲۴ ہزار دینار مقرر ہوئی اسی مقدار کی جاگیر مقرر ہوئی۔ اور چوبیس ہزار دینار اسی وقت دیے گئے اور اس کو بہاء الملک کا خطاب ملا۔

اس کے بعد میں اندر گیا۔ بادشاہ محل کی چھت پر تخت کا تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور وزیر خواجہ سامنے بیٹھا ہوا تھا اور ملک قبولہ کھڑا تھا جب میں نے سلام کیا تو ملک کبیر نے کہا کہ تعظیم کر کیونکہ عالم نے تجھے دار الخلافہ دہلی کا قاضی مقرر کیا اور تیری تنخواہ بارہ ہزار سالانہ مقرر کی اور اسی قدر جاگیر تجھے دی جائے گی اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ تجھ کو بارہ ہزار دینار کل کے روز خزانہ سے دیے جائیں۔ اور ایک گھوڑا بھی مع زین اور لگام کے تجھے عطا ہوا ہے اور ایک محرابی خلعت تجھے ملے گا اس خلعت کی پشت اور سینہ پر محراب کی شکل بنی ہوئی ہوتی ہے۔ میں تعظیم بجا لایا اور ملک کبیر میرا ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ بادشاہ نے کہا دہلی کی قضا کا عہدہ کوئی چھوٹا عہدہ نہیں ہے ہم اس کو بہت بڑا عہدہ سمجھتے ہیں۔ میں فارسی سمجھتا تھا لیکن اس میں جواب نہ دے سکتا تھا اور بادشاہ عربی سمجھتا تھا لیکن اس میں جواب نہ دے سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ یا مولانا میں تو امام مالک کے مذہب پر ہوں اور اہلِ شہر کُل حنفی ہیں اور علاوہ ازیں میں زبان سے ناواقف ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے بہاء الدین ملتانی اور کمال الدین بجنوری کو تیری نیابت میں مقرر کیا وہ تجھ سے مشورہ لیں گے اور کل دستاویزات پر تیری مہر ہوگی یہ بھی کہا کہ تو تجھے

بمنزلہ بیٹے کے ہے میں نے کہا کہ میں حضور کا غلام اور خادم ہوں پھر تواضعاً بادشاہ نے عربی زبان میں کہا انت سیدنا مخدومنا اس کے بعد شرف الملک سے فرمایا کہ اس کی تنخواہ کافی نہ ہوگی کیونکہ یہ خرچ والا آدمی ہے اس لیے میری صلاح یہ ہے کہ ایک خانقاہ بھی اس کے سپرد کردوں اگر وہ فقیروں کے حال کی خبرگیری کر سکے۔ شرف الملک سے کہا کہ یہ بات اس سے عربی میں کہو۔ بادشاہ سمجھتے تھے کہ شرف الملک عربی اچھی بول سکتا ہے حالانکہ نہیں بول سکتا تھا بادشاہ سمجھ گیا اور کہا بردیکجا بجنبی و آں حکایت براد گوئی و تفہیم کنی۔ تا فردا انشاء اللہ پیش من و جواب او بگوئی یعنی جاؤ اور دونوں رات کو ایک ہی جگہ سوؤ اور سارے بات سمجھا دینا اور کل میرے پاس حاضر ہوکر بتلانا کہ وہ کیا کہتا ہے۔

ہم واپس چلے آئے اور ایک ثلث رات گذر چکی تھی اور نوبت بج چکی تھی نوبت بجنے کے بعد کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا اس لیے ہم نے وزیر کا انتظار کیا اور اس کے ساتھ باہر آئے شہر کے دروازے بند ہوگئے تھے اس لیے ہم رات کو سید ابوالحسن عبادی عراقی کے گھر سراپور خاں کے کوچہ میں سو گئے۔ یہ شخص بادشاہ کے مال سے تجارت کیا کرتا تھا اور عراق اور خراسان سے بادشاہ کے لیے ہتیار اور اسباب خرید کر لایا کرتا تھا۔ دوسرے دن ہم سب کو بلایا گیا اور نقدی اور گھوڑے اور خلعت دیے گئے ہم میں سے ہر ایک نے اس ملک کے دستور کے موافق خلعت کو کندھے پر رکھا اور اسی طرح بادشاہ کے حضور میں داخل ہوکر تعظیم بجا لائے گھوڑوں کے کھروں پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا ہم نے انھیں بوسہ دیا اور پھر لگام پکڑ کر ہم خود بادشاہ کے محل کے دروازہ پر لے گئے اور وہاں سے سوار ہوکے اپنے گھر واپس آئے۔

بادشاہ نے میرے ہمراہیوں کو بھی دو ہزار دینار اور دس خلعت دیے اور کسی کے ہمراہی کو کچھ نہیں ملا کیونکہ میرے ہمراہی ذرا دیکھنے میں صاف اور چہرہ مہرہ والے تھے بادشاہ ان کو دیکھ کر خوش ہوا وہ بھی بادشاہ کی تعظیم بجا لائے اور بادشاہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

قاضی مقرر ہونے کے کافی عرصہ بعد ایک روز میں دیوان خانہ کے صحن میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور میرے برابر مولانا ناصرالدین ترمذی واعظ بیٹھے تھے۔ مولانا ناصرالدین

طلب ہوئے وہ اندر گئے اور بادشاہ نے اُن کو خلعت دیا اور ایک کلام اللہ بھی جس پر موتی جڑے ہوئے تھے عنایت کیا اتنے میں ایک حاجب موڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ نے تیرے واسطے بارہ ہزار دینار کے انعام کا حکم دیا ہے اگر مجھے کچھ دلواؤ تو میں خط خود لے آتا ہوں میں نے سمجھا کہ وہ ہنسی کرتا ہے اور مجھ سے اس حیلہ سے کچھ لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ درست کہہ رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے کہا دو دینار دیتا ہوں جاؤ خط خود لے آؤ چنانچہ وہ لے آیا۔

اس چٹھی میں یہ درج ہوتا ہے کہ اخوند عالم کا حکم ہے کہ خزانہ موفورہ سے فلاں شخص کو فلاں حاجب کی شناخت پر اس قدر روپیہ دے، دو۔ پہلے اس چٹھی پر چٹھی لانے والا جس کی شناخت پر روپیہ دیا جاتا ہے اپنے دستخط کرتا ہے اس کے بعد تین امیروں کے دستخط ہوتے ہیں۔ یعنی خان اعظم قتلو خاں معلم سلطان کے اور خریطہ دار کے جس کے پاس بادشاہ کا قلمدان ہے۔ اور امیر نکبہ دوادار کے جس کے پاس بادشاہ کی دوات رہتی ہے جب یہ سب اپنے دستخط کر چکے ہیں تو دیوان وزارت کے پاس لے جاتے ہیں اس کی متصدی نقل لے لیتے ہیں اس کے بعد اس کی نقلیں دیوان اشراف میں ہوتی ہے اس کے بعد دیوان النظر میں اس کے بعد پروانہ لکھا جاتا ہے جس میں وزیر خزانچی کو حکم دیتا ہے کہ روپیہ دے دو پھر خزانچی اس کو اپنے حساب میں درج کرتا ہے اور ہر روز کے پروانوں کا ایک چٹھا بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کے لیے بادشاہ کا حکم ہوتا ہے کہ فوراً دے دو اس کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے اور جس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ دیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اس کو دیر سے تو ملتا ہے مگر ملتا ضرور ہے خواہ کتنے ہی دن ہو جائیں چنانچہ یہ انعام مجھے چھ مہینے کے بعد دوسرے انعام کے ساتھ ملا جس کا ذکر میں آئندہ کروں گا۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ جس قدر انعام کا حکم دیا جائے اس کا دسواں حصہ وضع ہو کر ملتا ہے یعنی اگر لاکھ کا حکم ہو تو نوے ہزار ملتے ہیں۔ اور دس ہزار کا حکم ہو تو نو ہزار۔

میں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ جو کچھ میرا راستے میں خرچ ہوتا رہا اور جو کچھ میں نے بادشاہ کے حضور میں ہدیہ یعنی نذر گزارنی اور جو کچھ اس کے بعد خرچ ہوتا رہا یہ سب میں نے

سوداگروں سے قرض لیا تھا۔ جب یہ سوداگر اپنے گھر جانے لگے تو تقاضا کرنے لگے میں نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔

ایک روز بادشاہ کرسی پر بیٹھے تھے یہ قصیدہ پیش کیا بادشاہ نے اسے اپنے زانو پر رکھ لیا اور اس کا ایک کنارہ پکڑ لیا دوسرا کنارہ میرے ہاتھ میں رہا۔ میں ایک ایک شعر پڑھتا جاتا تھا اور قاضی القضاۃ کمال الدین اس کے معنے بیان کرتا جاتا تھا۔ بادشاہ بہت خوش ہوتا تھا۔ ہندی عربی شعر سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ جب میں نے ساتواں شعر پڑھا تو بادشاہ نے فرمایا مرحمت۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے تجھ پر رحم کیا اس وقت حاجب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے کھڑے ہونے کے مقام پر لے گئے تاکہ میں تعظیم بجا لاؤں۔ بادشاہ نے فرمایا چھوڑ دو اسے قصیدہ پورا کرنے دو۔ میں نے قصیدہ پورا پڑھ کر سنایا اور پھر تعظیم بجا لایا۔ لوگوں نے مجھے مبارک باد دی لیکن مدت تک کچھ پتہ نہ لگا۔

میں نے ایک عرضداشت لکھی اور قطب الملک حاکم سندھ کو دی وہ اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کی بادشاہ نے اس سے کہا کہ خواجہ جہاں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس کا قرضہ ادا کر دے قطب الملک نے جا کر کہہ دیا۔ خواجہ جہاں نے کہا اچھا لیکن پھر کچھ نتیجہ نہ نکلا اسی اثنا میں بادشاہ نے دولت آباد کے سفر کا حکم دیا اور کچھ دنوں کے لیے بادشاہ شکار کے لیے باہر چلا گیا اور وزیر بھی ساتھ گیا اور اس لیے مجھے بہت دن میں یہ انعام ملا دیر کا سبب میں مفصل بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب میرے قرض خواہوں نے سفر کا ارادہ کیا تو میں نے اُن سے کہا کہ جب میں شاہی محل کے دروازہ پر جاؤں تو تم بادشاہ کی دہائی دینا شاید بادشاہ کو خبر پہنچے اور وہ تمہارا قرضہ ادا کر دے۔ اس ملک کا دستور ہے کہ جب کسی کا قرضہ کسی بڑے آدمی پر ہوتا ہے اور وہ ادا کرنے سے لاچار ہوتا ہے تو اس کے قرض خواہ بادشاہ کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب وہ شاہی محل میں داخل ہونے لگتا ہے تو پکار پکار کر بادشاہ کی دہائی دیتے ہیں اور بادشاہ کے سر کی قسم دلاتے ہیں کہ جب تک ہمارا قرضہ ادا نہ کر دے اندر نہ جائیے اس وقت مقروض کے لیے سوا اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہوتا کہ یا قرضہ ادا کر دے اور یا خوشامد کر کے کچھ مہلت لے لے۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ اپنے باپ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایک محل میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ میں حنے اپنے قرض خواہوں سے کہا کہ اس وقت موقع ہے۔ جب میں محل میں داخل ہونے لگا تو انھوں نے بادشاہ کی دہائی دی کہ تو جب تک قرضہ ادا نہ کردے اندر نہ جا۔ متصدیوں نے یہ خبر فوراً بادشاہ کو لکھی۔ حاجب شمس الدین جو ایک بڑا فقیہ تھا۔ باہر نکلا۔ اور ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم دہائی کیوں دیتے ہو انھوں نے کہا کہ اس شخص پر ہمارا قرضہ ہے وہ واپس اندر گیا اور بادشاہ کو جاکر خبر کی بادشاہ نے دریافت کیا کہ کس قدر قرضہ ہے انھوں نے کہا پچیس ہزار دینار۔ اُس نے جاکر بادشاہ سے عرض کردی اور پھر باہر آکر کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ ہم ذمہ دار ہیں تمھارا قرضہ ہم چکادیں گے اس سے مطالبہ نہ کرو۔

بادشاہ نے عماد الدین سمنانی اور خداوند زادہ غیاث الدین کو حکم دیا کہ دونوں ہزار ستون میں بیٹھ کر دستاویزات کا معائنہ کرو اور تحقیقات کرو کہ یہ قرضہ گرفتنی ہے یا نہیں وہ دونوں بیٹھ گئے اور قرض خواہ ان کے پاس اپنی اپنی دستاویزات لاتے جاتے تھے اور وہ دیکھتے جاتے تھے۔ اُن دونوں نے جاکر عرض کی کہ دستاویزات بالکل درست ہیں بادشاہ ہنسا اور ہنس کر کہا کہ میں جانتا ہوں وہ قاضی ہے اور اپنا کام خوب جانتا ہے پھر خداوند زادہ کو حکم دیا کہ یہ قرضہ خزانے ادا کرے۔ اس نے رشوت کا لالچ کیا اور خط خرد لکھنے میں دیر کی۔ میں نے اس کے پاس دو سو ٹنکہ بھیجے اس نے نہ لیے واپس کردیے لیکن اس کے ایک ملازم نے مجھ سے کہا کہ پانسو ٹنکے مانگتا ہے میں نے کہا کہ میں نہیں دیتا میں نے عبدالملک بن عماد الدین سمنانی سے یہ حال کہہ دیا اس نے اپنے باپ سے ذکر کیا اور اس نے وزیر سے۔ وزیر اور خداوند کے درمیان عداوت تھی اس نے بادشاہ سے عرض کردیا اور اس کے ساتھ اور بھی شکایتیں کیں چنانچہ بادشاہ خداوندزادہ سے ناراض ہوگیا اور اسے نظر بند کردیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ فلاں شخص اس کو یہ رشوت کیوں دیتا تھا اور حکم دیا کہ اس بات کی تحقیقات کی جائے کہ آیا وہ رشوت دیتا تھا اور خداوندزادہ نے انکار کیا یا خداوندزادہ رشوت مانگتا تھا اس نے دینے سے انکار کیا اور اس سبب سے میرے قرضہ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگئی۔

شکار کے لئے بادشاہ کا کوچ

جب بادشاہ شکار کے لئے دارالخلافہ سے باہر گئے میں بھی ساتھ گیا۔ میں نے تمام ضروری اشیاء اس سفر کے لئے خرید لی تھیں۔ ایک ڈیرہ خرید لیا تھا۔ اس ملک میں ڈیرہ ہر شخص رکھ سکتا ہے اور امیروں کے لئے تو وہ ایک ضروری چیز ہے فرق فقط یہ ہوتا ہے کہ شاہی ڈیرہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور باقی امیروں کا سفید جس پر نیلے رنگ کے نقش ہوتے ہیں۔

میں نے ایک صیوان (سائبان) بھی خرید لیا تھا یہ ڈیرہ کے اندر سایہ کے لئے لگایا جاتا ہے اور دو بڑے بانسوں پر کھڑا کیا جاتا ہے یہ بانس لوگ گردنوں پر لے جاتے ہیں ان لوگوں کو کہوائی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ مسافر کیوانیوں کو کرایہ پر نوکر رکھ لیتا ہے اور اسی طرح وہ شخص بھی جو چوپاؤں کے لئے گھاس لاتے ہیں نوکر رکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس ملک میں بھس گھوڑوں کو نہیں کھلاتے اور کہار بھی نوکر رکھے جاتے ہیں یہ لوگ باورچی خانے کے برتن اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اٹھانے والے بھی نوکر رکھے جاتے ہیں یہ لوگ خیمے سرائچہ لگاتے ہیں اور اس میں فرش بچھاتے ہیں اور اسباب کو اونٹوں پر لادتے ہیں اور دوادوی بھی نوکر رکھے جاتے ہیں اور یہ لوگ آگے دوڑتے ہیں اور رات مشال لے کر چلتے ہیں۔

میں نے بھی یہ تمام لوگ یومیہ اجرت پر ساتھ لئے اور بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ چلا میں تو اسی روز شہر سے باہر نکل آیا۔ جس روز بادشاہ کی سواری باہر نکلی تھی اور میرے ساتھ اور آدمی دو دو دو

تین تین دن بعد آئے ۔ بادشاہ نے سواری نکلنے کے دن عصر کے بعد ارادہ کیا کہ ہاتھی پر سوار ہو کر دیکھنے جائیں کہ کون کون تیار ہیں کس کس نے جلد ہی تیاری کی ۔ اور کس کس نے دیر کی اس وقت بادشاہ اپنے ڈیرے کے باہر کرسی پر بیٹھے تھے میں نے آکر سلام کیا اور دائیں ہاتھ پر اپنی مقررہ جگہ پر کھڑا ہو گیا بادشاہ نے میرے پاس ملک قبولہ سر جاندار کو بھیجا جس کا یہ کام ہے کہ وہ چنور ہلاتا ہے اس نے کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ بیٹھ جاؤ اور یہ بادشاہ کی مہربانی تھی ورنہ اور کسی کو اس روز بیٹھنے کی اجازت نہ تھی ۔

اتنے میں ہاتھی آ پہنچا اور سیڑھی لگائی گئی ۔ بادشاہ اس پر سوار ہوئے اور چھتر لگایا گیا اور بادشاہ کے خواص بھی سوار ہو گئے ۔ تھوڑی دیر پھر کر بادشاہ ڈیرے کی طرف واپس آ گئے ۔ دستور یہ ہے کہ جب بادشاہ سوار ہوتے ہیں تو ہر ایک امیر اپنی فوج علم اور طبل اور نفیری اور سرنا ان سب چیزوں کو مراتب کہتے ہیں لے کر سوار ہو جاتا ہے بادشاہ کے آگے آگے فقط پردہ دار یعنی حاجب اور اہل طرب یعنی طوائف اور طبلچی گلے میں طبلے لٹکائے ہوئے اور سرنا بجانے والے ہوتے ہیں اور دائیں طرف پندرہ آدمی ہوتے ہیں اور بائیں طرف بھی اسی قدر آدمی ہوتے ہیں اس جماعت میں وزیر اور بڑے بڑے امیر اور پردیسی شرفا شامل ہوتے ہیں اور میں بھی اہل ریاست میں سے تھا ۔ بادشاہ کے سامنے پیدل اور ماہر ہوتے ہیں اور پیچھے ریشمی اور زریں علم ہوتے ہیں اور اونٹوں پر طبل لگے ہوئے ہوتے ہیں اس کے پیچھے شاہی غلام اور خادم ہوتے ہیں اور ان کے بعد امیر ہوتے ہیں اور عوام الناس ۔ کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کس جگہ قیام ہوگا ۔

جب کوئی جگہ نہر کے کنارے یا درختوں کے جھنڈ میں بادشاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اس جگہ اتر جاؤ ۔ جب تک بادشاہ کا ڈیرہ نہ لگ جائے کوئی ڈیرہ نہیں لگا سکتا پھر ناظر آتے ہیں ہر ایک شخص کو اس کی جگہ بتلاتے ہیں ۔ وسط میں شاہی ڈیرہ لگتا ہے بکری کا گوشت موٹی موٹی مرغیاں وغیرہ شکار پہلے ہی روانہ کر دیا جاتا ہے ۔ امیروں کے لڑکے فوراً حاضر ہو جاتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں سیخ ہوتی ہے ۔ وہ آگ روشن کرتے ہیں اور گوشت کو بھونتے ہیں ایک چھوٹا سا ڈیرہ لگایا جاتا ہے اس کے باہر بادشاہ مع خاص خاص امیروں کے بیٹھ جاتا ہے دسترخوان آتا ہے اور بادشاہ جسے چاہتا ہے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلا لیتا ہے ۔

ایک دن بادشاہ ڈیرے کے اندر تھے ۔ بادشاہ نے دریافت فرمایا کہ باہر کون ہے ۔

سیدناصرالدین مطہراوہری نے جو بادشاہ کے ندیم تھے کہ فلاں شخص مغربی کھڑا ہے اور بہت تنگ حال ہے بادشاہ نے فرمایا کہ کیوں ۔ سیدنے فرمایا کہ اس کے قرض خواہ اس پر سخت تقاضا کرتے ہیں اخوندعالم نے وزیر کو حکم دیا تھا کہ قرض ادا کر دیا جائے ۔ وزیر اس سے پہلے ہی سفر کو چلا یا تو حضور قرض خواہوں کو حکم دیں کہ وزیر کے آنے تک جبر نہ کریں یا ان کا قرضہ چکا دیں ۔ اس وقت ملک دولت شاہ بھی موجود تھا ۔ بادشاہ اس کو چچا کہا کرتے تھا اس نے کہا کہ اخوند عالم یہ شخص مجھ سے ہر روز کچھ عربی میں کہا کرتا ہے اور میں سمجھتا نہیں ۔ سید ناصرالدین سمجھتا ہوگا کہ کیا کہتا ہے اس کا مقصد تھا کہ سید ناصرالدین پر قرضہ کی ادائیگی کا ذکر کرے ۔ سید ناصرالدین نے کہا کہ وہ اسی قرضہ کی بابت کہا کرتا ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب ہم دارالخلافہ میں واپس جائیں تو عم محترم خزانہ میں جاکر اسے یہ روپیہ دلوا دیجئے ۔

خداوندزادہ بھی حاضر تھا اس نے کہا کہ اخوند عالم یہ شخص بڑا خراج ہے ۔ اور یہی حال اس کا سلطان[1] طرمشیریں بادشاہ ماوراالنہر کے دربار میں تھا جہاں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی ۔ یہ بات ہو چکی تھی کہ مجھے بادشاہ نے دسترخوان پر طلب کیا ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری بابت کیا گفتگو ہو چکی ہے جب میں باہر آیا تو سید ناصرالدین نے کہا کہ ملک دولت شاہ کا شکرانہ ادا کر اور ملک دولت شاہ نے کہا کہ خداوندزادہ کا شکریہ کر ۔ ان ہی دنوں جب میں بادشاہ کے ساتھ شکار میں تھا بادشاہ کیمپ میں سوار ہونے کو جاتے تھے ان کا گذر میرے ڈیرے پر ہوا میں بادشاہ کے بائیں ہاتھ پر تھا اور میرے ہمراہی خیمہ میں تھے جب بادشاہ وہاں سے گذرے تو میرے ہمراہیوں نے کھڑے ہو کر سلام کیا ۔ بادشاہ نے عمادالملک اور ملک دولت شاہ کو بھیجا کہ ان لوگوں سے دریافت

---

[1] ایوبی خاندان کے زوال اور خاتمہ کے بعد مصر کی بادشاہت ۔ "خاندان غلاماں (ممالیک) کے ہاتھ میں آئی ۔

۶۷۸ھ میں ملک منصور قلاوون ، جو سلطان صلاح الدین ایوبی کا ترکی غلام تھا ۔ تخت شاہی پر بیٹھا ، ملک ناصر قلاوون اسی کا بیٹا تھا ۔ اس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی ۔ تاتاریوں کی یلغار روکنے میں اس نے تاریخی کارنامے انجام دیئے ۔

کرو کہ یہ کس کا خیمہ اور ڈیرہ ہے انہوں نے آکر جواب دیا کہ فلاں شخص کا ہے بادشاہ سنکر مسکرائے۔ دوسرے دن مجھے اور سید ناصر الدین اور ابن قاضی مصر اور ملک صبیح کو خلعت دیئے گئے اور اجازت دی گئی کہ دار الخلافہ کو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ہم واپس چلے آئے۔

ان ہی دنوں بادشاہ نے ایک روز مجھ سے دریافت فرمایا تھا کہ ملک ناصر اونٹ پر سوار ہوتا ہے کہ نہیں، میں نے عرض کیا۔ حج کے دنوں میں سانڈنی پر سوار ہو کر مصر سے مکہ شریف دس دن میں پہنچ جاتا ہے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اونٹ ایسے نہیں ہوتے جیسے اس ملک کے ہوتے ہیں۔ اور عرض کیا کہ میرے پاس اس ملک کا ایک اونٹ ہے۔

میری طرف سے بادشاہ کو ایک دلچسپ تحفہ،

جب میں دار الخلافہ میں واپس آیا تو میں نے ایک مصری عرب کو بلوایا۔ اس نے میرے لئے سانڈنی کی کاٹھی کا کالبود قیر کا بنوایا۔ وہ میں نے ایک بڑھئی کو دکھلایا۔ اس نے ایک بہت عمدہ پالان اس نمونہ کے مطابق تیار کر دیا۔ میں نے اس کو بانات سے منڈھوایا۔ اور رکابیں بنوائیں۔ اور اونٹ کے اوپر ایک نہایت عمدہ جھول ڈالا اور اس کی مہار ریشم کی تیار کرائی۔ میرے پاس ایک یمن کا باشندہ تھا وہ حلوہ بنانے میں کاریگر تھا۔ اس نے حلوا تیار کیا۔ یہ سانڈنی اور حلوہ میں نے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور لے جانے والے کو ہدایت کی۔ کہ یہ دونوں چیزیں ملک دولت شاہ کے سپرد کر دینا۔ میں نے اس کے واسطے بھی ایک گھوڑا اور دو اونٹ بھیجے۔

جب وہ شخص پہنچا تو ملک دولت شاہ ان چیزوں کو بادشاہ کے پاس لے گیا اور جا کر عرض کیا کہ خوند عالم میں نے ایک عجیب چیز دیکھی۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے اس نے کہا اونٹ پر زین۔ بادشاہ نے کہا کہ ہمارے سامنے لاؤ۔ چنانچہ اونٹ کو ڈیرے کے اندر لے گئے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور میرے آدمی سے کہا کہ اس پر سوار ہو کر دکھلاؤ۔ وہ سوار ہوا اور اونٹ کو بادشاہ کے سامنے چلایا۔ بادشاہ نے اس کو دو سو دینار اور خلعت انعام میں دیئے اور وہ آدمی واپس چلا آیا۔ اور اس نے تمام حال مجھ سے بیان کیا۔ میں سن کر خوش ہوا اور میں نے اسے دو اونٹ دیئے۔

میرا اپنا منصب

قطب الدین خلجی کے مقبرہ کی تولیت اور انتظام

تغلق کی اپنے آقا سے حیرت انگیز محبت

۹ رجمادی اوّل کو بادشاہ ملک معبر کی طرف روانہ ہوا کیونکہ وہاں سید حسن شاہ باغی ہوگیا تھا میں اپنا تمام قرضہ ادا کر چکا تھا اور سفر کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا اور کہاروں اور فراشوں اور دوڑاں کی نو مہینے کی تنخواہ بھی دے چکا تھا۔ مجھے حکم ملا کہ میں دار الخلافہ میں رہوں ۔ حاجب نے مجھ سے اس مضمون کا خط لے لیا کہ مجھے اطلاع ہوگئی ہے یہ اس ملک کا دستور ہے تاکہ جس کو خبر دی گئی ہے انکار نہ کر جائے بادشاہ نے میرے لئے چھ ہزار درہمی دینار دینے کا حکم دیا اور قاضی مصر کو دس ہزار دینار کا اور اسی طرح سے ہر ایک پردیسی کو جس کو ٹھہرنے کا حکم ملا انعام دیا گیا۔ ہندوؤں کو کچھ نہیں ملا ۔

مجھے بادشاہ نے حکم دیا کہ تو سلطان قطب الدین کے مقبرے کا متولی مقرر کیا گیا ہے اس کی نگرانی رکھ۔ بادشاہ اس مقبرے کی نہایت تعظیم کرتے تھے ۔ کیونکہ وہ کسی زمانہ میں سلطان قطب الدین کے نوکروں میں رہ چکے تھے ۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب بادشاہ اس اس مقبرے میں آتے تھے تو سلطان قطب الدین کی پاپوش اٹھا کر چومتے تھے اور اٹھا کر سر پر رکھتے تھے اس ملک میں دستور ہے کہ میت کی پاپوش اس کی قبر کے پاس ایک چوکی پر رکھ دیتے تھے ۔ بادشاہ جب مقبرہ میں داخل ہوتے تھے تو تعظیم کیا کرتے تھے ۔ جیسے کہ بادشاہ کی زندگی میں اس کی تعظیم بجالاتے تھے اور اس کی بیوہ کی بدرجہ غایت تعظیم کرتے تھے ۔ اور اس کو بہن

کہہ کر پکارتے تھے اور اس کو اپنے حرم میں جگہ دی ہوئی تھی بعد میں اس کا نکاح قاضی مصر کے ساتھ کر دیا تھا۔ اور اسی کے سبب سے قاضی کی بھی بہت خاطر ہوتی تھی۔ بادشاہ ہر جمعہ کو اس کے پاس جایا کرتے تھے۔

جب بادشاہ روانہ ہونے لگے تو ہمیں رخصت کے واسطے بلایا۔ ابن قاضی مصر نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں حضور سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا جا سفر کا سامان کر لے یہ اس کے واسطے اچھا ہوا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھا۔ میں شہر میں ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن اس کا انجام اچھا نہ ہوا بادشاہ نے پوچھا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔ میں نے اپنی یادداشت کا ایک پرچہ نکالا۔ بادشاہ نے فرمایا اپنی زبان میں کہو۔ میں نے عرض کیا کہ اخوند عالم مجھے حضور نے قاضی مقرر کیا ہے اب تک میں نے یہ کام نہ کیا تھا۔ اور قضا سے میری مراد فقط اس عہدہ کی بزرگی قائم رکھنا ہے۔ بادشاہ نے مہربانی سے میرے دو نائب مقرر کر دیئے۔ لیکن میں سلطان قطب الدین کے روضہ کا کیا کروں۔ اس میں چار سو ساٹھ آدمیوں کا روزینہ میں نے مقرر کیا ہے اور اس کے اوقات کی آمدنی خرچ کے واسطے کافی نہیں۔

بادشاہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس کی آمدنی پچاس ہزار ہے پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیشک اور وزیر سے کہا لک من غلہ بدہ۔ اور مجھ سے کہا کہ جب تک کہ روضہ کا غلہ آئے تو اس غلہ کو خرچ کر غلہ سے مراد گیہوں اور چاول ہیں اور اس ملک کا من بیس مغربی رِطل کی برابر ہوتا ہے۔ پھر بادشاہ نے فرمایا اور کیا عرض ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ہمراہی اس سبب سے قید میں ہیں کہ انہوں نے ان دیہات سے جن کے عوض بادشاہ کے مجھے اور دیہات دیدیے ہیں۔ کچھ وصول کر لیا تھا۔ اب اہل دیوان کہتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں آمدنی ہوئی ہے وہ سرکار کے خزانہ میں داخل کرو۔ ورنہ بادشاہ کا حکم لاؤ کہ وہ مطالبہ معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تجھے کس قدر آمدنی ہوئی ہے میں نے کہا کہ پانچ ہزار دینار بادشاہ نے فرمایا وہ ہم نے تجھے انعام میں دیئے پھر میں نے عرض کی جو گھر بادشاہ نے مجھے دیا وہ بالکل شکستہ اور ریختہ ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عمارت کنید۔ پھر بادشاہ نے فرمایا وصیت دیگرت میں نے کہا حضور۔ بادشاہ نے فرمایا تو قرض نہ کیا کر ممکن ہے کہ ہم کو خبر نہ پہنچے اور تجھے قرض خواہ

تکلیف پہنچائے۔ اور جس قدر میں دیاکروں اس سے زیادہ خرچ نہ کیا کر کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے فلا تجعل یدک مغلولۃ ولا تبسطھا کل البسط وکلوا واشربوا ولا تسرفوا والذین اذا انفقوا لم یسرفوا وکان بین ذالک قواما۔
میں نے ارادہ کیا کہ بادشاہ کے قدم لوں بادشاہ نے میرا سر پکڑ لیا اور مجھے روک دیا۔ میں نے بادشاہ کے ہاتھ کو چوما اور باہر نکلا۔ شہر میں آکر میں نے اپنے گھر کی تعمیر شروع کی اور اس پر چار ہزار دینار خرچ کئے۔ چھ سو دینار تو مجھے سرکاری خزانہ سے ملے اور باقی میں نے اپنے پاس سے خرچ کئے اور اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بھی بنوائی۔
اس کے بعد میں سلطان قطب الدین کے مقبرے کے انتظام میں مصروف ہو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ اس پر ایک گنبد بنوایا جائے جس کی بلندی سو ہاتھ کی ہو یعنی غازان شاہ عراق کے مقبرے کے گنبد سے بھی بیس ہاتھ زیادہ ہو اور یہ بھی حکم دیا کہ بیس گاؤں خریدے جائیں اور مقبرہ کے لئے وقف کئے جائیں اور خریدنے کا حکم بھی مجھے دیا تھا تاکہ اس کے عشر کا فائدہ مجھے ہو۔ اہل ہند کا دستور ہے کہ مردوں کی قبروں پر کل اشیا جو ان کی حیات میں ضروری ہوتی ہیں موجود رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہاتھی اور گھوڑے بھی قبروں پہ باندھتے ہیں اور قبر کی نہایت آرائش کرتے ہیں میں نے بھی اسی طرح کیا اور ڈھائی سو قرآن پڑھنے والے جن کو اس ملک میں ختمی کہتے ہیں نوکر رکھے اور اسی طالب علموں کی خورد و نوش کا انتظام کیا۔ اور آٹھ مکرّر رکھے اور ایک مدرس نوکر رکھا۔ اسی صوفیوں کے کھانے کا انتظام کیا اور ایک امام اور کئی موذن خوش آواز اور قاری اور مدح خواں اور حاضری نویس اور معرّف بھی نوکر رکھے ان سب کو اس ملک میں ارباب کہتے ہیں اور فراش اور طباخ اور دوڑی اور آبدار یعنی سقے اور شربت پلانے والے اور تنبولی اور سلحدار اور نیزہ دار اور چھتر دار اور طشت دار اور حاجب اور نقیب یعنی پردہ دار اور چوبدار بھی نوکر رکھے۔ اور ان لوگوں کو حاشیہ کہتے ہیں یہ سب تعداد میں چار سو ساٹھ آدمی تھے۔
بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر روز بارہ من آٹا اور بارہ من گوشت پکوایا جائے مگر میں نے دیکھا کہ یہ کافی نہ ہوگا۔ اور زمین بہت تھی میں نے حکم دیا کہ ۳۵ من آٹا اور ۳۵ من گوشت اور

پکایا جائے اور اس کے مطابق شکر اور مصری اور گھی اور پان خرچ ہوتے تھے یہ کل اہل مقبرہ کو اور مسافروں کو کھانا کھلاتا تھا قحط کا زمانہ تھا لوگوں کو بڑی مدد پہنچی اور میری شہرت ہوگئی۔ چنانچہ جب ملک صبیح دولت آباد گیا اور بادشاہ نے اس دہلی کے نوکروں کا حال دریافت کیا اس نے عرض کی کہ اگر دہلی میں فلاں شخص کی مانند دو تین اور آدمی ہوتے تو غریبوں کو کچھ بھی تکلیف نہ ہوتی۔ بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا اور مجھے اپنے خاص پوشش کا خلعت روانہ کیا اور میں دونوں عیدوں کے دن اور مولد نبی کے روز اور یوم عاشورہ اور شبرات اور سلطان قطب الدین کی وفات کے دن سو من آٹا اور گوشت پکوانا تھا۔ اور مساکین اور فقراء کو کھلاتا تھا اور جن لوگوں کے گھر خوان بھیجنے پڑتے تھے وہ اس سے علیحدہ تھے اس دستور کا ذکر میں ابھی کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ملک ہند اور سرائے قفچاق کا دستور ہے کہ جب ولیمہ کا کھانا کھا چکتے ہیں تو ہر ایک شریف (سید) اور فقیہ اور مشائخ اور قاضی کے سامنے ایک خوان گہوارہ کی شکل کا ہوتا ہے اور جس کے نیچے چار پائے ہوتے ہیں اور کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا ہے لاکر رکھتے ہیں اوّل اس میں چپاتیاں رکھتے ہیں اور اس کے اوپر بکرے کی بھنی ہوئی سری اور چار ٹکیاں جن کے اندر حلوا صابونیہ بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے اوپر چار خشت حلوے کی رکھی جاتی ہیں اور ایک چمڑے کے چھوٹے سے طباق میں سمو سہ اور حلوا ہوتا ہے یہ سب چیزیں اس رکھ کر اوپر ایک روئی کے کپڑے کا رومال ڈھک دیتے ہیں اور جو لوگ درجے میں کم ہوتے ہیں ان کے واسطے تعداد کم کرتے جاتے ہیں اور ہر ایک شخص جس کے سامنے خوان لاکر رکھا جاتا ہے اس کو اٹھا کر لیجاتا ہے اوّل میں نے یہ رسم شہر سرائے میں سلطان ازبک کے دار الخلافہ میں دیکھی تھی میں نے اپنے آدمیوں کو بھی منع کیا کہ نہ اٹھاؤ کیونکہ یہ ہماری عادت کے خلاف تھا۔ بڑے بڑے آدمیوں کے گھر اسی طرح خوان بناکر بھیجے جاتے ہیں۔

امروہہ اور بجنور کا سفر

بادشاہ کے حسب الحکم وزیر نے مجھے دس ہزار من غلہ تو دے دیا اور باقی کی بابت حکم لکھ دیا کہ باقی امروہہ[1] کے علاقہ سے دیا جائے۔ اُس وقت وہاں کا حاکم عزیز خمار تھا اور وہاں کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا۔ میں نے اپنے آدمی بھیجے انھیں کچھ غلہ مل تو گیا لیکن امیر خمار کے سخت برتاؤ کی شکایت بھی مجبورے کی چنانچہ باقی غلہ لینے میں امروہہ خود گیا۔

یہ علاقہ دہلی سے تین دن کی مسافت پر ہے برسات کا موسم تھا۔ ۳۳ آدمی اپنے ساتھ لے گیا۔ اور دو ڈوم بھی اپنے ساتھ لے لیے دونوں بھائی تھے اور گانا بہت اچھا جانتے تھے ہم بجنور[2] میں پہنچے وہاں تین ڈوم اور ہیں یہ بھی تینوں بھائی تھے کبھی تو اُن دونوں بھائیوں سے گانا سنتا اور کبھی ان تینوں بھائیوں سے، یہاں تک کہ ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے ملک کے اہل کار استقبال کے لیے باہر آئے، شہر کا قاضی شریف علی اور خانقاہ کا شیخ دونوں آئے اور دونوں نے مل کر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔

عزیز خمار اس وقت افغان پور میں تھا جو دریائے سرجو کے کنارے ہے یہ دریا ہمارے اور

---

[1] ضلع مراد آباد کا ایک معروف اور مردم خیز قصبہ۔

[2] نہایت قدیم شہر ہے۔ اب اور ترقی کر گیا ہے۔

افغان پور کے درمیان حائل تھا اور کوئی کشتی نہ تھی آخر ہم نے لکڑی اور گھاس کی کشتی بنا کر اسباب اس پر رکھ کر پار اتارا اور ہم خود دوسرے دن دریا کے پار گئے عزیز خمار کا بھائی نجیب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہمارے استقبال کو آیا ہمارے لیے انھوں نے ایک ڈیرہ لگایا پھر اُس کا بھائی والی آیا یہ شخص نام مشہور تھا اور ڈیڑھ ہزار گاؤں اس کے ماتحت تھے جن کا محصل ساٹھ لاکھ تھا جس میں سے بیسواں حصہ اُس کو ملتا تھا اس دریا کی خاصیت عجیب ہے برسات کے موسم میں کوئی شخص اس کا پانی نہیں پیتا اور کسی جانور کو پلاتا ہے۔ ہم تین دن اُس کے کنارے ٹھیرے ہم نے اُس کا پانی بالکل پیا اور نہ قریب گئے یہ دریا کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے اس پہاڑ میں سونے کی کان ہے اور یہ دریا زہریلی بوٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے اس لیے جو اُس کا پانی پیتا ہے مرجاتا ہے۔ یہ پہاڑ تین مہینے کی مسافت تک برابر چلا جاتا ہے۔ اس کے دوسری طرف تبت کا ملک ہے۔ جہاں غزال مشک ہوتا ہے اس پہاڑ میں جو مسلمانوں کی درگت ہوئی وہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

اس شہر میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انھوں نے پہلے تو سماع سنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں کود پڑے، ذرا جو نقصان پہنچا ہو۔ اس علاقہ کے امیر شمس الدین بدخشانی اور اُس کے والی عزیز خمار کے درمیان کچھ تنازع ہو گیا تھا۔ شمس الدین لڑنے کے لیے آیا تو عزیز خمار گھر میں گھس کر بیٹھ گیا۔ ہر ایک نے وزیر کے پاس شکایت کی۔ وزیر نے مجھے اور ملک شاہ امیر الممالک کو جس کے ماتحت چار ہزار شاہی غلام تھے اور شہاب الدین رومی کو کہلا بھیجا کہ ان دونوں کے تنازع کا فیصلہ کر دو۔ اور جو جھوٹا ہو اُس کو باندھ کر دارالخلافہ کو روانہ کر دو۔ سب کے سب میرے گھر میں جمع ہوئے۔

عزیز خمار نے شمس الدین پر کئی دعوے کیے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اُس کے ایک ملازم رضی ملتانی نے جو عزیز خمار کے خزانچی کے گھر آکر اترا شراب پی اور خزانچی کے مال میں سے پانچ ہزار دینار چرا لیے میں نے رضی سے دریافت کیا کہ وہ کیا جواب دیتا ہے اُس نے کہا کہ میں آٹھ سال ہوئے ملتان سے آیا ہوں۔ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ میں نے پوچھا کہ ملتان میں تو نے شراب پی تھی۔ اُس نے کہا ہاں۔ میں نے اُس کے اسی درے لگوائے اور عزیز خمار کے مقدمہ میں اُس کو قید کیا۔ میں امروہہ سے واپس آیا اور وہاں میں دو مہینے تک رہا تھا۔ ہر روز اپنے ہمراہیوں کے لیے ایک گائے ذبح

ہوتا تھا اپنے ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ آیا کہ عزیز سے غلہ لے کر آئیں۔ اُس نے گاؤں والوں کو لکھ دیا
تھوڑی ہزار من غلہ تین ہزار بیلوں پر لاد کر پہنچا آویں۔ اہل ہند بیلوں پر بوجھ لادتے ہیں۔
در سفر میں اسباب بھی اُسی پر لادا کرتے ہیں گدھے پر سواری کرنے کو بڑا عجیب سمجھتے ہیں گدھے
اس ملک میں چھوٹے ہوتے ہیں اور اُن کو لاشہ کہتے ہیں اگر کسی شخص کی تشہیر کرنی ہوتی ہے
تو اس کو درّے مار کر گدھے پر سوار کرتے ہیں ۔

مجھ پر عتابِ شاہی

میں نے ترکِ دنیا کا فیصلہ کرلیا

میں ایک روز شیخ شہاب الدین ابن شیخ جام کی زیارت کو اُس غار میں جو اُس نے دہلی سے باہر بنایا تھا گیا تھا - میرا مطلب زیادہ تر غار کے دیکھنے کا تھا۔ جب بادشاہ نے اسے گرفتار کیا اور اُس کے بیٹوں سے پوچھا کہ تمھارے باپ سے ملنے کون کون لوگ آتے تھے۔ تو انھوں نے میرا بھی نام لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ چار غلاموں کا پہرہ میرے دیوان خانہ پر رہے۔ جس پر پہرہ قائم ہوتا ہے اس کا بچنا مشکل ہوتا ہے۔ مجھ پر جمعہ کے دن پہرہ لگا میں نے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھنا شروع کیا اور اُس روز میں نے ۳۳ ہزار دفعہ یہ پڑھا رات کو میں دیوان خانہ میں رہا اور پانچ روز کا ایک روزہ رکھا - ہر روز ایک کلام اللہ ختم کرتا تھا - اور پانی سے افطار کرتا تھا -

پانچ دن کے بعد میں نے روزہ کھولا اور چار دن کا پھر روزہ رکھا - شیخ کے قتل کے بعد میری رہائی ہوئی الحمد للہ تعالےٰ اس کے بعد میرا دل ملازمت سے کھٹا ہو گیا اور میں شیخ امام عالم عابد زاہد خاشع فرید الدہر وحید العصر شیخ کمال الدین عبداللہ غاری کی خدمت میں جا رہا یہ بزرگ اولیاء اللہ میں سے تھے اور اُن کی کراماتیں مشہور تھیں۔ میں نے دنیا ترک کرکے اور اپنا سب مال فقراء و مساکین کو تقسیم کرکے شیخ کی خدمت اختیار

شیخ دس دن اور بعض دفعہ بیس بیس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ میرا دل بھی چاہتا تھا کہ میں بھی اسی طرح روزے رکھوں مجھے شیخ روک دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ عبادت میں اپنے نفس پر سختی نہ کیا کرو اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ دل سے توبہ کرنے والے کے واسطے سفر کرنے یا پیادہ چلنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ میرے پاس کچھ مال باقی تھا اس سبب سے میرے دل میں قبض رہا کرتا تھا۔ پھر میں نے جو کچھ میرے پاس تھا سب دے دیا، اور اپنے کپڑے بھی ایک فقیر کو دے دیے اور اُس کے کپڑے آپ پہن لیے اور پانچ مہینے تک اسی شیخ کے پاس رہا۔

بادشاہ سندھ گیا ہوا تھا۔ جب بادشاہ کو خبر پہنچی کہ میں تارک الدنیا ہو گیا تو اُس نے مجھے بلایا۔ اُس وقت بادشاہ سیوستان (سیہواں) میں تھا۔ میں فقیروں کے لباس میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ مجھ سے نہایت ملائمت کے ساتھ گفتگو کی اور فرمایا کہ پھر ملازمت اختیار کر لو۔ میں نے انکار کیا۔ اور حج کے لیے اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ میں بادشاہ کے پاس سے واپس باہر چلا آیا اور ایک خانقاہ میں جو ملک بشیر کے نام سے مشہور تھی ٹھیر گیا۔ اب ماہ جمادی الثانی کا اخیر اور ۷۴۲ھ تھا۔ میں نے رجب کے مہینے میں شعبان کی دسویں تاریخ تک وہاں ایک چلّہ کھینچا اور رفتہ رفتہ پانچ پانچ دن کا روزہ رکھنے لگا۔ پانچویں دن تھوڑے سے چاول بغیر سالن کے کھاتا تھا۔ اور دن بھر قرآن پڑھتا رہتا تھا اور رات کو جس قدر اللہ نے چاہا تہجد پڑھتا تھا۔ جب کھانا کھاتا تھا تو مجھے گرانی معلوم ہوتی تھی اور جب تک قے نہ کر دیتا تھا آرام نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح سے میں نے چالیس روز پورے کیے۔

جب چالیس دن ہو چکے، تو بادشاہ نے میرے پاس ایک گھوڑا مع زین کے اور لونڈیاں اور غلام کپڑے اور خرچ بھیجا۔ میں نے کپڑے پہن لیے میرے پاس ایک روئی کا استردار جبہ نیلے رنگ کا تھا جسے میں چلے کے دنوں میں پہنا کرتا تھا۔ جب میں نے وہ اتارا اور بادشاہی خلعت پہنا تو میرے نفس نے ابا کیا۔ اور

جب میں جبہ کی طرف دیکھتا تھا تو اپنے دل میں نور پاتا تھا، یہ جبہ برابر میرے پاس رہا یہاں تک کہ کافروں نے سمندر میں میرے کپڑے اتار لیے۔ اور جب مجھے لوٹ لیا تو وہ بھی جاتا رہا۔ ●

چین کی سفارت پر میرا تقرر

سامان سفر کی تیاری، دہلی سے روانگی، دیار ہند کی سیاحت

جب میں بادشاہ کے پاس پہنچا میری پہلے سے بھی زیادہ تعظیم کی اور فرمایا میں تجھے اپنی طرف سے سفیر بنا کر بادشاہ چین کے پاس بھیجتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تجھے سفر اور جہاں گردی کا بہت شوق ہے۔ بادشاہ نے سفر کا تمام سامان پیدا کر دیا، اور میرے ہمراہ جانے کے لیے آدمی مقرر کیے۔

بادشاہ چین نے تغلق کے پاس سو غلام اور لونڈیاں اور پان سو تھان کمخواب کے جن میں سو شہر زیتون کے بنے ہوئے تھے اور سو شہر خنسان کے اور پانچ من مشک اور پانچ خلعت جن میں جواہر جڑے تھے اور پانچ ترکش طلاکار اور پانچ تلواریں بھیجیں اور یہ بھی درخواست کی کہ کوہ ہمالہ میں جو بتخانے ہیں اُن کو بنانے کی پھر اجازت دی جائے اُس پہاڑ میں ایک جگہ ہے جس کو سمبھل کہتے ہیں وہاں چین کے لوگ جاترا کو آتے ہیں۔ جب بادشاہ نے پہاڑ پر حملہ کیا تو اس شہر اور بت خانہ کو برباد کر دیا تھا۔

تغلق نے اسے یہ جواب بھیجا کہ ملک اسلام میں سوا اُس شخص کے جو جزیہ دے بتخانہ بنانے کی کسی اور کو اجازت نہیں ہوسکتی اگر بادشاہ چین جزیہ دینا منظور کرے تو اجازت ہوسکتی ہے[1]

---

[1] البتہ تحفے بادشاہ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چین کے تحفوں سے بھی بڑھ کر بھیجے سو غیر مسلم غلام اور سو لونڈیاں جو گاتا اور ناچنا جانتی تھیں۔ اور سو تھان جیر میہ کپڑے کے جو سوت کا بنا ہوتا ہے اور خوب صورتی میں بے نظر ہوتا ہے۔ ایک ایک تھان کی قیمت سو سو دینار ہوتی ہے اور سو تھان ریشمی کپڑے کے جس کو جُز کہتے ہیں، جس میں پانچ رنگوں کا ریشم استعمال کیا جاتا ہے اور ایک سو چار تھان صلاحیہ کے اور سو تھان شیریں باف کے اور پانسو تھان مرعز کے (جو ایک قسم کا اونی کپڑا ماردین سے بن کر آتا ہے) جس میں سے سو تھان سیاہ رنگ کے اور سو تھان سفید رنگ کے اور سو سرخ رنگ کے اور سو سبز رنگ کے اور سو نیلے رنگ کے اور سو تھان کتان رومی کے اور سو خیمے قزاگند کے اور ایک ڈیرہ اور چھ خیمے اور چار شمعدان سونے کے اور چار شمعدان چاندی کے جن پر مینا کاری کا کام تھا اور چار سونے کے طشت مع لوٹوں کے اور چھ چاندی کے طشت اور دس خلعت بادشاہ کی پوشش کے زردوز اور دس شاشیہ کلاہ جس میں سے ایک پر جواہر لگے ہوئے تھے اور دس ترکش طلا کار جس میں سے ایک پر موتی جڑے ہوئے تھے اور دس تلواریں جس میں سے ایک کے نیام پر موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور پندرہ نوجوان غلام۔

یہ سب چیزیں بادشاہ نے روانہ کیں اور میرے ساتھ جانے کے لیے امیر ظہیر الدین زنجانی کو حکم دیا یہ شخص بڑا عالم فاضل تھا جملہ ساز و سامان اپنے غلام کافور شربدار کی تحویل میں روانہ کیا اور ہمیں سمندر تک پہنچانے کے لیے ہمارے ساتھ امیر محمد ہروی اور ہزار سوار بھیجے اور بادشاہ چین کی سفارت جس میں پندرہ آدمی تھے اور سفیر کا نام ترسی تھا اور سو خادم اُس کے ہمراہ تھے یہ سب بھی ہمارے ساتھ چلے اس طرح سے ہمارے ساتھ ایک بڑی جماعت ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام رستے میں ہماری ضیافت سرکار کی طرف سے ہوتی رہے۔

صفر ۷۴۳ھ کی سترھویں تاریخ کو ہم روانہ ہوئے۔ اس ملک میں اکثر دوسری، ساتویں

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) اللہ اللہ، کیا زمانہ تھا، ہندوستان کا سلطان، چین کے فرماں روا سے جزیہ کا مطالبہ کرتا ہے ـــــ چین جو اس وقت بھی اتنا ہی بڑا، طاقتور اور عظیم ملک تھا جتنا آج ہے، یہ حقیقت آج کتنی ناقابل یقین نظر آتی ہے۔!

(رئیس احمد جعفری)

بارھویں، سترھویں، بائیسویں یا تائیسویں کو سفر کرتے ہیں۔ اول دن ہم نے موضع تلپت میں قیام کیا دہلی سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پہ واقع ہے اور اُس کے بعد آؤ میں اور اس کے بعد بیانہ میں پہنچے۔

شہر بیانہ میں ہمارا ورود

بیانہ[1] ایک بہت بڑا خوب صورت شہر ہے اُس کے بازار بہت خوب صورت ہیں اور جامع مسجد بھی نادر بنی ہوئی ہے اس کی دیواریں اور چھت پتھر کی ہے اور مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا وہاں کا حاکم ہے اُس سے پہلے ملک مجیر ابن ابی رجا وہاں کا حاکم تھا اس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں اپنے تئیں زبیری بتاتا تھا لیکن ظالم اور بے رحم پرلے درجہ کا تھا اُس نے اس شہر کے بہت سے باشندوں کو قتل کر ڈالا اور بہت لوگوں کے ہاتھ پیر کٹوا دیے۔

کول[2] میں آمد، ہندوں سے جہاد، حیرت انگیز مشاہدات و تجربات

پھر ہم شہر کول میں پہنچے، یہاں باغ بکثرت ہیں اور اکثر باغ آم کے ہیں۔ ہم شہر کے باہر میدان میں ٹھیرے تھے وہاں میں نے شیخ صالح عابد شمس الدین کی جو تاج العارفین کے لقب سے مشہور تھے زیارت کی۔ وہ نابینا تھے اور عمر بھی بہت زیادہ تھی، جب ہم کول میں پہنچے تو خبر آئی کہ ہندوں نے شہر جلالی[3] کا محاصرہ کر لیا ہے یہ شہر کول سے ۷ میل کے فاصلہ پر تھا ہم نے وہاں جانے کا ارادہ

---

[1] یہ شہر ریاست بھرت پور میں واقع ہے، ۴۱۲ھ میں اسے حضرت سید سالار مسعود غازی نے فتح کیا تھا، مسلمانوں کے عہد کی بہت سی شاندار یادگاریں یہاں موجود ہیں، مسلمان بھی خاصی تعداد میں آباد تھے مگر اب شب ۱۹۴۷ء کے بعد اگر کچھ ہیں بھی تو نہ ہونے کے برابر۔

[2] کول۔ موجودہ علی گڑھ۔

[3] جلالی ایک قصبہ ہے، اور اب تک آباد ہے، علی گڑھ سے چند میل کے فاصلے پر!

(رئیس احمد جعفری)

کیا اس شہر کے باشندے ہندوں سے لڑ رہے تھے اور ہلاک ہونے کے قریب تھے۔ ہندوں کو ہمارے آنے کی خبر نہیں تھی۔ ہم نے اُن پر حملہ کیا۔ وہ ایک ہزار سوار تین ہزار پیادے تھے ہم نے اُن سب کو مار ڈالا۔ اُن کے گھروں اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلیا۔ ہمارے بھی ۲۳ سوار اور ۵۰ پیادے شہید ہوئے اور کافور ساقی یعنی شربدار جس کی تحویل میں شاہ چین کی مدر تھی لڑائی میں شہید ہوگیا۔ ہم نے بادشاہ کو شہادت کی خبر بھیجی۔ اور جواب کے انتظار میں یہیں ٹھہر گئے۔

ہندو پہاڑوں سے نکل نکل کر جلالی کے شہر پر حملہ کرتے تھے۔ اور ہمارا امیر ہر روز ہم کو لے کر ان کے مقابلہ کے لیے جاتا تھا۔ ایک دن میں ایک جماعت کے ساتھ سوار ہو کر باہر گیا اور ہم سب ایک باغ میں داخل ہوئے۔ گرمی کا موسم تھا ہم نے شور کی آواز سنی۔ اور سوار ہو کر ایک گاؤں کی طرف گئے۔ جس پر ہندو آپڑے تھے۔ ہم نے اُن کا تعاقب کیا۔ وہ پراگندہ ہوگئے اور میرے ہمراہی بھی اُن کے تعاقب میں مختلف سمتوں میں چلے گئے۔ میرے ساتھ فقط چند آدمی رہ گئے۔

ناگاہ ایک جھاڑی میں سے کچھ سوار اور پیادے نکلے، انھوں نے ہم پر حملہ کیا۔ ہم تعداد میں تھوڑے سے تھے بھاگ نکلے، ان میں سے دس آدمیوں نے ہمارا تعاقب کیا اب ہم فقط تین آدمی رہ گئے تھے، زمین پتھریلی تھی اور کوئی رستہ ظاہر نظر نہ آتا تھا۔ میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں پتھروں میں پھنس گئے تھے۔ میں نیچے اترا اور اس کے پاؤں نکالے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا۔ یہاں دو تلواریں رکھتے ہیں ایک تو زین میں لٹکی ہوئی ہوتی ہے اس کو رکابی کہتے ہیں اور دوسری ترکش میں ہوتی ہے۔ میری رکابی تلوار نیام سے نکل کر گر پڑی اس کا دستہ سونے کا تھا میں اسے اٹھانے کے لیے گھوڑے سے اترا۔ اور پھر زین میں لٹکا لیا۔ اور سوار ہو کر چلا دشمن میرے پیچھے پیچھے آتے تھے میں ایک خندق کے کنارے پہنچا۔ اور خندق میں اتر گیا۔ اور پھر ان کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ خندق میں سے پانی کا ایک رستہ تھا۔ جس پر دونوں طرف درخت جھکے ہوئے تھے اس کے وسط میں راستہ جاتا تھا اس رستے پڑ لیا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں پہنچوں گا ناگاہ تقریباً چالیس آدمی نظر آئے اُن کے پاس تیر تھے انھوں نے مجھے گھیر لیا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں

جاؤں تو ان میں سے کوئی تیر نہ مارے کیونکہ اس وقت میرے بدن پر زرہ نہ تھی اس لیے میں زمین پر بیٹ گیا اور اشارہ سے کہا کہ میں تمھارا قیدی ہوں جب کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو یہ لوگ قتل نہیں کرتے انھوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میرے کپڑے اتار لیے اور فقط ایک جبہ اور پاجامہ اور قمیص میرے بدن پر چھوڑ دیا اور مجھے جھاڑی کے اندر لے گئے۔

یہ لوگ ایک حوض کے کنارے ہوتے تھے مجھے بھی وہاں لے گئے یہ حوض درختوں کے درمیان تھا وہاں پہنچ کر انھوں نے مجھے ماش کی روٹی دی میں نے کھائی اور پانی پیا۔ اُن کے ساتھ دو مسلمان بھی تھے انھوں نے مجھ سے فارسی میں دریافت کیا کہ میں کون ہوں میں نے اپنا حال بتایا مگر یہ نہ کہا کہ میں بادشاہ کا ملازم ہوں۔ انھوں نے کہا کہ یہ لوگ تجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے لیکن ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ شخص اُن کا سردار ہے میں نے ان دونوں مسلمانوں کی معرفت اس سے گفتگو کی اور نرمی اور خوشامد کی باتیں کیں۔ اُس نے مجھے تین آدمیوں کے سپرد کیا ایک اُن میں سے بوڑھا آدمی تھا دوسرا اس کا بیٹا تھا اور تیسرا ایک کالا خبیث تھا اس نے کچھ بات اُن لوگوں سے کی۔ میں سمجھ نہ سکا کہ اس نے مجھے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ وہ مجھے اٹھا کر ایک غار کی طرف لے گئے بوڑھا اور اُس کالے آدمی کو بخار اور لرزہ ہو گیا اس نے میرے اوپر اپنے دونوں پاؤں رکھ لیے۔ بوڑھا اور اس کا بیٹا سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو بات چیت کر لگے اور میری طرف اشارہ کیا کہ تو ہمارے ساتھ حوض پر چل۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں میں نے ... کی خوشامد کی اس کو رحم آ گیا میں نے اپنی قمیص کی دونوں آستینیں پھاڑ کر اس کو دے دیں تاکہ وہ اپنے ہمراہیوں کو دکھلا کر کہہ سکے کہ قیدی زبردستی بھاگ گیا۔

جب ظہر کا وقت ہوا تو ہم نے سنا کہ کچھ شخص حوض کے کنارے باتیں کر رہے ہیں بوڑھے نے جانا کہ اس کے ساتھی آن پہنچے اس لیے اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میرے ساتھ چلا آ۔ جب ہم حوض پر پہنچے تو وہاں ایک خوبصورت نوجوان نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے میں چھوڑ دوں میں نے کہا ہاں اُس نے کہا کہ جا چلا جا میں نے اپنا جبہ اُس کو دے دیا اور اس نے مجھے اپنی پرانی گدڑی دے دی اور مجھے کہا کہ وہ رستہ ہے اس رستے چلا جا۔ میں چل دیا۔ ... ایک شخص نظر پڑا میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو یہ شخص کالے رنگ کا تھا اور اُس کے ہاتھ

میں لوٹا اور عصا تھا اور اس کے کندھے پر جھولی تھی اس نے مجھ سے سلام علیکم کی میں نے علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب دیا۔ اُس نے مجھ سے فارسی میں دریافت کیا۔ چہ کسی۔ میں نے کہا کہ میں رستہ بھول گیا ہوں اس نے کہا میں بھی رستہ بھولا ہوا ہوں پھر اس نے اپنا لوٹا رسی میں باندھا جو اس کے پاس تھی اور پانی کھینچا۔ میں نے ارادہ کیا کہ پانی پیوں اس نے کہا صبر کر اور اپنی جھولی سے بھنے ہوئے چنے اور لائی نکالے میں نے وہ کھائے اور پانی پیا اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی میں نے بھی وضو کیا اور نماز پڑھی۔

مجھ سے اس نے میرا نام پوچھا میں نے کہا محمدؐ میرا نام ہے پھر میں نے اُس سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے کہا قلب فارح (خوش دل) میں نے کہا فال تو اچھی ہے اور میں چل دیا۔ اُس نے کہا کہ میرے ساتھ چل میں نے کہا اچھا، تھوڑی دور میں اُس کے ساتھ گیا کہ پیر نے اعضا نے جواب دیا اور میں کھڑا نہ رہ سکا اور بیٹھ گیا اس نے پوچھا کیا حال ہے میں نے کہا کہ تیرے ملنے سے پہلے میں چل سکتا تھا اب چلا نہیں جاتا اُس نے کہا سبحان اللہ آ میری گردن پر سوار ہو۔ میں نے کہا تو ضعیف آدمی ہے۔ مجھے اٹھا نہیں سکے گا۔ اُس نے کہا تجھے سوار ہونا پڑے گا خدا مجھے طاقت بخشے گا۔ میں اس کی گردن پر سوار ہو لیا اس نے مجھ سے کہا کہ تو حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل پڑھتا چلا جا۔ میں نے اُس کا ذکر شروع کیا اور مجھے نیند آگئی جب اُس نے مجھے زمین پر رکھا تو اس وقت میری آنکھ کھلی۔ میں بیدار ہوا مگر اُس آدمی کا پتہ نہ لگا میں نے اپنے تئیں ایک آباد گاؤں میں پایا۔ میں اس میں داخل ہوا تو اس میں ہندو رہتے تھے مگر وہ بادشاہ کی رعیت تھے۔ اور ان کا حاکم مسلمان تھا اُس کو لوگوں نے خبر کی تو وہ میرے پاس آیا اُس سے میں نے دریافت کیا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے اُس نے کہا تاج پورہ اور یہاں سے کول دو فرسخ ہے۔

وہ حاکم مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھے گرم گرم کھانا کھلایا اور غسل دلایا اور کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک عمامہ ہے جو ایک شخص مصری کول کے کیمپ سے آ کر میرے پاس رکھ گیا تھا میں نے کہا کہ لاؤ میں پہن لوں جب لایا تو معلوم ہوا کہ میرے ہی کپڑے ہیں۔ میں نہایت متعجب ہوا اور سوچ رہا تھا کہ وہ شخص جو مجھے اپنی گردن پر سوار کر کے لایا کون تھا مجھے یاد آیا کہ مجھ سے ولی اللہ ابو عبداللہ مرشدی نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ تو ہندوستان جائے گا اور وہاں

یرابھائی تجھے ملے گا اور وہ تجھے ایک مصیبت سے رہائی دے گا اب مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو انھوں نے ولشاد نام تبلایا تھا اور قلب فارح کا بھی یہی ترجمہ ہے اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ وہی شخص تھا جس کی خبر مجھے شیخ ابو عبداللہ مرشدی نے دی تھی اور وہ ضرور ولی اللہ تھا میں نے افسوس کیا کہ مجھے اُس کی صحبت زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوئی۔

اسی رات میں چل کر کیمپ میں آیا اور اپنے سلامتی سے واپس آنے کی خبر دی وہ میرے پاس گھوڑا اور کپڑا لائے، اور میرے آنے سے بہت خوش ہوئے اس عرصہ میں بادشاہ کا جواب بھی آگیا تھا اس نے ایک اور غلام سنبل نام کو بجائے کافور شہید کے روانہ کیا تھا اور ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم آگے بڑھیں اور سفر جاری رکھیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ انھوں نے میرا حال بھی بادشاہ کو لکھ دیا تھا اور کافور کے مرنے اور میرے قید ہو جانے کو فال بد سمجھ کر بادشاہ سے واپس آنے کی درخواست کی تھی جب بادشاہ نے سفر جاری رکھنے کی تاکید کی تو میں نے بھی تائید کرکے اپنے ارادے کو مضبوط کیا۔

ہم نے کول سے کوچ کیا۔ دوسرے دن برج پورہ میں منزل کی اور وہاں ایک نہایت عمدہ خانقاہ تھی اور اُس میں ایک شیخ کی جو صورت اور سیرت دونوں میں اچھا تھا اور جس کا نام محمد عریاں تھا زیارت کی یہ شیخ فقط ایک تہ بند بدن پہ باندھے ہوئے تھے اور باقی تمام بدن ننگا رکھتے تھے اور وہ شیخ صالح ولی اللہ محمد عریاں ساکن قرافہ مصر کے شاگرد تھے۔ یہ شیخ اولیاء اللہ میں سے تھے اور مجرد رہتے تھے اور فقط ایک تہ بند ناف سے لیکر پاؤں تک باندھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عشا کی نماز کے بعد جو کچھ اُن کی خانقاہ میں کھانا یا غلہ یا پانی وغیرہ ہوتا تھا اسے غریب لوگوں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور چراغ کی بتی بھی پھینک دیتے تھے اور کل کیا ہوگا؛ اس کی ذرا فکر نہ کرتے۔!

کالی ندی اور قنوج

برج پورے سے چل کر ہم ایک دریا پر جس کو آب سیاہ (کالی ندی) کہتے تھے پہنچے۔ پھر قنوج[1] پہنچے

---

[1] بہت قدیم شہر ہے، فرخ آباد (یوپی) کے ضلع میں واقع ہے یہ اپنے وقت کا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ بہت بڑا شہر ہے قلعہ بڑا مضبوط ہے اور شکر کی ارزانی اور پیداوار کے لیے پہنچے۔ شکر یہاں سے دہلی لے جاتے ہیں اُس کی فصیل بھی بہت اونچی ہے، یہاں شیخ معین الدین باخرزی رہتے ہیں انھوں نے ہماری دعوت کی اور اس شہر کا حاکم فیروز بدخشانی بہرام چوبیں مصاحب کسریٰ کی اولاد سے ہے اس شہر میں بہت سے نیک مرد اور فاضل جو شرف جہاں کی اولاد میں سے ہیں سکونت رکھتے ہیں اُن کا دادا دولت آباد میں قاضی القضاۃ تھا اور وہ نیکوکاری اور خیرات میں بہت مشہور تھا۔

ہنول۔ وزیرپور۔ بجالسہ۔ موری میں داخلہ

قنوج سے چل کر ہم ہنول پہنچے۔ وہاں سے وزیرپور۔ پھر بجالسہ۔ پھر موری۔ یہ چھوٹا سا شہر ہے لیکن بازار اچھے ہیں وہاں میں نے شیخ قطب الدین حیدر غازی کی زیارت کی وہ بیمار تھے، انھوں نے میرے لیے دعا کی اور ایک جو کی روٹی مجھے عنایت کی وہ کہتے تھے کہ میری عمر ڈیڑھ سو سال کی ہے۔ اُن کے دوست کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور بعض وقت کئی کئی دن کے بعد افطار کرتے ہیں اور اکثر اعتکاف اور چلّہ میں بیٹھتے ہیں اور چالیس دن میں فقط چالیس کھجوریں ایک کھجور ہر روز کھاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم شہر مرہ میں پہنچے یہ بڑا شہر ہے اور اکثر باشندے ذمی ہندو ہیں اس میں قلعہ بھی ہے گیہوں اس جگہ بہت اچھا ہوتا ہے دہلی میں لے جاتے ہیں ایسا گیہوں میں نے چین کے سوا کہیں نہیں دیکھا دانہ لمبا اور زرد اور موٹا ہوتا ہے یہ شہر قوم مالوہ کی طرف منسوب ہے یہ ہندوؤں کا ایک

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بہت بڑا تہذیبی اور ثقافتی مرکز تھا، اور سیاسی اعتبار سے بھی سارے ہندوستان پر اسے برتری حاصل تھی، سنہ ء میں چینی سیاح فاہیان بدھ آثار کی زیارت کے لیے آیا تھا، اس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے اپنے اپنے وقت میں اس پر چڑھائی اور فتح کیا۔ اب یہ ایک معمولی قصبہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے آثار باقیہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

قبیلہ ہے جو ڈیل ڈول میں بڑے اور خوب صورت ہوتے ہیں اُن کی عورتیں بھی حسن اور خوش خلقی اور لذت میں مشہور ہیں، جیسے کہ مرہٹہ عورتیں اور مالا بیپ کی عورتیں۔

شہر علاپور، وہاں کا جیالا اور من چلا حاکم

پھر ہم شہر علاپور پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اکثر ہندو باشندے ہیں جو سلطان کی رعیت ہیں اس شہر سے ایک دن کی مسافت پر ایک ہندو راجہ کا علاقہ ہے جس کا نام کٹم ہے اس کی راجدھانی کا نام جنبیل ہے اس راجہ نے گوالیار کا محاصرہ کیا تھا اور اس کے بعد قتل کیا گیا تھا اس راجہ نے رابڑی کا بھی محاصرہ کیا تھا یہ شہر دریائے جمنا کے کنارے پر ہے بہت سے دیہات اور مزرعے اس کے متعلق ہیں وہاں کا حاکم خطاب افغان تھا یہ شخص بڑے بہادروں میں شمار ہوتا ہے اُس نے بادشاہ سے مدد طلب کی اور راجہ کٹم نے راجہ رجو سے مدد طلب کی جس راجدھانی سلطان پور میں ہے دونوں نے مل کر رابڑی کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے مدد بھیجنے میں دیر کی کیونکہ یہ جگہ دارالخلافہ سے چالیس منزل ہے خطاب افغان نے خوف کیا کہ کہیں ہندو غالب نہ ہو جائیں۔ اُس نے تین سو پٹھان اور تین سو غلام اور چار سو کے قریب اور لوگ جمع کیے اور سب نے اپنے عمامے گھوڑوں کے گلوں میں باندھ دیے۔ اس ملک کا دستور ہے کہ جب مرنا مارنا منظور ہوتا ہے تو ایسا کرتے ہیں۔ اور اپنے لوگوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور ہندوؤں پر حملہ کر کے پندرہ ہزار آدمیوں کو شکست دی اور دونوں راجہ بھی مارے گئے اور اُن کے سر سلطان کے پاس دہلی بھیجے گئے۔ اور ہندوؤں کے لشکر میں سے وہی بچا جو بھاگ

---

[1] اس بلاغت کی داد نہیں دی جا سکتی۔

[2] ابن بطوطہ کی اصل عربی عبارت یہ ہے:

"وهن مشهورات بطيب الخلوة ووفرة الحظ من اللذة!"

[3] ہو شال پیش کی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تجربہ بھی بہت وسیع ہے۔

بڑے صاف باطن بڑے نیک طینت   یا حق آپ کو کچھ ہی جانتے ہیں

گیا۔

گوالیار میں ایک ہندو کی میں نے جان بچائی

پھر ہم دگالی پورا گوالیار کی طرف چلے اسے گوئیر بھی کہتے ہیں یہ ایک بڑا شہر ہے اور اُس کا قلعہ[1] ایک علیٰحدہ چٹان پر نہایت مضبوط بنا ہوا ہے جس کے دروازے پر ہاتھی اور فیلبان کا بت کھڑا ہوا ہے اس شہر کا حاکم احمد بن شیر خاں قا حتل ہے۔ اس سفر سے پہلے میں اُس کے پاس ٹھیرا تھا اس نے میری بہت مدارت کی تھی۔ ایک روز اُس کے پاس گیا اور وہ ایک کافر مجرم کے دو ٹکڑے کرنا چاہتا تھا میں نے اُس کو قسم دلائی کہ ایسا نہ کر کیونکہ میں نے اپنے سامنے آج تک کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا اُس نے میری خاطر سے اس کو قید کرنے کا حکم دیا اور اس طرح سے اُس کا چھٹکارا ہوا۔

گوالیار سے چل کر ہم برون گئے یہ ایک چھوٹا سا مسلمانوں کا شہر ہے اُس کا حاکم محمد بن بیرم ترک ہے۔ اس شہر میں درندے بکثرت ہیں۔

شہر برون سے ہم امواری گئے وہاں سے کجراد اس جگہ ایک بڑا حوض ہے جس کی لمبائی ایک میل کی ہے اور اس کے کنارے پر مندر اور بتخانے ہیں بتوں کے آنکھ، ناک، کان سب مسلمانوں نے کاٹ ڈالے ہیں۔ تالاب کے وسط میں سرخ پتھر کے تین گنبد بنے ہوئے ہیں اور چاروں کونوں پر چار گنبد ہیں اور اُن گنبدوں میں جوگی رہتے ہیں انھوں نے بالوں پر بھبوت مل رکھا ہے اور اپنے قدموں تک بال لمبے کیے ہوئے ہیں ریاضت کے سبب سے اُن کا رنگ زردی مائل ہو گیا ہے، بہت سے مسلمان بھی اُن کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں تاکہ اُن سے یہ فن سیکھیں۔

---

[1] اس قلعہ میں عالمگیری مسجد کے پاس ایک نہایت خوب صورت مسجد ہے جسے معتمد خاں نے بنوایا تھا۔ اس کے بارے میں کرنل سیمن کا قول ہے،

"جیسے ابھی معمار کام ختم کر کے اترے ہیں!"

انگریزوں نے ۱۸۵۸ء میں یہ قلعہ مہاراجہ گوالیار کو شہر جھانسی کے عوض بخش دیا۔

پھر ہم چندری پہنچے یہ ایک بڑا شہر ہے بازاروں میں بہت اژدحام ہوتا ہے۔ یہاں تمام ملک کا امیر الامرا عزالدین ملتانی جو ایک اعظم ملک کے لقب سے مشہور ہے وہیں رہتا ہے وہ بڑا مخیر اور فاضل ہے اہل علم سے صحبت رکھتا ہے اور فقیہ عزالدین زبیری اور وجیہ الدین بیانوی اور قاضی خاصہ اور امام شمس الدین اُس کے مصاحب ہیں اُس کا نائب خزانہ قمرالدین ہے اور نائب فوج سعادت تلنگی ہے یہ شخص بڑا مشہور بہادر ہے اور وہی لشکر کا جائزہ لیتا ہے۔ ملک اعظم فقط جمعہ کے دن باہر نکلتا ہے۔

دھار، سچی محبت کی کہانی "گورِ عاشقاں"

چندیری سے ہم ظہار (دھار)[1] تک پہنچے۔ یہ مالوہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ زراعت اس ملک میں بہت ہوتی ہے۔ خصوصاً گیہوں بہت پیدا ہوتا ہے۔ یہاں سے پان دہلی تک جاتے ہیں جو یہاں سے چوبیس منزل ہے تمام سڑک پر سنگ میل جن پر فاصلہ درج ہے لگے ہوتے ہیں جب مسافر کو منظور ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ آج کتنا چلا ہے اور منزل تک کتنا فاصلہ باقی رہا یا جس شہر کو جا رہا ہے وہ کتنی دور ہے سنگ میل دیکھنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے یہ شہر شیخ ابراہیم مالدیبی کی جاگیر میں ہے۔ اس شہر میں بھانجے اپنے ماموں خواجہ جہاں کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تاکہ کل خزانے پر قابض ہو جائے اور حسن شاہ باغی کے پاس معبر میں چلا جائے ماموں کو خبر ہو گئی اُس نے فوراً گرفتار کر لیا اسے اور اس کے ہمراز امیروں کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا بادشاہ نے ان امیروں کو مروا ڈالا اور کہتے ہیں جب وزیر کا بھانجہ اُس کے پاس واپس لایا گیا تو اس نے قتل کرنے کا حکم دیا اس کے پاس ایک کنیز تھی جس پر وہ عاشق تھا اس نے درخواست کی کہ کنیز کو اس کے سامنے بلایا جائے اس کے ہاتھ سے پان اور آپ پان بنا کر اس کو دیا اور گلے لگا کر رخصت کر دیا اس کے بعد اسے ہاتھی کے سامنے ڈال دیا اور کھال کھچوا کر اس میں

---

[1] مسلمانوں کے عہد میں یہ شہر مالوہ کا دارالحکومت تھا۔ پھر یہ رتبہ مانڈو کو حاصل ہوا، جہاں روپ متی اور باز بہادر کی سچی محبت نے جنم لیا۔

بھوسہ بھرا گیا۔ جب رات ہوئی تو کنیز باہر نکلی اور اس کے قتل ہونے کی جگہ کے قریب ایک کنواں تھا اس میں گر کر مرگئی دوسرے دن مردہ پائی گئی اُس کو نکالا اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا اس قبر کو گورِ عاشقاں کہتے ہیں۔

دھار سے چل کر ہم اجین پہنچے یہ ایک خوب صورت شہر ہے عمارتیں بلند ہیں۔

دولت آباد: وہاں کی رونق، بازارِ طرب، مرہٹہ عورتیں

اجین سے چل کر ہم دولت آباد پہنچے۔ یہ بہت بڑا شہر ہے دہلی کا مقابلہ کرتا ہے اس کے تین حصے ہیں ایک حصے کو دولت آباد کہتے ہیں اس میں بادشاہ اور شاہی لشکر رہتا ہے، اور دوسرے حصے کو کٹکہ کہتے ہیں۔ تیسرے حصے جو قلعہ ہے دیوگیر کہتے ہیں یہ قلعہ مضبوطی میں بے نظیر ہے خان اعظم تغلق بادشاہ کا استاد اسی قلعہ میں رہتا ہے ساگر اور تلنگانہ بھی اُسی کے ماتحت ہے اس کا علاقہ تین مہینے کی مسافت میں پھیلا ہوا ہے اس کی طرف سے نائب اور حاکم جگہ جگہ رہتے ہیں۔

دیوگڑھ کا قلعہ سطح زمین میں ایک چٹان پر واقع ہے اس چٹان کو کھود کر اس کی چوٹی پر قلعہ بنایا ہے۔ قلعہ پر چمڑے کے بنے ہوئے زینے سے چڑھتے ہیں اور چڑھنے کے بعد رات کو زینہ اوپر اٹھا لیتے ہیں قلعہ کے محافظ خاندان سمیت وہیں رہتے ہیں یہاں تہ خانے بنے ہوئے ہیں جن میں بڑے بڑے مجرم قید رکھے جاتے ہیں، اُن تہ خانوں میں ایسے ایسے بڑے چوہے ہیں جن سے بلی بھی ڈرتی ہے اور بغیر حیلہ کے ان کا شکار نہیں کر سکتی ملک خطاب افغان بیان کرتا تھا کہ وہ ایک دفعہ اس قلعہ کی ایک تہ خانے میں قید کیا گیا۔ رات

لہ دولت آباد جو پہلے دیوگیر کے نام سے مشہور تھا، اسے مرہٹے اور جیالے علاء الدین خلجی نے ۱۲۹۴ء میں فتح کیا تھا۔

محمد تغلق نے دہلی کو اجاڑ کر اسے ہندوستان کا دارالحکومت بنایا تھا۔

انگریزوں کے عہد حکومت میں یہ دولت آصفیہ یعنی حکومت نظام کا ایک حصہ بن گیا۔ اب ریاست نظام ختم ہو چکی ہے۔ یہ نئے صوبے مدھرا کا حصہ ہے۔

کوچوہے جمع ہوکر مجھ پر حملہ کرتے تھے اور میں تمام رات ان کے ساتھ لڑتا رہتا تھا ایک رات میں سویا ہوا تھا کسی نے خواب میں کہا کہ تو سورۂ اخلاص ایک لاکھ دفعہ پڑھ لے تو خدا تعالےٰ تجھے خلاصی دے گا میں نے سورۂ اخلاص اُتنی بار ختم کرلی تو میری خلاصی کا حکم آ گیا۔

میری خلاصی کا یہ سبب ہوا کہ میرے برابر کے تہ خانے میں ملک مل قید تھا وہ بیمار ہوگیا توچوہے اُس کی انگلیاں اور آنکھیں کھا گئے وہ مرگیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے کہا کہ خطاط کو نکالو کہیں اس کو بھی چوہے نہ کھا جائیں۔

دولت آباد کے باشندے مرہٹے ہیں اُن کی عورتیں نہایت خوب صورت ہوتی ہیں خصوصاً ان کی ناک اور ابرو بے نظیر ہوتی ہے۔ خوش خلقی اور لذت جماع[1] میں یکتا ہیں۔ دوسری عورتیں ان کی ہمسری نہیں کرسکتیں۔ اس شہر کے ہندو سوداگری کرتے ہیں اکثر جواہرات کی سوداگری کرتے ہیں اور بہت مالدار ہیں، اُن کو شاہ دساہوکار، کہتے ہیں جیسے کہ مصر میں تاجروں کو مکارم کہتے ہیں۔ دولت آباد میں آم اور انار بہت ہوتے ہیں اور سال میں دو دفعہ پھلتے ہیں، اس ملک کا محاصل بھی بسبب آبادی اور وسعت کے اور صوبوں سے زیادہ ہے ایک ہندو نے کل علاقہ کا ٹھیکہ تیرہ کروڑ میں لیا تھا لیکن وہ پورا نہ کر سکا اس پر باقی رہ گئی اس کا کل مال ضبط کیا گیا۔

دولت آباد میں اہل طرب کا ایک بازار ہے جس کو طرب آباد کہتے ہیں۔ یہ بازار بہت خوبصورت اور وسیع ہے دوکانات بھی بہت ہیں ہر ایک دوکان میں ایک دروازہ گھر کی کھلتا ہے۔ اور گھر کی دوسری طرف بھی دروازہ ہوتا ہے۔ دوکان میں بہت مکلف فرش ہوتا ہے اور اس کے وسط میں ایک گہوارہ ہوتا ہے جس میں گانے والی عورت بیٹھ جاتی ہے یا لیٹ جاتی ہے اس کی لونڈیاں گہوارہ کو ہلاتی رہتی ہیں۔ گہوارہ بہت آراستہ ہوتا ہے بازار کے بیچ میں ایک بڑا گنبد

---

[1] ابن بطوطہ اپنے مفہوم کو بڑی وضاحت اور رنگینی کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے الفاظ بغیر ترجمہ کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ عربی داں لطف لیں گے؛!

"خص اللہ نساءھم بالحسن وخصوصًا فی الانوف والحواجب ولھن من طیب الخلوۃ والمعرفۃ بحرکات الجماع مالیس لغیرھن

ہے جو نہایت آراستہ اور فرش سے پیراستہ ہوتا ہے اس میں مطربوں کا چودھری عصر کی نماز کے بعد ہر جمعرات کے دن آکر بیٹھتا ہے اور اس کے غلام اور خادم حاضر ہوتے ہیں ہر ایک طوائف باری باری آکر اُس کے سامنے مغرب کے وقت گاتی بجاتی ہیں اور مغرب کے بعد وہ اپنے گھر چلا جاتا ہے اس بازار میں مسجدیں بھی ہیں اور وہاں تراویح کی جماعت بھی ہوتی ہے۔ اکثر راجہ اس بازار کی سیر کرنے آتے ہیں تو اس گنبد میں ٹھیر جاتے ہیں اور طوائف ان کے سامنے آکر گانا بجایا کرتی ہیں اور بعض مسلمان بادشاہ بھی ایسا کرتے ہیں ۔

نذربار میں آمد، حدود شرعی کا اجرا

دولت آباد سے چل کر ہم نذربار میں پہنچے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں کے باشندے اکثر مرہٹے ہیں دستکاری میں شہرت رکھتے ہیں اور طبیب اور منجم بھی اُن میں اچھے ہوتے ہیں، شریف مرہٹے برہمن اور کھتری (چھتری) ہوتے ہیں۔ چاول اور سبزی اور سرسوں کا تیل اُن کی غذا ہے گوشت بالکل نہیں کھاتے اور کسی حیوان کو تکلیف نہیں دیتے۔ کھانے سے پہلے ضرور غسل کرتے ہیں، جیسے جنابت کے بعد غسل لازم ہوتا ہے۔ اپنے قریبوں میں رشتہ نہیں کرتے جب تک سات دادوں کا فرق نہ ہو جائے۔ شراب نہیں پیتے۔ اور شراب پینا سخت عیب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مسلمان بھی شراب پینے کو سخت عیب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان شراب پی لیتا ہے تو اسّی درّے لگائے جاتے ہیں اور تین دن ایک تہ خانہ میں قید کیا جاتا ہے۔

اس شہر سے چل کر ہم ساگر پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور اسی نام کے دریا پر واقع ہے اس دریا کے کنارے بہت سے رہٹ چلتے ہیں اور انبہ اور کیلہ اور نیشکر کے بہت سے باغ ہیں۔ اس شہر کے باشندے دیندار اور نیک چلن ہیں باغوں میں انھوں نے خانقاہ اور تکیے بنا رکھے ہیں جن میں مسافر اترتے ہیں۔

کھمبایت میں ورود، ایک عجیب داستان

ساگر سے چل کر ہم کھمبایت پہنچے۔ یہ شہر سمندر کے ایک کھاڑی پر واقع ہے جو سمندر کے

شا یہ ہے اُس میں جہاز داخل ہو سکتے ہیں اور مدوجزر بھی ہوتا ہے۔ پانی اتر جانے کے وقت ہم نے وہاں بہت سے جہاز کیچڑ میں دھسے ہوئے دیکھے۔ جب سمندر کا پانی چڑھ آیا تھا تو وہ تیرنے لگ جاتے تھے۔ یہ شہر اور تمام شہروں کی بہ نسبت مضبوط اور خوب صورت بنا ہوا ہے اس میں عمارات اور مسجدیں بہت اچھی اچھی ہیں اکثر باشندے پردیسی سوداگر ہیں وہ اکثر عالی شان محل اور بڑی بڑی مسجدیں بنواتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب ہم کھمبایت میں پہنچے تو وہاں کا حاکم مقبل تلنگی تھا۔ بادشاہ اُس کی قدر بہت کرتا تھا شیخ زادہ اصفہانی اس کی صحبت میں رہتا تھا اور اس کی طرف سے کل امور اس کے سپرد تھے یہ شیخ امور سلطنت سے خوب واقف تھا اور بہت مالدار ہو گیا تھا اور اپنے ملک میں اپنی دولت بھیجتا جاتا تھا اور بھاگنے کے لیے کسی حیلہ کی فکر میں تھا بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی کسی نے ذکر کیا کہ وہ بھاگنا چاہتا ہے بادشاہ نے مقبل کو لکھا کہ اس کو ڈاک میں دارالخلافہ کی طرف روانہ کردے ملک مقبل نے اس کو بھیج دیا۔ جب وہ بادشاہ کے روبرو حاضر ہوا تو اسے پہرہ میں دے دیا اور یہ اس ملک کا دستور ہے جب کسی کو پہرہ میں دیتے ہیں تو شاذونادر ہی وہ بچتا ہے اس شیخ نے پہرہ دار سے سازش کر لی اور اس کو بہت سا مال دیا کیا دونوں بھاگ گئے۔

کاوی و قندھار میں آمد

کھمبایت سے چل کر ہم کاوی میں پہنچے وہ ایک کھاڑی کے کنارے پر ہے، جس میں مدوجزر ہوتا ہے یہ راستے جالیفسی ایک ہندو راجہ کے علاقہ میں ہے وہاں سے چل کر ہم تندھار پہنچے یہ ایک بہت بڑا شہر ہندوؤں کا سمندر کے کنارے پر واقع ہے وہاں کے راجہ کا

لہ یہ بہت قدیم شہر ہے، یہاں کے نوابوں نے مرہٹوں کو کبھی خراج نہیں دیا۔ اگرچہ سارے گجرات پر مرہٹوں کا تسلط تھا۔

یہاں محمد تغلق کے عہد کی ایک مسجد جامع اب تک موجود ہے۔

نام جالینسی ہے وہ بادشاہ اسلام کے ماتحت ہے اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے۔ جب ہم قندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کے لیے باہر آیا اور ہماری بڑی تعظیم کی اور اپنا محل ہمارے لیے خالی کر دیا اور ہم اس میں اترے بڑے بڑے مسلمان امیر اس کی طرف سے ہمارے استقبال کو آئے ان میں خواجہ بہرہ کے بیٹے تھے اور ناخدا ابراہیم تھا۔ یہ شخص چھ جہازوں کا مالک ہے۔

مغربی گھاٹ

سمندر کے سفر کا آغاز مختلف مقامات میں ورود

ہم ناخدا ابراہیم کے جہاز جاگیر میں سوار ہوئے اور تحفہ کے گھوڑوں میں سے ستر گھوڑے بھی چڑھا لئے باقی گھوڑے اور نوکر دوسرے جہاز میں جس کا نام "منورت" تھا سوار ہوئے۔ رائے جالنسی نے ہمیں ایک جہاز دیا اس میں ظہورالدین کے گھوڑے اور سنبل اور نوکر چاکر سوار ہوئے۔ رائے جالنسی نے ہمارے لئے پانی اور زادراہ اور چارہ مہیا کر دیا اور ایک جہاز میں جس کا نام عکیر تھا اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ کیا۔ وہ غراب کشتی کے مشابہ تھا۔ لیکن اس سے بڑا تھا۔ اس جہاز میں ساٹھ چپو تھے۔ لڑائی کے وقت جہاز پر چھت ڈال لیتے تھے جس سے چپووالوں کو پتھر یا تیر نہیں لگ سکتا تھا۔ جہاز جاگیر میں جس میں میں سوار تھا پچاس تیر انداز اور پچاس حبشی سپاہی تھے یہ لوگ اس سمندر کے مالک ہیں اگر کسی جہاز میں ان کا ایک آدمی بھی ہو تو ہندو چور اور باغی اسے کچھ نہیں کہتے۔

بیرم و قوقہ کے جزیروں میں داخلہ اور وہاں کی سیر

دو دن سفر کرنے کے بعد جزیرہ بیرم[1] میں پہونچے۔ یہ جزیرہ غیر آباد ہے اور خشکی سے

---

[1] یہ جزیرہ اب بھی موجود ہے خلیج کھمبات میں واقع ہے

چار میل کے فاصلے پر ہے ہم اس جزیرے میں ٹھہرے اور پانی لیا۔ غیر آباد ہونے کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہاں کے کافروں پر حملہ کیا پھر ہندوؤں نے آباد نہیں کیا۔ ملک التجار نے جس کا ذکر میں اب کر آیا ہوں اس کے بعد آباد کرنے کا ارادہ کیا اور فصیل بنا کر اس پر منجنیق لگائے اور مسلمانوں کو لا کر آباد کیا۔

وہاں سے چل کر ہم دوسرے دن قوقہ[1] میں پہنچے یہ بہت بڑا شہر ہے اس کے بازار وسیع ہیں ہم نے شہر سے چار میل کے فاصلے پر لنگر ڈالا کیونکہ یہ جزر کا وقت تھا اور پانی اترا ہوا تھا۔ ہم کشتیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چلے جب شہر ایک میل رہ گیا۔ تو کشتی پانی نہ ہونے کے باعث کیچڑ میں دھنس گئی میں دو آدمیوں کے سہارے سے گیا۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ پانی چڑھ گیا یعنی مد کا وقت آ گیا تو مشکل ہوگی اور میں اچھی طرح سے تیرنا بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے شہر میں پہنچ کر بازاروں کی سیر کی اور ایک مسجد جو حضرت خضر اور حضرت الیاس کی طرف منسوب ہے زیارت کی۔ وہیں مغرب کی نماز پڑھی اس مسجد میں حیدری فقیروں کا ایک گروہ تھا اور ان کا شیخ بھی ساتھ تھا پھر میں واپس چلا آیا وہاں کے راجہ کا نام ونکول ہے وہ برائے نام بادشاہ کا مطیع ہے حقیقت میں نافرمان ہے۔

اس شہر سے چل کر تین دن کے بعد ہم جزیرہ سندا پور[2] میں پہنچے اس جزیرے میں چھتیس گاؤں ہیں اور ایک گھاڑی اس کے گرداگرد پھرتی ہے۔ جزر کے وقت اس کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور مد کے وقت کھاری نمک ہوتا ہے اس جزیرے کے وسط میں دو شہر ہیں ایک پرانا ہے جو ہندوؤں کے وقت کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور دوسرا شہر مسلمانوں نے اسے فتح کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ یہاں ایک بڑی مسجد جامع ہے جو بغداد کی مسجدوں کی ہم شکل ہے ناخدا حسن نے جو سلطان جمال الدین محمد ہنوری کا والد تھا اسے تعمیر کیا تھا۔

---

[1] یہ احمد آباد کے ضلع میں واقع ہے یہاں کے باشندے جہاز رانی میں بڑے مشاق ہیں۔ اکبر کے زمانے میں یہ بھڑوچ میں شامل تھا۔

[2] سندا پور وہی جزیرہ ہے جو اب "گوا" کے نام سے مشہور ہے اور جس پر ہندوستان کے سخت ترین احتجاج کے باوجود اب تک پرتگیز قابض ہیں۔

اس جزیرہ سے چل کر ہم ایک چھوٹے سے جزیرے میں پہنچے جو خشکی کے بالکل قریب تھا۔ وہاں ایک گرجا گھر اور باغ اور پانی کا ایک حوض تھا۔

ایک مومن کافر نما سے ملاقات کی حیرت انگیز داستان،

یہاں ایک جوگی سے علاوہ ایک تبخانہ کی دیوار سے تکیہ لگائے دو بتوں کے درمیان بیٹھا تھا ریاضت اور مجاہدہ کے آثار چہرے سے عیاں تھے۔ ہم نے اس سے باتیں کیں تو جواب نہ دیا ہم نے دیکھا کہ اس کے پاس کچھ کھانے کو ہے یا نہیں تو کچھ نظر نہ آیا اسی وقت اس نے ایک چیخ ماری تو فوراً ایک ناریل درخت سے ٹوٹ کر آپڑا۔ وہ ناریل اس نے ہمیں دیا۔ ہمیں نہایت تعجب ہوا۔ ہم دینار اور درہم دیئے اس نے نہ لئے پھر ہم نے اسے کھانے کی چیزیں دیں وہ بھی نہ لیں اس کے سامنے ایک جبہ اونٹ کی اون کا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا کر دیکھا تو اس نے مجھے دیدیا۔ میرے ہاتھ میں زیلع کی بنی ہوئی ایک تسبیح تھی اس نے اس کے دانے الٹ پلٹ کر دیکھے میں نے اسے دیدی۔ اس نے ہاتھ میں لے کر سونگھا اور رکھ لیا۔ پھر آسمان اشارہ کیا پھر قبلہ کی طرف اشارہ کیا میرے ہمراہی کچھ نہ سمجھے کہ کیا کہتا ہے میں سمجھ گیا وہ مسلمان ہے اسلام کو مخفی کیا ہوا ہے اور ناریل کھا کر گذارہ کرتا ہے۔ جب ہم اس سے رخصت ہوئے تو میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور مسکرایا اور ہمیں اشارہ کیا چلے جاؤ۔ ہم چل پڑے میں سب سے پیچھے تھا اس نے میرا کپڑا کھینچا۔ میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو اس نے مجھے دس دینار دیئے۔ جب ہم باہر آگئے تو میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ تیرا کپڑا پکڑ کر جوگی نے کیوں کھینچا تھا؟ میں نے کہا اس نے مجھے دس دینار دیئے ہیں۔ تین دینار تو میں نے ظہیر الدین کو دیئے اور تین سنبل کو اور باقی کہنے لگا یہ تو مسلمان ہے کیونکہ جب اس نے آسمان کی طرف انگلی کی تھی تو اس کی مراد تھی کہ میں خدا تعالےٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور جب قبلہ کی طرف اشارہ کیا تھا تو مراد تھی کہ پیغمبر پر ایمان ہے۔ اس کا تسبیح کا لے لینا اس خیال کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ دونوں واپس گئے مگر جوگی ندارد۔ پھر ہم سوار ہو گئے۔

ہنور۔ ہندوستان میں شافعیوں کا مرکز،

دوسرے دن صبح کو ہنور[1] پہنچے۔ یہ شہر ایک کھاڑی پر واقع ہے جس میں جہاز جا سکتے ہیں یہ سمندر سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ برسات کے موسم میں سمندر بہت چڑھتا ہے اور طوفان آتا ہے تو چار مہینے تک کوئی شخص سوا مچھلی شکار کرنے کے سمندر میں نہیں جاتا۔

جب ہم ہنور میں پہنچے تو ایک جوگی ہمارے پاس آیا اور چھ دینار دے گیا میں نے یہ دینار اس سے لے لئے اور اسے ایک دینار دینا چاہا اس نے نہ لیا اور چلا گیا۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے یہ بات کہی اور کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اپنا حصّہ لے لو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اور مجھے بتلایا کہ پہلے جو چھ دینار تو نے ہم کو دیئے تھے اس میں ہم نے چھ دینار اس میں ہم نے چھ دینار اور ملا کر اسی جگہ جہاں جوگی بیٹھا ہوا تھا رکھ دیئے تھے۔ مجھے اور بھی زیادہ تعجب ہوا اور دینار میں نے احتیاط سے اپنے پاس رکھے[1]۔ شہر ہنور کے باشندے شافعی مذہب ہیں دیندار اور نیکبخت اور بحری طاقت کے لئے مشہور ہیں۔ سنداپور فتح ہونے کے بعد اور کہیں کے نہ رہے۔ اس شہر کے عابدوں میں سے شیخ محمد ناگوری ہیں انہوں نے میری دعوت اپنی خانقاہ میں کی۔ وہ اپنا کھانا آپ پکاتے ہیں۔ فقیہ اسمٰعیل کلام اللہ پڑھاتے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق اور فیاض تھے۔ قاضی شہر نورالدین علی ہے۔ خطیب کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

اس شہر کی عورتیں اور اس پورے ساحل کی عورتیں سلا ہوا کپڑا نہیں پہنتیں۔ بلا بغیر سلا کپڑا اوڑھتی ہیں۔ چادر کے ایک آنچل سے تمام بدن لپیٹ لیتی ہیں اور دوسرے کو سر اور چھاتی پر ڈال لیتی ہیں[2] یہ عورتیں خوبصورت اور باعفت ہوتی ہیں ناک میں سونے کا بلاق پہنتی ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں تیرہ مکتب لڑکیوں کے مکتب لڑکوں

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے یہ مبلغ جنہیں نہ نام و نمود کی پرواہ تھی۔ نہ زر و مال کی حرص ہر طرح کی کٹھنائیاں جھیلتے۔ کس کس طرح بعید ترین مقامات پر پہنچ جایا کرتے تھے۔

[2] ساڑھی مراد ہے۔

کرتے ہیں۔سوا اس شہر کے یہ بات میں نے کہیں نہیں دیکھی۔یہ لوگ فقط بحری تجارت سے گزارہ کرتے ہیں۔زراعت نہیں کرتے مالابار کے لوگ بھی سلطان جمال الدین کو کچھ معین خراج دیتے ہیں۔کیونکہ اس کی پاس بحری طاقت بہت بڑی ہے اور چھ ہزار پیادہ اور سوار بھی رکھتا ہے۔

سلطان ہنور کے صفات وحسنات جمیلہ،

بادشاہ جمال الدین محمد بن حسن بڑا نیک بخت ہے وہ ایک ہندو راجہ کا ماتحت ہے۔ جس کا نام ہریب ہے سلطان جمال الدین ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس کا دستور ہے کہ صبح ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جاتا ہے اور صبح ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہے اوّل وقت نماز پڑھتا ہے پھر شہر کے باہر سوار ہو کر چلا جاتا ہے چاشت کے وقت واپس آتا ہے۔ پہلے مسجد میں دوگانہ پڑھ کر پھر محل میں جاتا ہے ایام بیض کے روزے رکھتا ہے۔جب میں اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو افطار کے وقت مجھے بلا لیتا تھا۔فقیہ علی اور فقیہ اسمٰعیل بھی موجود ہوتے تھے۔زمین پر چار چھوٹی کرسیاں ڈال دیتے تھے۔ان میں سے ایک پر وہ خود بیٹھ جاتا تھا اور باقی پر ہم تینوں۔کھانے کی ترتیب یہ تھی کہ اوّل تانبے کے دستر خوان جس کو خوانچہ کہتے ہیں لاتے تھے اس پر ایک طباق تانبے کا رکھتے ہیں اس کو طالم کہتے ہیں۔اس کے بعد ایک کنیز ریشمی کپڑے پہنے آتی ہے اور کھانے کی دیگچیاں لاتی ہے اور بڑے بڑے تانبے کے چمچے بھی لاتی ہے چاولوں کا ایک ایک چمچ بھر کر طباق میں ڈالتی ہے اس میں گھی ڈالتی ہے اور اسی طباق میں دوسری طرف مرچوں کا اچار اور ادرک کا اچار اور لیموں کا اچار اور آم کا اچار رکھ دیتی ہے۔جب چاول ہو چکتے ہیں تو دوسرا چمچا بھر کر طباق میں ڈالتی ہے اور اس میں مرغے کا گوشت مرکہ میں پکا ہوا ڈالتی ہے اس کے ساتھ چاول کھائے جاتے ہیں۔جب یہ چاول ہو چکتے ہیں تو تیسرا چمچہ ڈالتی ہے اس پر مرغی کا گوشت دوسری طرح پکا ہوا ڈالتی ہے۔پھر طرح طرح کی مچھلی ہر ایک چمچے کے ساتھ ڈالتی جاتی ہے پھر سبزی گھی میں پکی ہوئی لائی جاتی ہے وہ چاولوں کیساتھ کھائی جاتی ہے۔جب یہ سب کھانے ہو چکتے ہیں تو کوشان یعنی دہی یا لسی لاتی ہے جب یہ دہی آتی ہے تو جاننا چاہیئے کہ کھانے ختم ہو چکے اس کے بعد گرم پانی پیتے ہیں کیونکہ برسات میں

ٹھنڈا پانی مضر ہوتا ہے۔

میں اس بادشاہ کے پاس دوسری دفعہ گیا۔ دو مہینے ٹھہرا تھا اور اس سارے عرصے میں کبھی روٹی نہیں کھائی۔ کیونکہ ان لوگوں کی خوراک فقط چاول ہے۔ اسی طرح جزائر مالدیپ۔ اور سیلان۔ اور مالاباد اور معبر میں تین سال تک رہا۔ تو سوائے چاول کے اور کچھ نہ کھایا میں انھیں پانی کے ساتھ نگلتا تھا ورنہ منہ میں نہیں چلتے تھے۔

یہ بادشاہ ریشم اور باریک کتاں کے کپڑے پہنتا ہے اور کمر میں چادر باندھتا ہے اور دو دوپٹے ایک پر دوسری لگا کر اوڑھتا ہے اور اپنے بالوں کو گندھا ہوا رکھتا ہے اس پر چھوٹا سا عمامہ باندھتا ہے۔ جب سوار ہوتا ہے تو قبا بھی پہن لیتا ہے اور اس کے اوپر رضائی بھی اوڑھ لیتا ہے اس کے آگے لوگ نقارے اور طبل بجاتے ہیں اور بجاتے ہوئے جایا کرتے ہیں اس دفعہ ہم اس کے پاس تین دن ٹھہرے تھے۔ اس نے ہمیں زادِ راہ دیا۔

مالابار

مالابار کے راجہ کا قبول اسلام عربوں کا وقار اور اثر

مالابار کے ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ

تین دن کے بعد ملیبار[1] کی حد میں پہنچے یہ وہ ملک ہے جہاں سیاہ مرچ پیدا ہوتی ہے اس ملک کا طول دو مہینے کا رستہ ہے اور دریا کے کنارے کنارے سنداپور سے کولم تک چلا گیا ہے اور سڑک پر برابر دو رویہ درخت ہیں پھر نصف میل کے بعد ایک لکڑی کا مکان آتا ہے جس میں دوکانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ہر مسافر ہندو ہو یا مسلمان آرام کرتا ہے اور ہر گھر کے پاس ایک کنواں ہے جس پر ایک ہندو پانی پلاتا ہے ہندوؤں کو کٹورے میں اور مسلمانوں کو اوک سے جب وہ اشارہ سے منع کرتا ہے تو بند کر دیتا ہے۔

ملیبار میں دستور ہے کہ مسلمان کو گھر میں نہیں آنے دیتے اور نہ اپنے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں

---

[1] مالابار۔ یہاں کا راجہ پیرومل تھا جو ۸۲ھ میں عرب تاجروں سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا اور حجاز ہجرت کر گیا۔ اس نے راج پاٹ تقسیم کر دیا اور وصیت کی عرب تاجروں کو جہاں وہ مسجد، مکان، یا سرائے بنانا چاہیں اجازت اور سہولت دی جائے جس پر مدت تک عمل ہوتا رہا اور اسلام پھیلتا رہا۔
۱۷۶۶ء میں سلطان حیدر علی کا اس پر قبضہ ہو گیا ۱۷۹۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ٹیپو سلطان سے یہ علاقہ لے لیا۔
یہاں کے زمیندار نائر ہیں لیکن بڑے خالم موپلا (مالاباری مسلمان) ان کے خلاف کئی بار بغاوت کر چکے ہیں۔

اور اگر کھلاتے ہیں تو یا تو وہ برتن توڑ ڈالتے ہیں اور یا مسلمان کو ہی دے دیتے ہیں اور جس جگہ مسلمان نہ ہو تو وہ مسلمان کے لیے کھانا پکا دیتے ہیں اور کیلہ کے پتے پر رکھ دیتے ہیں اور اسی پر سالن ڈال دیتے ہیں جو باقی بچتا ہے اُس کو پرندے اور کتے کھا لیتے ہیں۔ اس رستے پر تمام منزلوں میں مسلمانوں کے گھر ہیں ان کے پاس مسلمان مسافر جا اترتے ہیں اور وہ اُن کے لیے کھانا پکا دیتے ہیں اگر مسلمانوں کے گھر نہ ہوتے تو یہاں مسلمان کے لیے سفر کرنا مشکل تھا۔ اس دو مہینے کے رستے میں ایک چپہ بھر بھی زمین ایسی نہیں جو آباد نہ ہو ہر آدمی کا گھر علیحدہ علیحدہ ہے اس کے گرد چمن ہوتا ہے اور ایک چمن کے گرد لکڑی کی دیوار ہوتی ہے۔ سڑک باغوں کے درمیان سے گذرتی ہے جب ہر باغ کی دیوار میں سیڑھیاں لگی ہوتی ہیں اُس سے چڑھ کر دوسرے باغ میں پہنچتے ہیں۔

کوئی شخص گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہو کر نہیں چلتا، گھوڑے پر فقط بادشاہ سوار ہوتا ہے۔ اکثر لوگ یا تو ڈولہ (پالکی) پر سوار ہوتے ہیں جس کو مزدور یا غلام اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور یا پیدل چلتے ہیں خواہ کوئی ہو۔ اگر کسی شخص کے پاس اسباب تجارت وغیرہ یا ساز و سامان زیادہ ہو تو وہ مزدور کرایہ کر لیتا ہے وہ پیٹھ پر اسباب لے جاتے ہیں چنانچہ بعض سوداگر ایسے نظر آئیں گے کہ اُن کے ساتھ سو سو آدمی اسباب اُٹھانے والے ہوتے ہیں ہر مزدور کے ہاتھ میں ایک موٹا عصا ہوتا ہے جس کے نیچے لوہے کی میخ لگی ہوتی ہے اور اُوپر لوہے کا آنکڑا ہوتا ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے اور کوئی دوکان ٹھیرنے کے واسطے قریب نہیں ہوتی تو زمین میں اپنا عصا گاڑ دیتا ہے اور اُس پر اسباب کی گٹھڑی لٹکا دیتا ہے۔ جب سانس لے چکتا ہے تو اسباب اُٹھا کر چل پڑتا ہے میں نے کوئی راستہ اتنا پرامن نہیں دیکھا جتنا یہاں کا ہے۔ یہاں ایک ناریل کی چوری پر بھی چور کو مار ڈالتے ہیں۔ جب کوئی پھل گر پڑتا ہے تو کوئی شخص نہیں اُٹھاتا جب مالک آتا ہے وہی اُٹھاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی ہندو نے ایک ناریل اُٹھا لیا حاکم کو خبر ہوئی اُس نے ایک لکڑی زمین میں گاڑی اور اُس کے سرے پر چوبی کی انی تھی ایک تختہ لگا دیا اور انی اُس سے پار کر دی پھر اسے تختہ پر لٹایا انی پیٹ میں سے پار ہو کر پشت میں جا نکلی لاش لوگوں کی عبرت کے لیے وہیں لٹکی رہی۔ ایسی لکڑیاں بہت جگہ رستے میں لگی ہوئی ہیں تاکہ مسافروں کو معلوم ہو جائے۔

رات کو ہمیں بہت سے ہندو رستے میں ملتے تھے وہ ایک طرف کھڑے ہو جاتے تھے اور

جب ہم بڑھ جاتے تو چلنا شروع کرتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کی بدرجۂ غایت تعظیم کرتے ہیں یہ ضرور ہے کہ اُن کے ساتھ کھاتے نہیں اور نہ گھروں میں داخل ہونے دیتے ہیں۔ ملیبار میں بارہ راجہ ہیں سب سے بڑے راجہ کا لشکر پندرہ ہزار ہے اور سب سے چھوٹے کا تین ہزار۔ یہ کبھی نہیں لڑتے اور قوی ضعیف کا ملک چھیننے کی کوشش نہیں کرتا۔ ایک راجہ کا علاقہ ختم ہوتا ہے تو دوسرے کا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک لکڑی کا دروازہ ہوتا ہے اُس پر آگے آنے والے علاقہ کے راجہ کا نام کندہ ہوتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ فلاں راجہ کی امان (پناہ) کا دروازہ ہے اگر کوئی ہندو یا مسلمان ایک علاقہ میں جرم کرکے دوسرے کے دروازہ میں داخل ہو جائے تو اُسے کچھ ڈر نہیں رہتا اور اگرچہ وہ راجہ قوی ہو لیکن وہ ضعیف کو مجبور نہیں کر سکتا کہ اُس مجرم کو حوالہ کرے۔

ان راجاؤں کے بیٹے راج کے وارث نہیں ہوتے بلکہ بھانجے وارث ہوتے ہیں یہ دستور میں نے سوا ملک سوڈان کی قوم مسوفا کے اور کسی جگہ نہیں دیکھا۔ ملیبار کے کسی راجہ کو اگر منظور ہوتا ہے کہ کسی دکاندار کی خرید و فروخت بند کر دے تو راجہ کے غلام آکر اُس دوکان پر درختوں کی شاخیں لٹکا دیتے ہیں جب تک وہ شاخیں رہتی ہیں تو کوئی شخص اُس دوکان سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔

سیاہ مرچ کا بوٹا انگور کی بیل سے مشابہ ہوتا ہے اسے ناریل کے ساتھ بوتے ہیں یہ ناریل کے درخت پر بیل کی طرح چڑھ جاتا ہے اس درخت کی شاخیں نہیں ہوتیں۔ اُس کے پتے گھوڑے کے کان کی طرح ہوتے ہیں۔ اُس کا پھل چھوٹے چھوٹے گچھوں میں لگتا ہے جب خریف کا موسم ہوتا ہے تو توڑ کر بوریہ پر دھوپ میں سکھا دیتے ہیں جیسے کشمش بنانے کے لیے انگور کو سکھاتے ہیں اور الٹتے پلٹتے رہتے ہیں خشک ہونے کے بعد سیاہ رنگ ہو جاتا ہے تو سوداگروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں عوام کا خیال ہے کہ آگ میں بھونتے ہیں جس سے کرارہ پن آجاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ کرارہ پن دھوپ سے پیدا ہوتا ہے۔ شہر قالقوط[1] میں میں نے دیکھا ہے کہ اسے پیمانہ سے ناپتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں جوار کو ناپتے ہیں۔

---

[1] کالی کٹ

مالابار کے شہر اور مقامات ۔ ابی سرور اور منجرور وغیرہ

ملیبار کا سب سے پہلا شہر جس میں ہم داخل ہوئے ابی سرور تھا یہ ایک چھوٹا سا شہر ایک بڑی کھاڑی کے کنارے پر ہے ناریل کے درخت بہت ہیں مسلمانوں میں سب سے بڑا آدمی وہاں شیخ جمعہ ہے جو ابی کے نام سے مشہور ہے یہ شخص بڑا سخی ہے۔ ساری دولت فقیروں اور مسکینوں پر خرچ کرتا ہے۔ دو دن کے بعد ہم فاکنور کے شہر میں پہنچے یہ بھی ایک کھاڑی پر واقع ہے۔ یہاں پونڈا بہت عمدہ ہوتا ہے جس کا نظیر اس ملک میں کہیں نہیں ہوتا۔ اس شہر میں بہت سے مسلمان ہیں اُن میں سب سے بڑا حسین سلاط ہے اس شہر میں قاضی اور خطیب بھی ہیں اور حسین سلاط نے ایک جامع مسجد بھی وہاں بنوائی ہے۔ اس شہر کے راجہ کا نام باسدیو ہے۔ تیس جنگی جہاز اس کے پاس ہیں لیکن اُن سب کا افسر مسلمان لولا نام ہے پہلے یہ شخص سمندر کا ڈاکو تھا جو سوداگروں کو لوٹا کرتا تھا۔ جب ہم نے اس شہر کے پاس لنگر ڈالا تو راجہ نے اپنا بیٹا ہمارے پاس بھیج دیا وہ جہاز میں ہمارے پاس بطور یرغمال کے رہا اُس کے بعد ہم شہر میں گئے راجہ نے ہماری تین دن تک ضیافت کی ۔

تین دن کے بعد ہم منجرور[1] کے شہر میں پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے اور خلیج کے کنارے پر ہے جس کو دنب کہتے ہیں۔ یہ کھاڑی اس ملک میں سب سے بڑی ہے اور اس شہر میں فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہیں۔ یہاں سیاہ مرچ اور سونٹھ بکثرت ہوتی ہے اس شہر کا راجہ ملیبار میں سب سے بڑا ہے اور اس کا نام رام دیو ہے اس شہر میں چار ہزار کے قریب مسلمان رہتے ہیں اُن کی آبادی شہر کے باہر ایک طرف ہے کبھی کبھی شہر والوں کی اُن کی لڑائی ہو جاتی ہے تو راجہ صلح کروا دیتا ہے کیونکہ وہ تاجروں کا محتاج ہے۔ اس شہر میں ایک شافعی قاضی ہے جس کا نام بدرالدین معبری ہے وہ تعلیم بھی دیتا ہے۔

اُس کے بعد ہم ہیلی کی طرف گئے اور دو دن میں وہاں پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے عمارتیں عمدہ ہیں ایک بڑی کھاڑی کے کنارے بسا ہوا ہے۔ اس کھاڑی میں بڑے بڑے جہاز بنتے ہیں۔ اس شہر تک چین کے جہاز آتے ہیں اور سوا قالقوط اور کولم اور ہیلی کے اور کسی جگہ نہیں ٹھیر سکتے۔ ہیلی کے

---

[1] منگلور

شہر کو ہندو مسلمان متبرک سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اس میں ایک جامع مسجد ہے جو برکت والی مشہور ہے۔ مسافر خیر و عافیت سے پہنچنے کے لیے اس جامع کی نذر مانتے ہیں خطیب حسین اور حسن وزان کے تحت اُس کا خزانہ ہے۔

ہیلی سے چل کر ہم جُرفتن پہنچے جو ہیلی سے فقط تین فرسنگ ہے وہاں میں ایک فقیہ سے ملا جو بغداد کا رہنے والا ہے اور صرصری کہلاتا ہے۔ صرصر بغداد اور کوفے کے رستے پر بغداد سے دس میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ یہاں سے ہم فتن پہنچے۔ یہاں کیلا بہت ہوتا ہے۔ دلی کے مقابل مسجد جامع ہے۔ مسجد سے سیڑھیاں پاؤں میں اُترتی ہیں۔ لوگ نیچے جا کر وضو اور غسل کرتے ہیں۔ فقیہ حسین نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ یہ اور مسجد راجہ کویل کے دادا نے تعمیر کی تھی اور وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

مسجد کی بے حرمتی کی خدائی سزا سے ہندوؤں کی درگت

پھر ہم شہر بدپتن گئے۔ یہ بھی ایک بڑا شہر ہے اور ایک بڑے دریا کے کنارے پر ہے سمندر کے کنارے پر ایک مسجد ہے اُس میں مسافر مسلمان آکر ٹھہرتے ہیں کیونکہ اس شہر میں کوئی مسلمان نہیں ہے اس شہر کا بندرگاہ نہایت خوبصورت ہے اور پانی بہت شیریں ہے۔ چھالیہ بکثرت پیدا ہوتی ہے یہاں سے چین اور ہندوستان کو لے جاتے ہیں۔ اکثر باشندے برہمن ہیں ہندو ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں لیکن وہ مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے ہیں اور اسی سبب سے اُس شہر میں کوئی مسلمان نہیں رہتا کہتے ہیں کہ انھوں نے اس شہر کو اس لیے منہدم نہیں کیا کہ ایک برہمن نے مسجد کی چھت گرا کر اُس کی کڑیاں اپنے مکان میں لگالی تھیں اُس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ وہ اور اُس کی اولاد اور اسباب سب جل کر راکھ ہو گئے۔ اُس کے بعد یہ لوگ مسجد کی تعظیم کرنے لگے۔ پھر اُس کی کسی کی بے حرمتی نہیں کی۔ ایک حوض بھی بنا دیا کہ مسافر پانی پی سکیں اور دروں پر جالیاں لگا دیں تاکہ پرندے داخل نہ ہو سکیں۔

وہاں سے چل کر ہم فندرینہ پہنچے۔ یہ بھی ایک بڑا شہر ہے بازار اور باغات بکثرت ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے تین محلے ہیں، ہر محلہ میں مسجد ہے اور جامع مسجد سمندر کے کنارے پر ہے۔ اُس میں سمندر کی طرف نشستگاہیں بنی ہوئی ہیں اور ایک عجیب نظارہ ہے اُس کا قاضی اور خطیب عمان کا رہنے والا ہے۔

کالی کٹ

عرب تاجروں کی عروج و فروغ کا گہوارہ

ہم شہر کالی کٹ[1] پہنچے۔ مالابار میں یہ بہت بڑا بندر ہے۔ چین اور جاوا اور سیلان اور مالدیپ اور یمن اور فارس کے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے تاجر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کا بندرگاہ دنیا کے بڑے بڑے بندروں میں سے ہے یہاں کا راجہ ہندو ہے جس کو سامری کہتے ہیں عمر میں زیادہ ہے اور اسی طرح ڈاڑھی منڈواتا ہے جیسے فرنگی۔

میر التجار کا نام ابراہیم شاہ بندر ہے وہ بحرین کا باشندہ ہے بڑا عالم اور سخی ہے اور ہر طرف کے سوداگر جمع ہو کر اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس شہر کا قاضی فخر الدین عثمان بھی بڑا سخی ہے خانقاہ کا شیخ شہاب الدین گازرونی ہے جو اشخاص چین اور ہندوستان میں شیخ ابو اسحاق گازرونی کی منت مانتے ہیں وہ اسی کو نذر دیتے ہیں۔ ناخدا مثقال بھی اسی شہر میں رہتا ہے یہ شخص بہت مشہور

---

[1] کالی کٹ صوبہ مدراس میں مالابار کا ایک بڑا ضلع ہے۔ مسلمان بڑی تعداد میں یہاں بستے ہیں

مالدار ہے اور اس کے جہاز ہندوستان اور چین اور یمن اور فارس میں تجارت کرتے ہیں ۔

جب ہم اس شہر کے پاس پہنچے تو شیخ شہاب الدین اور ابراہیم شاہ بندر اور بڑے بڑے سوداگر اور ا ہو کا نائب جس کو فلاح کہتے ہیں استقبال کو آئے اور ان کے ساتھ نوبت نقارے اور علم بھی جہازوں پر تھے ۔ اور ہم بڑے جلوس کے ساتھ بندرگاہ میں داخل ہوئے ۔ بندرگاہ بڑا وسیع تھا ۔ اس وقت یہاں چین کے تیرہ جہاز ٹھہرے ہوئے تھے ۔ ہم جہاز سے اتر کر شہر میں آ رہے اور مکان کرایہ پہ لے لیا ۔ تین مہینے تک چین کی طرف چلنے کے موسم کا انتظار کیا ۔ اتنی مدت تک ہماری ضیافت ہ کے محل سے آتی رہی ۔

جزائر مالدیپ

یکے از عجائبات عالم

جزائر ذیبۃ المہل کا حال میں سنتا رہتا تھا۔ دسویں دن ہم وہاں پہنچے۔ یہ جزائر دنیا کے عجائبات میں سے ہیں تعداد میں دو ہزار کے قریب ہیں سو سو جزیروں یا کچھ کم کا ایک مجموعہ ہے جو دائرہ کی شکل کا ہوتا ہے جس کا فقط ایک دروازہ ہوتا ہے جس میں جہاز جا سکتے ہیں۔ جہازوں کے لیے کہ ہر کی ضرورت ہے ان جزیروں کا باشندہ ہو تو وہ تمام جزیروں میں پھرا سکتا ہے۔ ایک مجموعہ دوسرے مجموعہ کے ایسا قریب ہے کہ اگر ایک سے نکلتے ہیں تو دوسرے کے کھجوروں کے درخت نظر آنے لگتے ہیں اگر سمت کی غلطی ہو جائے تو پہنچنا مشکل ہے اور ہوا جہاز کو سیلان[2] یا معبر کے ملک میں لے جا ڈالتی ہے اس جزیرے کے کل باشندے مسلمان ہیں اور دیندار اور نیکبخت ہیں اور ان جزیروں میں علیحدہ علیحدہ اقلیمیں ہیں ہر اقلیم پر جدا جدا والی ہیں۔ والی کو دوبی کہتے ہیں۔ اقلیموں کے نام یہ ہیں۔ بالپور۔ کنلوس مہل واس[1] اقلیم کے نام سے کل جزیرہ مشہور ہے اور بادشاہ بھی یہیں رہتا ہے۔ تلا دیپ — کرایدو۔

---

[1] مالدیپ کی ساری آبادی مسلمان ہے یہ ایک طرح کا مجمع الجزائر ہے، آبادی کم و بیش تین لاکھ تقسیم ہند کے بعد جب لنکا (سیلون) وغیرہ کو انگریز نے آزاد کیا۔ تو مالدیپ کو بھی آزادی عطا کر دی، یہ اب ایک چھوٹی سی اسلامی مملکت ہے۔!

[2] سیلون (رئیس احمد جعفری)

نم۔ تلدمتی ۔ ہلدمتی ۔ پریدو ۔ کندکل ۔ ملوک ۔ سوید۔ ان جزائر میں سو سوید کے اور کہیں زراعت بالکل نہیں ہوتی ۔ فقط سوید میں ایک قسم کا غلہ ہوتا ہے ۔ وہاں کے باشندے ایک قسم کی مچھلی کھاتے ہیں جو ہرن سے مشابہ ہوتی ہے وہاں کے لوگ قلب الماس کہتے ہیں اس کا گوشت سرخ ہوتا ہے اس میں بو نہیں ہوتی ۔ بلکہ چوپایوں کے گوشت کی طرح بو آتی ہے ۔ ان جزائر میں سب سے زیادہ ناریل ہوتا ہے مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں ۔ ناریل کا درخت عجیب ہو ۔ ایک سال میں بارہ دفعہ پھل دیتا ہے ۔ ہر مہینے نیا پھل آتا ہے ۔ ناریل کی تمام مصنوعات[1] ہیں اور مچھلی میں عجیب اور بے نظیر قوت باہ ہوتی ہے اور اس جزیرے کے باشندے اس پر فخر کرتے ہیں میرے نکاح میں وہاں چار بیویاں تھیں اور کنیز کیں ان کے علاوہ تھیں ان سب سے ہر رات متمتع ہوتا تھا[1] ڈیڑھ سال تک میرا یہاں قیام رہا ۔ برابر یہی دستور رکھا[2]۔

---

[1] ابن بطوطہ نے اپنی رنگین راتوں کی کہانی جس انداز میں بیان کی ہے اس کا پورا ترجمہ تو مناسب نہیں اصل عربی عبارت لکھ دیتا ہوں ،

ولقد کان لی بہا اربع نسوۃ وجوار سواھن ۔ فکنت اطوف علی جمیعھن کل یوم ۔ . . .

[2] بھلا یہ رنگ رلیاں تغلق کے زیر سایہ ، جہاں ہر وقت تلوار سر پر لٹکتی رہتی تھی ۔ کہاں ممکن تھیں !!

(رئیس احمد جعفری)

سفر چین

چینی جہاز، بحری سفر، جہاز کی تباہی، واپسی

چین کے سمندر میں جب تک چینی جہاز ساتھ نہ ہوں کوئی سفر نہیں کر سکتا۔ چین کے جہاز تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بڑے جہازوں کو جنک کہتے ہیں اور متوسط کو زو اور چھوٹے کو ککم۔ بڑے جہاز کے بارہ مستول ہوتے ہیں اور چھوٹے کے تین اور یہ مستول خیزران (دبید) کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور بادبان بوریہ کی طرح سے بنے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو کبھی نیچے نہیں گراتے۔ ہوا کے رُخ پھیر دیتے ہیں جب جہاز لنگر ڈالتے ہیں تو بھی بادبان کھڑے رہتے ہیں اور ہوا کے ساتھ اُڑتے رہتے ہیں۔

ہر جہاز میں ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ چھ سو تو جہاز رانی سے تعلق رکھنے والے اور چار سو سپاہی ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ تیر انداز اور چرخی کے ذریعہ سے نفت پھینکنے والے ہوتے ہیں۔ ہر بڑے جہاز کے نیچے تین چھوٹے جہاز ہوتے ہیں۔ ایک بڑے سے آدھا اور دوسرا اُس سے ثلث اور تیسرا اُس سے چوتھائی۔ یہ جہاز چین کے شہر زیتون میں بنائے جاتے ہیں یا صین کلاں میں۔

چینی جہازوں کا طرز تعمیر اور اندرونی حالات

اُن کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے دو دیواریں لکڑی کی بناتے ہیں اور پھر اُن دونوں دیواروں کو موٹی موٹی لکڑیوں سے وصل کرتے ہیں ان لکڑیوں کے عرض اور طول میں تین تین گز کی میخیں جڑتے ہیں۔ پھر ان پر فرش بناتے ہیں جو جہاز کے سب سے نیچے حصہ کا ہوتا ہے پھر سمندر میں ڈال دیتے ہیں۔

ڈھانچ پانی میں کنارہ کے قریب پڑا رہتا ہے۔ لوگ اگر غسل کرتے ہیں اور قضائے حاجت کرتے ہیں۔ نیچے کے ڈنٹھوں کے پہلو میں چپو لگائے جاتے ہیں جو ستونوں کی طرح موٹے ہوتے ہیں ایک ایک چپو پر دس سے لے کر پندرہ تک ملاح کھینے کا کام کرتے ہیں۔ یہ ملاح کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں۔

ہر جہاز کی چار چھتیں ہوتی ہیں۔ ہر جہاز میں گھر اور کوٹھڑیاں (مصریہ) اور کھڑکیاں سوداگروں کے لیے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ مصریہ میں رہنے کا گھر اور سنڈاس بھی ہوتا ہے، دروازہ بھی ہوتا ہے جس پر قفل لگ جاتا ہے جو شخص مصریہ لیتا ہے وہ دروازہ بند کر لیتا ہے اور اپنے ساتھ عورتوں کو لے جا سکتا ہے۔ بعض وقت مصریہ میں رہنے والے کو جہاز والے اور دوسرے لوگ جان بھی نہیں سکتے۔ کہ ہے یا نہیں۔ بحری لوگ یعنی ملاح اور سپاہی جہاز میں ہی رہتے ہیں اُن کے بال بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں اور وہ لکڑی کے حوض بنا کر اُن میں ترکاریاں اور ادرک وغیرہ بو دیتے ہیں۔ جہاز کا وکیل بڑا شان و شوکت والا آدمی ہوتا ہے۔ جب وہ خشکی پر جاتا ہے تو تیر انداز اور حبشی ہتھیار لیے ہوئے آگے آگے ہوتے ہیں اور نوبت اور نقارے بھی ساتھ ہوتے ہیں اور جب منزل پر پہنچتے ہیں اور وہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو نیزوں کو اُس جگہ کے دونوں طرف گاڑ دیتے ہیں۔ جب تک ٹھہرتے ہیں نیزے گڑے رہتے ہیں۔ اہلِ چین بعض اوقات کئی کئی جہازوں کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے وکیل جہازوں پر رکھتے ہیں اہل چین سے زیادہ دنیا میں کسی ملک کے لوگ مالدار نہیں ہیں۔

ہولناک طوفان میں پڑ کر جہاز کی تباہی و بربادی

جب چین کی جانب سفر شروع کرنے کا وقت قریب آیا تو سامری نے ہمارے لیے ایک جنک اُن تیرہ جنکوں میں سے جو بندرگاہ میں ٹھیرے ہوئے تھے تیار کرایا، اُس جنک کا وکیل سلیمان صفدی شامی تھا۔ میری اُس سے واقفیت تھی میں نے کہا مجھے ایک مصریہ درکار ہے جس میں کوئی اور شریک نہ ہو کیونکہ میرے ساتھ کنیزیں تھیں اور میں بغیر کنیزوں کو ساتھ لیے کبھی سفر نہیں کرتا[1]۔

---

[1] کیوں نہ ہو:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

(رئیس احمد جعفری)

اس نے جواب دیا کہ چین کے سوداگروں نے تمام مصریوں کو روک لیا ہے۔ البتہ میرے داماد کے پاس ایک مصریہ ہے وہ میں دے دوں گا مگر اس میں سنڈاس نہیں ہے لیکن اُس کا میں کچھ بندوبست کر دوں گا۔ میں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ میرا اسباب لے چلو اور غلام اور کنیزیں جنک میں چڑھ گئے جمعرات کا دن تھا میں نے ارادہ کیا کہ دوسرے دن جمعہ کی نماز پڑھ کر سوار ہوں گا۔ ظہیرالدین اور سنبل بھی جنک پر سوار ہو گئے اور کل سفارت کا اسباب اور جانور بھی اُن ہی کے پاس تھے پھر میرا غلام ہلال آج کی صبح کو میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مصریہ جو ہم نے کرایہ پر لی ہے بہت تنگ ہے کام نہیں چل سکے گا میں نے ناخدا سے ذکر کیا اُس نے کہا لاچاری ہے اس سے بہتر انتظام نہیں ہو سکتا۔ اگر ککم یعنی سب سے چھوٹے جہاز میں کوئی مصریہ لو تو بہتر سے بہتر مل سکتی ہے۔ میں نے کہا منظور ہے۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میری کنیزوں اور اسباب کو جنک سے اُتار کر ککم میں لے جاؤ اور جمعہ کی نماز سے پہلے جا کر اُس میں ڈیرہ کر لو۔

اس سمندر میں یہ قاعدہ ہے کہ عصر کے بعد تلاطم ہوتا ہے۔ اُس وقت کوئی سوار نہیں ہو سکتا سب جنک چل پڑے تھے۔ فقط وہ جنک جس میں سفارت کے تحفے تھے باقی تھا۔ شنبہ کی رات کو ہم سمندر کے ساحل پر رہے نہ ککم میں سے کوئی نیچے کنارہ پر آ سکا اور نہ ہم ککم میں سوار ہو سکے میرے پاس سوا بستر کے اور کچھ نہیں تھا۔ صبح کو جنک اور ککم دونوں بندرگاہ سے دور فاصلے پر جا پڑے وہ جنک اور فندرینا میں ٹھہرنا چاہتا تھا موج سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اُس کی بعض سواریاں بچ گئیں اور بعض ڈوب گئیں ایک سوداگر کی کنیز بھی اُس میں تھی وہ اُس سے بہت محبت رکھتا تھا اُس نے اعلان دیا کہ جو کوئی کنیز کو زندہ نکال لائے گا اُس کو وہ دس دینار دے گا وہ جنک کے پچھلے حصے پر ایک لکڑی کو پکڑے ہوئے تھی ایک جہازی ہرمزکا رہنے والا اسے نکال لایا اور اُس نے دینار نہ لیے اور کہا میں نے یہ کام فقط اللہ کے واسطے کیا ہے۔

میرے جہاز اور میرے ساتھیوں کا جگر فگار انجام

رات کو سمندر کی موج اُس جنک سے ٹکرائی جس میں سفارت کے تحفے تھے اور وہ ٹوٹ گیا کل اہلِ جہاز مر گئے۔ صبح میں نے سب کو کنارہ پر پڑے ہوئے دیکھا۔ ظہیرالدین کا سر پھٹ گیا تھا اور دماغ

نکل آیا تھا اور ملک سنبل کے کان میں لوہے کی میخ گھس گئی تھی اور دوسری طرف جا نکلی۔ ہم نے جنازہ کی نماز پڑھی اور دفن کیا۔ کالی کٹ کا راجہ دھوتی باندھے اور سر پر چھوٹی سی پگڑی رکھے ننگے پاؤں آیا اُس کا غلام چھتر لگائے ہوئے تھا اور اُس کے سامنے آگ جلتی آتی تھی۔ اُس کے سپاہی لوگوں کو مارتے تھے کہ جو چیز سمندر کے کنارے پڑی ہو کوئی نہ اُٹھائے۔ ملک مالابار میں دستور ہے کہ ایسا مال سرکاری خزانہ میں جاتا ہے لیکن خاص کالی کٹ کا دستور ہے کہ وہ کل مال جہاز والوں کا ہوتا ہے۔

ککم کے جہاز رانوں نے جب جنک کا یہ حال دیکھا تو انہوں نے اپنے بادبان اُٹھا دیے اور چل دیے اُس میں میرا کل اسباب اور کنیزکیں اور غلام اور ہمراہی تھے وہ بھی چلے گئے۔ میں اکیلا ساحل پر رہ گیا۔ ایک غلام میرے ساتھ تھا اسے میں آزاد کر چکا تھا وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور میرے پاس فقط وہ دس دینار رہ گئے، جو جوگی نے مجھے دیے تھے اور ایک بستر۔ لوگوں نے کہا یہ ککم بہرحال کولم کے بندر میں ضرور ٹھیرے گا اس لیے میں نے خشکی کے راستے کولم جانے کا ارادہ کیا خشکی اور نہر کے راستہ سے کولم دس منزل ہے میں نے نہر کے راستہ کیا اور ایک مسلمان مزدور اپنے ساتھ لیا جو میرا بستر اُٹھائے جاتا تھا۔ نہر میں سفر کرنے والے رات کو خشکی پر کسی قریب کے گاؤں میں ٹھہر جاتے ہیں اور دوسرے دن صبح کو پھر کشتی پر آجاتے ہیں۔ ہم بھی اُسی طرح کرتے رہے۔ کشتی میں اور کوئی مسلمان نہ تھا سوا اُس مزدور کے جو میں نے نوکر رکھ لیا تھا۔ یہ شخص منزل پر پہنچ کر ہندوؤں کے ساتھ شراب پی لیا کرتا تھا اور مجھ سے لڑا کرتا تھا اس لیے میری طبیعت اور بھی خراب ہو جاتی تھی۔

کوچین کے ایک شہر کولم میں مسلمان تاجروں کی ثروت مندی

پانچویں دن ہم کنجی گری[1] میں پہنچے وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور اس میں یہودی رہتے ہیں اور اُن کا امیر علیحدہ ہے اور وہ کولم کے راجہ کو جزیہ دیتے ہیں اس نہر پر دار چینی اور بقم کے درخت ہیں اور ان ہی درختوں کی لکڑی جلانے کے کام میں آتی ہے دسویں دن ہم کولم میں پہنچے۔ مالابار میں یہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت ہے بازار بہت اچھے ہیں اور وہاں کے سوداگروں کو صولی کہتے ہیں وہ بڑے مالدار ہیں بعض

---

[1] ریاست کوچین کا ایک مقام۔

سوداگر جہاز کا جہاز بھرا ہوا خرید لیتے ہیں اور اپنے گھر میں تجارت کے لیے ڈال رکھتے ہیں۔ مسلمان سوداگر بھی اس شہر میں بہت ہیں ان میں سب سے بڑا علاؤ الدین آوجی شہر آوہ کا رہنے والا ہے وہ رافضی ہے اور اُس کی ہمراہی بھی اِس طریقہ کے ہیں یہ لوگ تقیہ نہیں کرتے۔ اس شہر کا قاضی قزوین کا ایک فاضل ہے۔ مسلمانوں میں بہت بڑا آدمی محمد شاہ بندر ہے اُس کا بھائی تقی الدین بڑا فاضل ہے۔ اس شہر کی جامع مسجد بھی خوب ہے۔ یہ شہر مالابار کے شہروں میں چین سے سب سے زیادہ قریب ہے اور اس لیے چین کے بہت سے آدمی یہاں سفر کر کے آتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس شہر میں بہت عزت ہے۔ راجہ کا نام تیرودری ہے وہ مسلمانوں کی نہایت تعظیم کرتا ہے اور چوروں اور فاسقوں پر نہایت سختی کرتا ہے۔

کولم میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک عراقی تیر انداز نے دوسرے کو مار ڈالا اور آوجی کے گھر میں جا گھسا۔ وہ شخص بہت مالدار تھا۔ مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ مقتول کو دفن کر دیں لیکن راجہ کے نائب نے منع کیا کہ جب تک قاتل ہمارے سپرد نہ کیا جائے گا مقتول دفن نہیں ہو سکتا اس کا تابوت آوجی کے دروازہ پر رکھ دیا جب اُس میں سے بو آنے لگی تو آوجی نے قاتل کو راجہ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ مقتول کے ورثا کو مال دلوا دیں اور قاتل کو نہ ماریں۔ راجہ کے اہل کاروں نے انکار کیا اور اُس کو قصاص میں مروا ڈالا اُس کے بعد مقتول کو دفن کیا گیا۔ کولم شہر میں شیخ فخر الدین کی خانقاہ میں ٹھہرا رہا۔ یہ بزرگ شیخ شہاب الدین گازرونی کے بیٹے ہیں۔ ککم کی کچھ خبر نہ لگی۔ اسی اثنا میں بادشاہ چین کی سفارت جو دہلی سے واپس آئی تھی اور ہمارے ساتھ تھی اور جنک میں سوار ہوئی تھی کولم میں داخل ہو گئی اُن کا جنک بھی ٹوٹ گیا تھا اہل چین نے اُن کو کپڑے وغیرہ دے کر پھر اپنے ملک کی طرف روانہ کر دیا تھا وہ مجھے بعد میں چین میں ملے۔

گوا کے جہاد میں میری شرکت، مسلمانوں کی فتح

میں نے ارادہ کیا تھا کہ کولم سے دہلی واپس چلا جاؤں اور بادشاہ سے کچھ حال جو گذرا تھا بیان کروں لیکن ڈر گیا کہ کبھی مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ تو تحائف سے علیحدہ کیوں ہوا تھا۔[1] اس لیے میں نے سلطان جمال الدین کے پاس ہنور کے شہر میں آنے کا ارادہ کیا کہ جب تک ککم کا پتہ نہ لگے میں اُس کے پاس ٹھہرا رہوں

---

[1] دہشت کی انتہا ہے۔

جب کالی کٹ میں پہنچا تو وہاں بادشاہ کے چند جہاز تھے جس میں اُس نے سید ابوالحسن پردہ دار کو بہت سامان دے کر بھیجا تھا کہ ہرمز اور قطیف میں جا کر جس قدر عرب لا سکے ہندوستان میں لے آئے کیونکہ بادشاہ کو عربوں کے ساتھ بدرجۂ کمال محبت تھی۔

میں سید ابوالحسن کے پاس گیا معلوم ہُوا کہ اس کا ارادہ ہے کہ کالی کٹ میں موسم گرما بسر کرے۔ اور اُس کے بعد عرب کی طرف سفر کرے۔ میں نے اُس سے مشورہ لیا کہ بادشاہ کے پاس واپس جاؤں یا نہیں۔ اُس نے واپس جانے کی صلاح نہ دی۔ میں کالی کٹ سے جہاز پر سوار ہُوا یہ اُس موسم کا سب سے اخیر سفر تھا۔ آدھے دن تک تو ہم چلتے تھے اور آدھے دن لنگر ڈال کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ راہ میں ہمیں بحری قزاقوں کی چار کشتیاں ملیں بڑا ڈر لگا لیکن انہوں نے کچھ تعرض نہ کیا اور ہم ہنور پہنچ گئے میں سلطان ہنور کے پاس گیا اور سلام کیا اُس نے مجھے ایک شخص کے گھر ٹھیرا دیا کیونکہ میرے پاس کوئی نوکر نہ تھا۔ پھر کہلا بھیجا کہ اُس کے ساتھ نماز پڑھا کروں میں اکثر مسجد میں بیٹھا رہتا تھا اور ہر روز ایک کلام اللہ ختم کرتا تھا اور پھر دو کلام اللہ ختم کرنے شروع کر دیے ایک تو صبح سے شروع کر کے ظہر کے وقت تک اور دوسرا ظہر سے مغرب کے وقت تک۔ تین مہینے تک اسی طرح کرتا رہا اور چالیس دن تک اعتکاف میں بھی رہا[1]۔

سلطان جمال الدین نے باون جہاز تیار کیے اُس کا ارادہ سندابور پر چڑھائی کرنے کا تھا۔ وہاں کے راجہ اور اُس کے راجہ کے درمیان کچھ نقیض تھا راجہ کے بیٹے نے سلطان کو لکھا کہ اگر سلطان سندابور کو فتح کرے گا تو وہ مسلمان ہو جائے گا اور اپنی بہن کا نکاح سلطان کے ساتھ کر دے گا جب جہاز تیار ہوئے تو میرے دل میں آیا کہ میں بھی جہاد کے ثواب میں شامل ہوں میں نے کلام اللہ میں فال دیکھی تو آیت نکلی یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ۔ صاف فتح کی بشارت تھی جب سلطان عصر کی نماز کے واسطے مسجد میں آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ بھی سفر کرنا چاہتا ہوں اُس نے کہا۔ اچھا میں تجھے جہاد کا امیر مقرر کرتا ہوں میں نے کہا کلام اللہ میں یہ فال نکلی ہے وہ بہت خوش ہُوا اور خود بھی چلنے کو تیار ہو گیا پہلے اس کا ارادہ نہ تھا۔ میں اور وہ ایک جہاز پر سوار ہوئے۔

---

[1] گویا تغلق کی بے پناہ داشت کا نفسیاتی ردِّعمل (رئیس احمد جعفری)

شنبہ کے دن ہم چلے منگل کے دن سنداپور میں پہنچے اور کھاڑی میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ سنداپور کے باشندے لڑائی کے لیے تیار ہیں اور منجنیق لگائے ہوئے ہیں رات کو ہم ٹھیرے رہے صبح ہوتے ہی نوبت نقارے بجنے شروع ہوئے اور جہاز لڑائی کے لیے تیار ہوئے دشمن نے جہازوں پر منجنیق سے پتھر پھینکنے شروع کیے ایک شخص بادشاہ کے قریب کھڑا تھا اُس کے پتھر آکر لگا۔ جہاز والے پانی میں کود پڑے۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں تھیں اور سلطان جکیری بھی اُتر گیا اور میں بھی پانی میں کود پڑا۔ ہمارے پاس دو جہاز تھے جن کے پیچھے کھلے ہوئے تھے ان میں گھوڑے بھی سوار تھے۔ یہ جہاز ایسے بنے ہوئے تھے کہ اُن کے اندر ہی اندر آدمی گھوڑے پر سوار ہو سکتا تھا اور زرہ پہن کر گھوڑے پر چڑھا ہُوا باہر نکل آتا تھا۔ ہم نے بھی اسی طرح کیا۔

خدا نے مسلمانوں کو مدد دی۔ ہم تلواریں پکڑ کر شہر میں داخل ہوئے۔ اکثر ہنود و راجہ کے محل میں پناہ گزیں ہوئے ہم نے اُن پر آگ برسائی اور اُن کو گرفتار کر لیا۔ سلطان نے اُن کو امان دے دی اور ان کی عورتیں واپس کر دیں۔ یہ لوگ دس ہزار کے قریب تھے۔ انہیں شہر کے باہر رہنے کے لیے جگہ دی خود سلطان محل میں جا رہا اور آس پاس کے گھر اپنے ملازموں اور امیروں کو دے دیے۔ مجھے ایک لونڈی دی اُس کا نام مکی تھا۔ میں نے اُس کا نام مبارکہ رکھا اُس کا خاوند مجھے فدیہ دیتا تھا میں نے لینے سے انکار کیا۔ سلطان نے مجھے ایک مصری جبّہ بھی دیا جو راجہ کے توشہ خانہ سے برآمد ہُوا تھا۔ میں سلطان کے پاس سنداپور میں ۱۳ جمادی الاوّل سے نصف شعبان تک رہا اور سفر کرنے کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے مجھ سے عہد لے لیا کہ میں پھر واپس آؤں گا۔

میری کنیز، ساتھیوں اور غلاموں کا حشر

پھر جہاز پر سوار ہو کر ہنور اور کالی کٹ ہوتا ہُوا شہر شالیات[1] پہنچا۔ یہ شہر خوبصورت ہے یہاں عمدہ کپڑا بنایا جاتا ہے۔ میں نے اس شہر میں کافی عرصہ تک مقیم رہا۔ پھر کالی کٹ واپس آیا تو میرے دو غلام جو کلم پر میرے تھے انہوں نے کہا کہ میری کنیزک جو حاملہ تھی اور جس کی بابت مجھے بہت فکر رہتا تھا مر گئی اور جاوا کے راجہ

---

[1] اب شالمار کے نام سے مشہور ہے۔

نے سب لونڈیاں اور اسباب چھین لیا میرے ہمراہی کچھ جاوا میں اور کچھ چین میں، کچھ بنگالہ میں پراگندہ ہو گئے
یہ حال معلوم کر کے میں ہنور میں اور وہاں سے سندا پور میں واپس آیا اور محرم کے اخیر میں وہاں پہنچا
اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ تک وہاں ٹھیرا۔ کالی کٹ کی طرف چلا اور جزائر مالدیپ کے سفر کا ارادہ
کیا۔

مالدیپ

باشندے، مکانات، عادات و رسوم، عورتیں

یہاں کے لوگ اہلِ صلاح و دیانت دار اور حاملِ ایمان صحیح اور نیت صادقہ ہوتے ہیں، اکل حلال کے خوگر ہیں، مستجاب الدعا بھی ہوتے ہیں۔ جب کوئی آدمی ان کی طرف دیکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ میرا رب ہے اور محمدؐ میرا نبی ہے اور میں غریب جاہل ہوں۔ بدن کے دُبلے پتلے ہوتے ہیں۔ لڑائی کے عادی نہیں ہوتے اُن کا ہتھیار دعا ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اہلِ مجلس بہت سے بیہوش ہو گئے۔ ہندوستان کے چور اور ڈاکو بھی اُن کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے کیونکہ اُن کو تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی اُن کا مال چراتا ہے یا زبردستی چھینتا ہے تو اُس پر فوراً مصیبت نازل ہوتی ہے۔

ہر جزیرہ میں مسجدیں ہیں۔ اکثر لکڑی کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ پاک صاف رہتے ہیں اور اکثر دن میں دو دفعہ غسل کرتے ہیں کیونکہ گرمی بہت ہوتی ہے اور پسینا بکثرت آتا ہے۔ خوشبو اور عطریات کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد عورت اپنے خاوند کے پاس یا اپنے بیٹے کے پاس سرمہ دانی اور گلاب اور خوشبو لاتی ہے اُس کی آنکھوں میں سرمہ ڈالتی ہے اور گلاب اور خوشبو سے اُس کا منہ اور بدن ملتی ہے۔ گھر لکڑی کے بنے ہوتے ہیں اور گھر کا فرش زمین سے اونچا رکھتے ہیں تاکہ نمی سے حفاظت رہے۔ یہاں کے لوگ ننگے پاؤں پھرتے ہیں خواہ شریف ہو خواہ کم ذات۔ ان کے کوچے اور گلیاں صاف رہتی ہیں اُن میں جھاڑو دی ہوتی ہے اور دونوں طرف درخت ہوتے ہیں جس کے سایہ میں چلنے والا اس طرح چلتا ہے گویا وہ باغ میں جا رہا ہے لیکن پھر بھی گھر میں داخل

ہونے سے پہلے ہر شخص اپنے پاؤں دھوتا ہے اور ناریل کی چھال کا بنا ہوا ایک موٹا بوریہ پڑا رہتا ہے اس پر خوب رگڑ لیتا ہے۔ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

مسافروں کا خیر مقدم اور ضیافت

یہ بھی دستور ہے کہ جب کوئی جہاز آتا ہے تو لوگ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جن کو کندرہ کہتے ہیں اہل جہاز کا استقبال کرتے ہیں اور پان اور ناریل کی گری اپنے ساتھ لے جاتے ہیں جس شخص کو چاہتے ہیں وہ پان اور گری دیتے ہیں وہ شخص اُس کا مہمان سمجھا جاتا ہے اور اُس کا اسباب اُٹھا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں گویا اُس کا کوئی عزیز وہ مسافر نکاح کرنا چاہتا ہے تو اُس کا نکاح بھی کر دیتے ہیں جب وہ جاتا ہے تو اُس عورت کو طلاق دے جاتا ہے کیونکہ یہاں کی عورتیں جزیرہ سے باہر نہیں جاتیں اور اگر نکاح کرنا نہیں چاہتا تو میزبان کی بیوی مسافر کا کھانا پکاتی ہے اور خدمت کرتی ہے اور جب سفر پر جاتا ہے تو زاد دیتی ہے اور اُس کے عوض جو تھوڑا بہت وہ دے دیتا ہے اُسے لے کر بہت خوش ہوتی ہے۔

ناریل کی رسّی اور کوزیاں وغیرہ

یہاں کے لوگ مٹی کے برتن مرغیوں کے عوض خریدتے ہیں چنانچہ ایک دیگچی کی قیمت پانچ یا چھ مرغیاں ہوتی ہیں۔ ان جزیروں سے جہاز مچھلی کا گوشت اور ناریل اور چادریں ولیاں اور عمامے روئی کے بنے ہوئے اور تانبے کے برتن اور کوڑیاں اور قنبر یعنی ناریل کی رسّی لے جاتے ہیں۔ ناریل کے اوپر کے چھلکے کو سمندر کے کنارے غاروں میں بھگوتے ہیں پھر اُن کو سونٹوں سے کوٹتے ہیں، پھر عورتیں کاتتی ہیں اور رسیاں جہازوں کے واسطے بناتی ہیں اور یمن اور ہند اور چین میں بیچنے کے واسطے لے جاتے ہیں۔ یہ رسّی بھنگ کی رسی سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ ہندوستان اور یمن میں جہازوں کی لکڑیاں ان رسیوں سے جوڑتے ہیں اور لوہے کی میخیں استعمال نہیں کرتے کیونکہ لوہے کی میخیں پتھر کے ٹکرانے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ لیکن اگر ان رسیوں سے تختے جکڑے ہوئے ہوں تو خواہ کسی قدر صدمہ پہنچے جہاز کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ان جزیروں میں کوڑیوں کا چلن ہے۔ کوڑی ایک جانور ہوتا ہے سمندر میں سے اُن کو چن کر کنارے پر ایک غار میں جمع کر دیتے ہیں وہ جانور سوکھ جاتا ہے اور اُس کی سفید ہڈی باقی رہ جاتی ہے۔ سو کوڑیوں کو

کو سیاہ لیتے ہیں اور سات سو کوڑیوں کو فال اور بارہ ہزار کو تی اور لاکھ کوڑیوں کو بستو۔ چار بستو کو ایک طلائی دینار کے عوض بیچتے ہیں اور بعض وقت سستی ہو جاتی ہیں تو دس بستو بھی ہو جاتی ہیں اہلِ بنگال اُن کے عوض چاول دے جاتے ہیں۔ بنگالہ کے ملک میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے۔ اہلِ یمن بھی کوڑیاں خریدتے ہیں اور وہ بجائے ریت کے اپنے جہازوں میں انہیں بھا لیتے ہیں۔ سوڈان میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے اور مالی اور جُوجُو کے ملک میں ایک طلائی دینار کے عوض گیارہ سو پچاس کوڑیاں بکتی ہیں۔

جزائر مالدیپ کی عورتیں اور ان کے طور طریقے

ان جزیروں کی عورتیں اپنا سر نہیں ڈھکتیں اور اُن کی ملکہ بھی سر نہیں ڈھکتی۔ بالوں میں کنگھی کرتی ہیں اور بالوں کا جوڑا سر پر ایک طرف کو باندھ لیتی ہیں۔ اکثر تو فقط ایک چادر رکھتی ہیں جس سے ناف سے نیچے پاؤں تک بدن ڈھک لیتی ہیں اور باقی کُل بدن ننگا رکھتی ہیں اور بازاروں اور گلیوں میں بھی اسی طرح پھرتی ہیں۔

جب میں وہاں کا قاضی مقرر ہُوا تو میں نے بہت کوشش کی کہ یہ دستور چھڑوا دوں۔ لباس پہننے کو حکم دیا لیکن میں کامیاب نہ ہُوا۔ اخیر میں نے حکم دیا کہ میرے سامنے کوئی عورت مقدمہ کی پیشی کے وقت ننگے بدن نہ آئے اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہ کر سکا۔ بعضی عورتیں تو ساڑھی کے اوپر ایک چھوٹی اور عریض آستینوں کی کُرتی پہن لیتی ہیں۔ میری کنیزکوں کا لباس اہلِ دہلی کی مانند تھا وہ اپنا سر بھی ڈھکا رکھتی تھیں لیکن وہاں کی عورتیں اُن کو بُرا جانتی تھیں۔ اُن کا زیور کنگن ہے۔ دونوں ہاتھ پہونچے سے لے کر کہنی تک ان سے ڈھانپتی ہیں۔ یہ کنگن چاندی کے ہوتے ہیں کیونکہ سوا بادشاہ اور اُس کی رشتہ دار عورتوں کے کوئی عورت سونے کے کنگن نہیں پہن سکتی اور پاؤں میں جھانجن پہنتی ہیں جس کو پائل کہتے ہیں۔ سونے کی حمائل گلے میں پہنتی ہیں اُس کو لبسدرد کہتے ہیں۔

اس جزیرہ میں ایک عجیب رسم ہے کہ وہاں کی عورتیں پانچ دینار یا کم لے کر گھروں میں فقط روٹی کپڑے پر خدمت کرتی ہیں اور اسے عیب نہیں مانتیں۔ چنانچہ دولت مند آدمیوں کے گھروں میں دس دس اور بیس بیس عورتیں ہوتی ہیں اگر وہ کوئی عورت برتن توڑ ڈالتی ہیں تو اُس کی قیمت حساب میں منہا ہو جاتی ہے اس طرح کی عورتیں اکثر قنبر یعنی ناریل کی رسّی کے کاتنے کا کام کرتی ہیں۔

نکاح اس جزیرے میں بہت آسانی سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مہر تھوڑا ہوتا ہے اور عورتیں حسن معاشرت

کے یے مشہور ہیں۔ اعلی الترائی مہر مقرری نہیں ہوتے۔ ایسی عورتیں [illegible]
ایک ہی خدمت اپنے خاوند کی نہیں کرتی بلکہ وہی کھانا لاتی ہے، وہی لے جاتی ہے وہی ہاتھ دھلاتی ہے وہی وضو کے لیے پانی لاتی ہے وہی سوتے وقت پاؤں دباتی ہے۔ وہاں کی عورتیں خاوند کے ساتھ ہرگز نہیں کھاتیں بلکہ خاوند کو معلوم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کھاتی ہے۔ میں نے وہاں کئی عورتوں سے نکاح کیا۔ بعض نے بعد قیل و قال کے میرے ساتھ کھانا منظور کر لیا اور بعض نے میرے ساتھ نہ کھایا۔ میں نے بہت ہی کوشش اور تدبیر کی کہ اُن کو کھاتے ہوئے دیکھوں لیکن ناکام رہا۔

باشندگانِ جزائر مالدیپ کا قبولِ اسلام

ان جزیروں کے بعض ثقہ آدمیوں نے جیسے کہ فقیہ عیسےٰ یمنی اور فقیہ معلم علی اور قاضی عبداللہ وغیرہ ہیں مجھ سے یہ روایت کی کہ اس جزیرے کے باشندے پہلے بت پرست تھے اور ہر مہینے سمندر کی طرف سے ایک جن آتا تھا ان کا دستور تھا کہ جب اسے دیکھتے تھے تو ایک ناکتخدا عورت کو بنا ؤ سنگار کر کے بتخانہ میں جو سمندر کے کنارے پر تھا چھوڑ دیتے تھے صبح کو آتے تھے تو اُسے مرا ہوا اور بکارت کو زائل پاتے تھے۔ ہر مہینے آپس میں قرعہ ڈالتے تھے جس کے نام پر قرعہ آتا تھا اسے اپنی بیٹی بھیجنی پڑتی تھی۔

ایک دفعہ اُن کے جزیرہ میں ایک مغربی ابوالبرکات بربری بطورِ مسافر کے وارد ہوا یہ شخص حافظِ قرآن تھا۔ وہ جزیرہ مہل میں ایک بڑھیا کے گھر میں ٹھیرا۔ ایک روز گھر کے اندر جو داخل ہوا تو دیکھا وہ بڑھیا اور اُس کے رشتہ دار رو رہے ہیں اُس نے حال دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ اس بڑھیا کے نام قرعہ پڑا ہے اور اُس کی فقط ایک بیٹی ہے۔

ابوالبرکات نے کہا کہ تیری بیٹی کی بجائے میں جاؤں گا۔ یہ شخص کھوسہ تھا، ڈاڑھی مونچھ نہ رکھتا تھا اسے اُٹھا کر بت خانہ میں چھوڑ آئے اُس نے وضو کر کے کلام اللہ پڑھنا شروع کیا جن ظاہر ہوا لیکن جب اُس نے کلام اللہ کی تلاوت سنی تو واپس چلا گیا۔ صبح ہوئی مغربی کھڑا ہوا تلاوت کر رہا تھا جب بڑھیا اور اُس کے رشتہ دار اُس کی لاش لینے آئے تو اُسے زندہ پایا۔ اُسے پادشاہ کے پاس لے گئے۔

ل۔ خاندانی مہر جو رائج ہو

[illegible] عجیب ہوا۔

مغربی نے اُس کو مسلمان ہونے کی رغبت دی۔ بادشاہ نے کہا تو اگلے مہینے تک صبر کر اگر اگلے بھی تو سالم رہا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ مغربی وہاں ٹھیر گیا اور ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور وہ مع اپنے امیروں اور کنبہ کے مسلمان ہو گیا۔ بت خانے توڑ دیئے اور ان جزیروں کے باشندے مسلمان ہو گئے۔ باقی جزیروں کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

مغربی کے سبب سے یہ لوگ بھی کل امام مالک کے مذہب کے پیرو ہو گئے۔ یہ لوگ مغرب کے لوگوں کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی جو اب تک اُس کے نام سے مشہور ہے اور اس مسجد کی محراب پر کتبہ کھدا ہے کہ سلطان احمد شنورازہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اس بادشاہ نے ان جزیروں کے محاصل کا تہائی مسافروں کے لیے مقرر کر دیا کیونکہ اُس کے مسلمان ہونے کا سبب ایک مسافر ہوا تھا اب تک وہی عملدرآمد چلا آتا ہے۔

جزائر مالدیپ کی ملکہ اور اُس کا حال

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ان جزیروں کی بادشاہ ایک عورت ہے۔ خدیجہ اُس کا نام ہے اور سلطان جلال الدین عمر بن سلطان صلاح الدین صالح بنگالی کی بیٹی ہے۔

اس جزیرہ میں کل حکم نامے کھجور کی شاخوں پر ایک لوہے کے چاقو سے جو ٹیڑھا ہوتا ہے لکھتے ہیں۔ اور کاغذ پر فقط کلام اللہ اور کتابیں لکھتے ہیں اور یہ حکم خطیب جمعہ کے دن یا اور کسی روز سناتا ہے اور اس طرح شروع کرتا ہے۔ اے خدا! اپنی لونڈی کی مدد کر جس کو تو نے اپنے علم کے سبب سے تمام عالم کے لوگوں میں سے برگزیدہ کیا ہے اور اُس کو تمام مسلمانوں کے لیے ذریعۂ رحمت بنایا ہے وہ کون ہے سلطانہ خدیجہ سلطان جلال الدین کی بیٹی جو سلطان صلاح الدین کا بیٹا تھا۔

اس ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی مسافر وارد ہوتا ہے اور شاہی محل میں جاتا ہے تو دو کپڑے اپنے ساتھ لے جاتا ہے ایک تو ملکہ کو سلام کرنے کے وقت اُس کے پاؤں پر ڈالتا ہے اور دوسرا جمال الدین وزیر کے سلام کرنے کے وقت اُس کے پاؤں پر ڈال دیتا ہے۔ اس ملکہ کا لشکر ایک ہزار کے قریب ہے وہ کل پردیسی ہیں۔ وہ ہر روز شاہی محل میں آتے ہیں اور سلام کر کے چلے جاتے ہیں۔ اُن کو تنخواہ میں چاول

تے ہیں جو سرکاری خزانہ (بندر) سے آتے جاتے ہیں۔ جب مہینہ ختم ہو جاتا ہے تو اہلِ لشکر شاہی محل میں آتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔ وزیر سے کہتے ہیں ہمارا سلام ملکہ کو پہنچا دے اور کہہ دے کہ ہم اپنی تنخواہ طلب کرنے آئے ہیں۔ اُس وقت وزیر حکم دیتا ہے کہ مقررہ مشاہرہ دے دو۔ قاضی اور کُل وزیر بھی ہر روز آتے ہیں غلام ان کا سلام ملکہ کو پہنچاتے ہیں اور وہ خوش چلے جاتے ہیں۔

وزیرِ اعظم کو جو ملکہ کا نائب بھی ہے کلکی کہتے ہیں۔ قاضی کو فند بار قالو کہتے ہیں۔ قاضی کا عہدہ سب سے بڑا ہے۔ اُس کا حکم بادشاہ سے بھی زیادہ چلتا ہے وہ شاہی محل میں ایک مسند پر بیٹھتا ہے۔ تین جزیروں کا محصل قاضی کے لیے سلطان احمد شنورازہ کے وقت سے معاف چلا آتا ہے۔ خطیب کو ہند بجری کہتے ہیں اور دیوان کو فالی داری اور صاحب اشتغال کو ہانا کلوا اور حاکم کو فیتا یک اور امیرالبحر کو مانایک کہتے ہیں۔ یہ سب عہدہ دار وزیر کہلاتے ہیں۔ اس ملک میں قید خانہ نہیں ہوتا اگر بہت قیدی ہوں تو لکڑی کے گھروں میں جو سوداگروں کے اسباب رکھنے کے لیے بنے ہوتے ہیں بند کر دیتے ہیں اور ایک قیدی ہو تو اُس کو کاٹ میں دے دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں فرنگی قیدیوں کو بند کیا جاتا ہے۔

مالدیپ کے شب و روز

میرا عروج و زوال، نئی نئی شادیاں، الوداع

سب سے پہلے میں کنوس کے جزیرہ میں پہنچا۔ یہ جزیرہ بہت خوبصورت ہے مسجدیں بکثرت ہیں وہاں ایک ادھا کے گھر ٹھیرا۔ میں یہاں ناخدا عمر ہنوزی کے جہاز میں آیا تھا یہ شخص حاجی اور فاضل تھا۔ اس نے ایک کشتی (کندرہ) کرایہ کی اور ملکہ اور وزیر کے لیے تحفے لے کر چلا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چھٹے دن ہم عثمان کے جزیرہ میں پہنچے۔ یہ شخص بڑا فاضل اور نیک بخت ہے اُس نے ہماری ضیافت کی۔ آٹھویں دن ہم وزیر کے جزیرہ میں پہنچے جس کو تلمدی کہتے ہیں اور دسویں دن محل کے جزیرہ میں پہنچ گئے۔ جہاں ملکہ اور اُس کا وزیر رہتے ہیں۔

وہاں کا دستور ہے کہ کوئی شخص جہاز سے بغیر اجازت کے نہیں اتر سکتا جب اجازت آگئی تو میں نے کسی مسجد کی طرف رُخ کیا۔ خادموں نے کہا کہ پہلے وزیر کے پاس جانا پڑے گا۔ میں نے ناخدا کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر تجھ سے میری بابت دریافت کریں تو لاعلمی بیان کرنا کیونکہ میں ڈرتا تھا کہ کہیں مجھے اس جزیرہ میں نہ ٹھیرا لیں۔ پر مجھے خبر بھی نہیں تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے کسی آدمی نے لکھ دیا تھا کہ یہ شخص فلاں ہے اور دہلی میں قاضی رہ چکا ہے۔

جب ہم شاہی محل میں پہنچے تو تیسرے دروازہ میں جو سہ دری ہے وہاں ٹھیرے۔ قاضی عیسیٰ یمنی میرے پاس آیا اُس نے مجھے سلام کیا اور میں نے وزیر کو سلام کیا۔ ناخدا ابراہیم آیا اور دس گھوڑے اپنے ساتھ لایا۔ پہلے اُس نے ملکہ کی تعظیم کی۔ اُس نے میری بابت دریافت کیا گیا۔ اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر انہوں نے میرے پاس پان اور گلاب بھیجا یہ اُن کے ملک میں بڑی تعظیم سمجھی جاتی ہے اور میں شاہی محل میں ٹھیرا۔ اُس کے بعد ہمارے لیے کھانا آیا۔ ایک بڑی قاب کے پاس خشکہ تھا اور اردگرد کئی پیالے تھے جن میں حلیم کا گوشت اور مرغ کا گوشت اور مکھن مچھلی تھی۔

دوسرے دن [illegible]

ملیح گوشت اور ناریل کا شہد تھا۔ ناریل کے شہد کو یہ لوگ قربانی کہتے ہیں یعنی شکر کا پانی اور ایک سالگرہ کڑیاں بھی خرچ کرنے کے واسطے بھیجیں۔ دس دن کے بعد سیلان کے جزیرے سے ایک جہاز آیا اس میں عرب اور عجم کے فقیر بھی تھے وہ لوگ مجھے جانتے تھے انہوں نے وزیر کے نوکروں سے کل حال بیان کر دیا اُس کے بعد وہ اور بھی زیادہ تعظیم کرنے لگا۔

رمضان کے چاند کی رات مجھے وزیر نے بلا بھیجا میں گیا تو امیر اور وزیر موجود تھے کھانا آیا اور دستر خوان پر بہت سے آدمی موجود تھے۔ وزیر نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھایا اور اُس کے پاس قاضی عیسٰی اور وزیر مالداری اور وزیر عمر دھری یعنی سپہ سالار موجود تھے۔ خشکہ اور مرغ بریاں اور گھی اور مچھلی اور ملیح گوشت اور کیلوں کی بھجیاں دسترخوان پر رکھی گئی۔ کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ ناریل کا شہد جس میں خوشبوئیں ملی ہوئی ہیں پیتے ہیں جس سے کھانا باسانی ہضم ہو جاتا ہے۔ وزیر اپنے گھر واپس گیا میں بھی اُس کے ساتھ تھا۔ ہم بیت المال کے ایک باغ میں سے گذرے وزیر نے کہا میں نے یہ باغ تجھ کو دیا۔ یہاں تیرے رہنے کے لیے ایک گھر بنوادوں گا میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی۔

ایک مرہٹی کنیز کے مقابلے میں مالدیپی کنیز میں نے رد کردی

دوسرے دن میرے لیے ایک کنیز کی بھیج دی اور کہلا بھیجا کہ یہ کنیزک تجھے پسند ہو تو رکھ لے ورنہ ایک اور مرہٹی کنیزک بھیج دی جائے گی۔ مرہٹی کنیزکیں مجھے بہت پسند تھیں میں نے مرہٹی کنیزک بھیج دو۔ وزیر نے بھیج دی۔ اس کا نام گل بستان تھا وہ فارسی بول سکتی تھی۔ دوسرے دن ایک معبری کنیزک میرے پاس بھیج دی جس کا نام عنبری تھا۔ تیسری رات نمازِ عشا کے بعد وزیر اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ میرے مکان پر آیا دو چھوٹے چھوٹے غلام اُس کے ساتھ تھے۔ میں نے سلام کیا اُس نے میرا حال احوال دریافت کیا میں نے دعا کی اُس کے بعد ایک غلام نے ایک بقچہ (بقشہ) سامنے رکھ دیا اور اُس میں سے ریشمی کپڑے نکالے اور ایک ڈبہ نکالا جس میں موتی اور زیورات تھے وہ سب مجھے دے دیے اور کہا کہ اگر وزیر ان کنیزکوں کے ساتھ بھیجتا تو وہ جانتیں ہمارا مال ہے ہمارے آقا نے یہ مال عطا کیا ہے اب یہ مال ہے تو اپنی طرف سے اُن کو دے دے میں نے اس کے حق میں دعائے نیک کی اور شکریہ

ادا کیا کیونکہ وہ سفر یہ کا بھی تھا۔

دہلی سے زیادہ مالدیپ میں ٹھاٹھ اور رنگ رلیاں

وزیر سلیمان امیر البحر نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں اُس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لو میں نے وزیر جمال الدین سے اجازت طلب کی تو اُس نے ناراضی ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ میں خود اپنی بیٹی[1] جو سلطان شہاب الدین کی بیوہ ہے تجھے دینا چاہتا ہوں۔ مدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر دوں گا۔ میں نے انکار کیا کیونکہ میں منحوس سمجھتا تھا دو خاوند اُس کے پہلے مر چکے تھے اور اسی اثنا میں مجھے بھی بخار آنے لگا۔ اس جزیرہ میں جو نیا مسافر وارد ہوتا ہے اُس کو بخار ہونا لازم ہے۔ اس لیے میں نے سفر کا ارادہ پختہ کر لیا۔ بعض زیورات میں نے کوڑیوں کے عوض فروخت کر ڈالے اور بنگالہ جانے کے لیے ایک جہاز بھی کرایہ کر لیا۔ وزیر کا ارادہ تھا کہ میں نہ جاؤں۔ اُس نے اپنا ایک مصاحب میرے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تو ہمارے پاس ٹھہرا رہے تو جو چاہے وہ تیرے واسطے حاضر کر دیں۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اس وقت اُن کی حکومت میں ہوں اگر خوشی سے رہنا منظور کروں تو اس سے بہتر ہو گا کہ مجبور کیا جاؤں میں نے کہا کہ اچھا میں ٹھیر جاتا ہوں اُس نے جا کر وزیر سے کہا وزیر سن کر بہت خوش ہوا اور مجھے بلا بھیجا۔ میں نے کہا کہ اگر تم مجھے ٹھیرانا چاہتے ہو تو چند شرائط پیش کرتا ہوں وزیر نے کہا کہ ہم کل شرائط منظور کریں گے بیان کر۔ میں نے کہا میں پیدل نہیں چل سکتا اور اُس ملک کا یہ دستور ہے کہ سوا وزیر کے کسی شخص کو گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں۔

وزیر نے کہا کہ اگر ڈولہ پر سوار ہونا چاہتے ہو تو ڈولہ موجود ہے۔ ورنہ گھوڑا یا گھوڑی جو پسند ہو لے لو میں نے ایک گھوڑی پسند کی اُسی وقت حاضر کی گئی اور ایک خلعت بھی لائے۔

خواہ کسی سے بھی ہو شادی ہر حالت میں منظور

شوال کی دوسری تاریخ کو وزیر سلیمان امیر البحر سے اُس کی لڑکی کی بابت گفتگو ہوئی اُس نے کہا

---

[1] یہ لڑکی بالغ ہونے سے پہلے بیوہ ہو گئی تھی۔

کہ آج نکاح ہو جائے۔ میں نے وزیر سے کہلا بھیجا کہ اُس کے محل میں اُس کے روبرو نکاح پڑھا جانے وزیر نے منظور کر لیا۔ پان اور صندل لایا گیا اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ لیکن وزیر سلیمان کو دیر ہو گئی کہلا کر بھیجا تو کہا آتا ہوں پھر نہ آیا۔ دوسری دفعہ آدمی بھیجا تو اُس نے کہلا بھیجا کہ اُس کی لڑکی ہے۔ وزیر نے میرے کان میں کہا کہ لڑکی نہیں مانتی اور وہ اپنے نفس کی مالک ہے لیکن لوگ جمع ہو گئے ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو ملکہ کے باپ کی بیوہ سے تمہارا نکاح کر دیں جس کی بیٹی کے ساتھ میرے بیٹے کا نکاح ہوا ہے میں نے کہا اچھا وزیر نے اسی وقت قاضی کو اور گواہوں کو بلوایا اور نکاح ہو گیا۔ وزیر نے میری طرف سے مہر ادا کیا اور چند روز کے بعد وہ میرے گھر آئی نہایت نیک بخت عورت تھی پہلے ہی روز اُس نے میرے بدن پر خوشبو ملی اور میرے کپڑوں کو خوشبو کی دھونی دی اور وہ ہمیشہ ہنستی رہتی تھی کبھی رنج اُس کے چہرے پر معلوم نہیں ہوتا تھا۔

قاضی کا منصب، ایک کے بعد دوسری اور پھر مسلسل شادیاں

اس نکاح کے بعد وزیر نے مجھے قاضی بننے پر مجبور کیا۔ جب میں قاضی ہوا تو میں نے رسومات شرع کے قائم کرنے میں کوشش کی۔ اس جزیرے میں ہمارے ملک کی طرح بہت مقدمات اور تنازعے نہیں ہوتے اس ملک میں دستور تھا کہ طلاق کے بعد بھی عورت مطلقہ اپنے پہلے خاوند کے گھر اُس وقت تک رہتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ میں نے ایسے پچیس آدمی اپنے روبرو طلب کیے اُن کو دُرے لگائے۔ اور تشہیر کیا اور عورتوں کو اُن کے گھر سے نکلوا دیا۔ نماز کی پابندی میں بھی میں نے سختی کی اور حکم دیا کہ جمعہ کی اذان کے بعد جو کوئی شخص بازار یا کوچہ میں ملے اسے پکڑ لو۔ اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور تمام جزیروں میں اسی طرح کے حکم جاری کیے۔ عورتوں کو کپڑے پہننے کا حکم دیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے دوسرا نکاح کیا وہ بھی ایک بڑے وزیر کی بیٹی تھی۔ اس وزیر کا دادا سلطان داؤد شنورازہ کا نواسہ تھا اور اُس کے بعد سلطان شہاب الدین کی بیوہ سے بھی میں نے نکاح کیا اور اُس باغ میں جو وزیر نے مجھے دے دیا تھا میں نے تین مکان بنائے اور چوتھی بیوی جو وزیر عبداللہ کی بیٹی تھی اپنے گھر میں علیحدہ رہتی تھی وہی مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی۔ جب میں نے یہ رشتے طے کر لیے تو وزیر اور کل اہلِ جزیرہ مجھ سے خوف کرنے لگے اور انہوں نے وزیر سے میری چغلیاں کھانی شروع کیں۔ زیادہ تر اہتمام اس کام میں وزیر عبداللہ نے کیا اور آخر کار ہمارے درمیان بغض پیدا کرا دیا۔

اتفاق سے ایک روز سلطان جمال الدین کے ایک غلام کی شکایت اُس کی عورت نے وزیر سے کی
کہ یہ غلام بادشاہ کی ایک لونڈی سے زنا کرتا ہے۔ وزیر نے گواہ بھیجے وہ اُس لونڈی کے مکان میں جا گھسے
اور دیکھا کہ غلام اور لونڈی ایک بستر پر سوئے ہوئے ہیں انہوں نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ جب صبح ہوئی
اپنی کچہری میں جا بیٹھا پھر میرے پاس وزیر نے ایک وزیر کو بھیجا کہ کل رات کو ایسا ایسا وقوعہ ہوا اُس
میں جو شرعی حکم ہو وہ نافذ کر۔ میں نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ایک طرف لے جا کر اُن کے دُرے لگاؤ
عورت کو میں نے چھوڑ دیا اور غلام کو قید کر لیا اور اپنے گھر چلا آیا۔ وزیر نے میرے پاس چند بڑے بڑے
امیر بھیجے اور سفارش کی کہ غلام کو بھی چھوڑ دیا جائے میں نے کہا کہ کیا وزیر ایک زنگی غلام کی سفارش
کرتا ہے جس نے کہ اپنے آقا کی عزت کا خیال نہ کیا۔ میں نے حکم دیا کہ غلام کے بید لگائے جائیں بید دُرّے
سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور اُس کی گردن میں رسی ڈال کر تمام جزیرہ میں تشہیر کیا۔

امیروں نے جا کر وزیر سے کہا وہ غصہ سے جل کر کبھی اُٹھتا تھا کبھی بیٹھتا تھا اُس وقت وزیر
نے تمام وزیروں اور فوج کے سرداروں کو جمع کیا اور مجھے بھی بلوایا۔ میں گیا اور دستور کے برخلاف اُس
کی تعظیم ادا نہ کی فقط سلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے حاضرین سے کہا کہ تم گواہ رہو میں نے آج سے
استعفا دیا اور اپنے تئیں معزول کر دیا کیونکہ میرا حکم نہیں چل سکتا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ وزیر
محل میں چلا گیا اور میرے پاس معزول قاضی کو بھیجا۔ یہ شخص بڑا زبان آور تھا اُس نے آکر مجھ سے کہا کہ وزیر
نے کہا ہے کہ تو نے میری توہین بھرے دربار میں کی اور تعظیم ادا نہ کی میں نے کہا جب تک میرا دل صاف
تھا تعظیم کرتا تھا اور جب صفائی نہ رہی تو میں نے تعظیم نہ کی۔ قاضی میرے دوسری دفعہ آیا اور کہا کہ تیرا
مطلب جزیرہ سے چلے جانے کا ہے اگر تو اپنا قرضہ اور عورتوں کا مہر ادا کر دے تو چلا جا میں نے کہا بہت اچھا
میں اپنے گھر گیا اور کل قرضہ ادا کر دیا جب اُسے معلوم ہوا کہ میں نے کل قرضہ بھی ادا کر دیا تو سفر کی اجازت دینے
میں دیر کی۔ میں نے سخت قسمیں کھالیں کہ ہرگز نہ ٹھیروں گا اور اپنا کل اسباب لے کر ایک مسجد میں چلا گیا۔
ایک عورت کو طلاق دے دی اور دوسری حاملہ تھی اُس کے لیے نو مہینے کی میعاد مقرر کی اگر میں اس میعاد میں نہ
آؤں تو اُس کو اختیار ہے۔ سلطان شہاب الدین کی بیوہ کو اپنے ساتھ لیا کہ جزیرہ ملوک میں اُس کا باپ
رہتا ہے وہاں چھوڑ جاؤں گا اور اپنی پہلی بیوی جس کی بیٹی ملکہ کی بہن تھی اُس کو بھی ساتھ لیا۔

بغاوت کی سازش ابنِ بطوطہ کی طرف سے

وزیر سپہ سالار اور وزیر امیر البحر کے ساتھ میں نے یہ عہد و پیمان لیا کہ میں معبر کے ملک میں جاتا ہوں وہاں کا بادشاہ میرا ساڑھو ہے اس کا لشکر میں ان جزیروں میں لاؤں گا اور ان جزائر کو پھر دوبارہ اس کے زیرِ حکومت کر دوں گا اور اس کا نائب ہو کر میں رہوں گا۔ میں نے یہ علامت مقرر کی کہ جس وقت ہم جہازوں میں سفید جھنڈا کھڑا کریں تو جزیرہ کے اندر بغاوت کر دینا اور یہ بات اس وقت تک میرے دل میں نہ گذری تھی جب تک ہمارا کھلم کھلا بگاڑ نہ ہو گیا۔

پھر میرے پاس وزیر اور امیر آئے انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس چلوں میں نے کہا کہ میں حلف کر چکا ہوں اس لیے لاچار ہوں انہوں نے کہا کہ حلف تو ٹوٹ سکتی ہے تم ایک دفعہ یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کسی جزیرے سے واپس آجاؤ میں نے کہا اچھا منظور ہے۔ سفر کی رات کو میں وزیر کے پاس رخصت ہونے گیا وہ مجھ سے گلے لگ کر ملا اور رونے لگا اس کے آنسو میرے قدموں پر پڑتے تھے اور اس روز تمام رات خود جزیرہ کی محافظت کرتا رہا کہ کہیں میرے خسرودا ماد میرے ساتھ مل کر بغاوت نہ کریں میں وہاں سے چل کر وزیر علی کے جزیرہ میں پہنچا وہاں پہنچ کر میری عورت کے سخت درد اٹھا اور اس نے واپس جانے کی خواہش کی میں نے اس کو طلاق دے کر وہیں چھوڑ دیا اور وزیر کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ دوسری عورت کو بھی میں نے طلاق دے دی اور پہلے جو میعاد نو ماہ کی مقرر کی تھی وہ منسوخ کر دی اپنے ساتھ فقط ایک لونڈی لی جس کے ساتھ محبت تھی[1]۔

مالدیپ سے رخصت ہوتے چلتے دو اور شادیاں

اُس کے بعد اقلیم دراقلیم ان تمام جزیروں میں پھرا ان جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں میں نے ایک چھاتی والی عورت دیکھی۔ اُس کی دو بیٹیاں تھیں ایک تو ایک چھاتی والی تھی اور دوسری کے دو چھاتیاں تھیں۔ ایک چھوٹی ایک بڑی۔ بڑی چھاتی میں دودھ تھا اور چھوٹی میں دودھ نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب

---

[1] بیوی سے زیادہ یہ خوش قسمت تھی۔

ہوا۔ ایک جزیرہ بہت چھوٹا تھا اُس میں فقط ایک گھر تھا وہ جولاہا کا کام کرتا تھا اُس کی عورت کے بچے تھے۔ ناریل کے درخت لگائے ہوئے تھے اور ایک چھوٹی سی کشتی اُس کے پاس تھی اُس میں مچھلی کا شکار کرتا تھا اور کہیں جانا ہوتا تھا تو اُس ہی میں سفر کیا کرتا تھا۔ میں نے اس جولاہے کی زندگی پر رشک کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ جزیرہ مجھے مل جائے تو میں اس میں گوشہ نشین ہو جاؤں اور وہیں پیوند خاک ہو جاؤں۔

پھر ہم جزیرہ ملوک میں پہنچے وہاں ناخدا ابراہیم کا جہاز تھا جس میں میں نے معبر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ناخدا کے ساتھ اُس کے ہمراہی بھی تھے۔ انہوں نے میری دعوت کی۔ میں اس جزیرہ میں سترہ دن تک ٹھیرا رہا اور وہاں دو عورتوں سے شادی کی۔ جزیرہ اس قدر سرسبز ہے کہ درخت سے شاخ توڑ لو اور زمین یا دیوار میں گاڑ دو تو اُس کے پتے نکل آتے ہیں اور درخت بن جاتا ہے۔ انار اس جگہ بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔ پھر ہم جزیرہ مہل کی طرف واپس گئے۔

لنکا

راون کے ملک میں داخلہ

ان جزیروں سے معبر کا فاصلہ فقط تین دن کا ہے۔ لیکن ہم نو دن سفر کرتے رہے۔ اور نویں دن سیلان[1] کے جزیرہ میں جا نکلے۔ سراندیپ کا پہاڑ جس کی چوٹی آسمان میں گھسی ہوئی تھی دکھائی دیا وہ دور سے ایسا نظر آتا تھا کہ گویا دھوئیں کا ستون ہے۔ جب ہم پہنچے تو جہاز والوں نے کہا کہ یہ بندرگاہ اُس راجہ کا نہیں جہاں تاجر لوگ بلا خوف و خطر جا سکتے ہیں بلکہ یہ شہر ڈاکوؤں کے سردار کا ہے اس کے جہاز سمندر میں غارت گری کرتے پھرتے ہیں ہم نے وہاں لنگر ڈالنے سے خوف کیا۔ لیکن ہوا تیز ہو گئی تھی اور ہمیں غرق ہونے کا خوف تھا۔ میں نے ناخدا سے کہا مجھے ساحل پر اتار دے۔ میں اس راجہ سے تیرے لیے امان لے آتا ہوں۔ اُس نے مجھے کنارے پر اتار دیا۔ میرے پاس کافر آئے اور کہا تم کون ہو میں نے کہا میں بادشاہ معبر کا ہم زلف ہوں اور راجہ سے ملنے آیا ہوں اور اس جہاز میں راجہ کے لیے تحفے بھرے ہوتے ہیں۔ انھوں نے جا کر راجہ کو خبر کی اُس نے مجھے بلا بھیجا اور میں بطالہ[2] کے شہر میں اُس سے ملنے کے لیے گیا یہ اُس راجہ کا پایہ تخت ہے اور چھوٹا سا شہر ہے اُس کے گرد اگرد لکڑی کی فصیل ہے اور لکڑی ہی کے برج ہیں اور سمندر کے تمام کنارے پر دارچینی کی لکڑی کے ڈھیر

---

[1] سیلون

[2] اس کا نام پتلام ہے۔

لگے ہوئے ہیں۔ یہ لکڑی سمندر میں بہ بہ کر آجاتی ہے معبر اور مالا بار کے لوگ یہ لکڑیاں مفت لے جاتے ہیں۔ لیکن راجہ کو کپڑا وغیرہ بطور تحفہ کے دیا کرتے ہیں معبر اور اس ملک کے درمیان فقط ایک دن اور ایک رات کا رستہ ہے۔ اس ملک میں بقم کی لکڑی بھی بہت ہوتی ہے اور عود ہندی بھی جس کو کلی کہتے ہیں بکثرت ہوتا ہے۔

راجہ سیلان کی مجھ پر نوازشیں اور عنایتیں۔

جب میں راجہ کے پاس گیا تو وہ میری تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور اپنے برابر مجھے بٹھا لیا اور مجھ سے نرمی اور مہربانی کی باتیں کیں اور یہ بھی کہا کہ تمہارے ہمراہی بے خوف و خطر جہاز سے اتریں اور جب تک ٹھیریں گے میرے مہمان ہوں گے کیونکہ بادشاہ معبر کی اور میری دوستی ہے۔ میں اُس کے پاس تین دن تک ٹھیرا۔ ہر روز پہلے روز سے زیادہ تعظیم اور تکریم ہوتی۔ وہ فارسی زبان سمجھتا تھا۔ جب میں نے اُس کو تمام ملکوں اور شہروں کا احوال سنایا تو بہت خوش ہوا۔ ایک دن میں اُس کے پاس گیا اس کے پاس بہت اچھے اچھے موتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا کیونکہ اُس کے علاقہ میں غوطہ خور سمندر میں سے موتی نکالتے ہیں۔ پرکھنے پر اچھے اچھے موتی علیحدہ کرتے جاتے تھے اس نے کہ تم نے بھی کبھی کہیں موتی نکلتے دیکھے ہیں میں نے کہا ہاں جزیرہ قیس اور جزیرہ کش میں جس کا حاکم ابن السوامی ہے اُس نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے۔

پھر اس نے چند دانے اٹھائے اور کہا کیا وہاں اس قدر بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں وہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ سنکر بہت خوش ہوا اور کہا یہ دانے میں نے تم کو دیے۔ مجھ سے کہا کہ شرم نہ کرو جو کچھ تمہیں درکار ہو مجھ سے طلب کرو۔ میں نے کہا میری غرض یہاں آنے سے یہی ہے کہ میں قدم شریف کی زیارت کروں سیلان میں آدم کو بابا اور حوا کو ماما کہتے ہیں۔ راجہ نے کہا کہ میں تیرے ساتھ آدمی کر دوں گا وہ تجھے پہنچا دیں گے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ میں نے کہا یہ جہاز جس میں میں آیا ہوں اس کو معبر کے رستے میں کوئی مزاحم نہ ہو اور جب واپس آؤں مجھے تم اپنے جہازوں میں پہنچا دینا۔ اُس نے کہا اچھا۔

جب میں نے جہاز والے سے یہ کہا تو اُس نے کہا کہ میں بغیر تیرے نہیں جاؤں گا اگر تو

برس دن میں واپس آئے گا تو میں ٹھیرا رہوں گا، تب لے راجہ سے کہا اس نے کہا جب تک تو واپس آوے جہاز یہاں پہ ٹھیرا رہے اور کل اہل جہاز ہمارے مہمان رہیں۔ راجہ نے مجھے ایک ڈولہ دیا اور غلام دیئے جو مجھے ڈولہ میں اٹھا کر لے جاتے تھے اور چار جوگی میرے ساتھ کیے جو ہر سال قدم کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور تین برہمن اور دس اپنے اہلکار اور پندرہ آدمی میرا زاد راہ اٹھانے کے لیے میرے ساتھ کیے پانی اس رستہ میں بکثرت ہوتا ہے پہلے دن ہم ایک دریا پہ پہنچے اور بید کی چھڑیوں سے بنی ہوئی کشتی میں اس دریا کو عبور کیا۔ وہاں سے ہم منار مندل پہنچے یہ ایک اچھا خاصا شہر ہے اور اس راجہ کی عملداری کی حد پہ واقع ہے وہاں راجہ کے اہلکاروں نے ہماری دعوت کی وہ ضیافت یں گاؤ میش کے کٹڑے جن کو جنگل سے شکار کرتے ہیں اور زندہ پکڑ لاتے ہیں اور چاول اور گھی اور مچھلی اور مرغیاں اور دودھ دیتے ہیں۔ اس شہر میں سوا ایک خراسانی کے اور کوئی مسلمان نہ تھا جو بسبب رلیض ہونے کے راستہ میں ٹھیر گیا تھا وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیا۔

ایک مردِ مومن کے کارنامے

پھر ہم بندر سلاوات میں پہنچے یہ چھوٹا سا شہر ہے۔ اُس کے بعد جنگل میں آئے جن میں پانی بکثرت تھا اور ہاتھی بھی رہتے تھے۔ لیکن یہ ہاتھی پردیسیوں اور زائروں کو کچھ تکلیف نہیں دیتے اور یہ سب شیخ عبداللہ بن خفیف کی برکت ہے۔ شیخ موصوف نے اول اول یہ رستہ دریافت کیا تھا ورنہ وہاں کے کافر اس رستہ سے مسلمانوں کو جانے سے روکتے تھے اور اُن کو تکلیف دیتے تھے نہ اُن کے ساتھ کھاتے تھے نہ اُن کے ہاتھ کچھ بیچتے تھے انہی کی وجہ سے کافر مسلمانوں کی تعظیم کرتے اور اپنے گھروں میں اُن کو ٹھیراتے ہیں اور اُن کے ساتھ کھانا کھا لیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال اور بال بچوں میں اُن کو اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں کچھ فکر نہیں کرتے اور وہ اب تک شیخ عبداللہ خفیف کی نہایت تعظیم کرتے اور اُن کو شیخ کبیر کہتے ہیں۔

کنکار، سنگ یاقوت کی چٹانیں، عجیب عجیب مشاہدات

اس کے بعد ہم شہر کنکار میں پہنچے۔ یہ سلان کے سب سے بڑے راجہ کا دارالخلافہ

ہے ۔ یہ پہاڑ ایک گھاٹی میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک دیا پر واقع ہے دیا کا
نام دریائے یاقوت ہے کیونکہ اس میں سے یاقوت ملتا ہے۔

شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی کی مسجد ہے اس شہر کا راجہ اور یہاں کے لوگ
اُس قبر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں ۔ اس شہر کے راجہ کو کُنار کہتے
ہیں ۔ اس کے ہاں ایک سفید ہاتھی ہے میں نے سوا اس ہاتھی کے دنیا میں سفید
ہاتھی نہیں دیکھا ۔ یہ راجہ تہوار کے دن اس پر سوار ہوتا ہے اور اُس کے سر پر
بڑے بڑے یاقوتوں کا ہار باندھتا ہے وہ یاقوت جس کو بہرمان کہتے ہیں اس
شہر میں ہوتا ہے ۔ بعض یاقوت تو دریا سے نکلتے ہیں اور بعض کھود کر نکالتے ہیں
جزیرہ سیلان میں یاقوت سب جگہ نکلتا ہے ۔ جو شخص یاقوت نکالتے ہیں زمین کا
ایک ٹکڑا خرید لیتے ہیں اور یاقوت تلاش کرتے ہیں جہاں کہیں سفید شاخدار
پتھر نکلتا ہے تو اس کے اندر یاقوت ہوتا ہے اس پتھر کو سنگ تراشوں کے پاس لے
جاتے ہیں وہ تراش کر یاقوت کو بیچ میں سے نکال لیتے ہیں بعض یاقوت سرخ ہوتا ہے
بعض زرد اور بعض نیلا ہوتا ہے ۔ نیلے یاقوت کو نیلم کہتے ہیں ۔ یہ دستور ہے
کہ جو یاقوت مالیت میں سونم سے زیادہ ہو وہ راجہ کا ہوتا ہے راجہ اُس کی قیمت دے
کر خرید لیتا ہے اور جو اُس قیمت سے کم کا ہو وہ یاقوت والا اپنے پاس رکھتا ہے۔
سونم چھ طلائی دینار کے برابر ہوتے ہیں ۔

سیلان میں عورتیں رنگ رنگ کے یاقوت کے ہار پہنتی ہیں اور ہاتھوں اور پاؤں
میں بھی اُسی کے کنگن اور جھانجن پہنتی ہیں ۔ اور راجہ کی کنیزکیں یاقوتوں کی جالی (شبکہ) بنا کر
سر پر رکھتی ہیں ۔ سفید ہاتھی کے سر پر سات یاقوت ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک مرغی کے
انڈے سے بڑا ہے ۔ راجہ ایری شکروتی کے پاس میں نے ایک پیالی یاقوت کی دیکھی ، جو
کف دست کے برابر تھی اور اس میں عود کا تیل رکھا ہوا تھا ۔ میں تعجب کرنے لگا تو اس نے کہا کہ
ہمارے پاس اس سے بھی بڑے یاقوت ہیں ۔

کنکار سے چل کر ہم ایک غار میں پہنچے اُس کو استاد محمود لوری کا غار کہتے ہیں یہ شخص

ولی تھا اور اُن [illegible]

کر ہم ایک دریا پر پہنچے جس کو خور بوزنہ یعنی بندروں کا دریا کہتے ہیں ۔ اس پہاڑ میں بندر بکثرت ہیں وہ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور اُن کی دُمیں لمبی لمبی ہوتی ہیں اور نر کے ڈاڑھی بھی ہوتی ہے شیخ عثمان اور اُن کے بیٹے نے اور اُن کے علاوہ اور آدمیوں نے بھی ذکر کیا کہ ایک بندر ان میں مقدم ہوتا ہے اُس کو بادشاہ کے طور پر مانتے ہیں۔

پھر ہم دریائے خیرزان (بید) پر پہنچے۔ پھر ہم ایک جگہ پہنچے جس کو "بڑھیا کا گھر" کہتے ہیں اس سے آگے آبادی نہیں ہے اُس کے آگے بابا طاہر کا غار آتا ہے جو ایک ولی تھے۔

---

[1] لنگور مراد ہے ۔

کوہ سراندیپ

اڑنے والی جونک، غار، قدم شریف

اُس سے آگے سبیک کا غار آتا ہے۔ سبیک ایک راجہ تھا وہ دُنیا ترک کر کے اس غار میں آ رہا تھا یہاں ہم نے اڑنے والی جونک دیکھی وہ پانی کے قریب جو درخت یا گھاس ہو وہیں بیٹھی رہتی ہے جب کوئی انسان قریب جاتا ہے تو کود کر چمٹ جاتی ہے اور جہاں چمٹتی ہے وہاں سے بہت سا خون چوس لیتی ہے۔ لوگ لیموں تیار رکھتے ہیں وہ نچوڑ دیتے ہیں۔ جونک گر پڑتی ہے پھر ہم ہفت غار کی طرف گئے پھر عقبہ اسکندریہ کی طرف پھر غار اصفہانی کی طرف پھر چشمہ کی طرف وہاں ایک غیر آباد قلعہ ہے اُس کے نیچے ایک دریا بہتا ہے جس کو غوطہ گاہ عرفان کہتے ہیں وہاں ایک غار ہے جس کو غار نارنج کہتے ہیں اور ایک دوسرا غار ہے اُس کو راجہ کا غار کہتے ہیں اُس کے پاس پہاڑ کا دروازہ ہے جس کو جبل سراندیپ کہتے ہیں یہ پہاڑ دنیا کے بلند پہاڑوں میں سے ہے[1]۔ ہم نے اس کو سمندر میں سے دیکھا تھا حالانکہ وہ ساحل سے نو منزل ہے۔ جب ہم اُس کے اوپر چڑھے تو بادل نیچے نظر آتے تھے۔ اس پہاڑ میں ایسے بہت سے درخت ہوتے ہیں، جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور رنگ برنگ

---

[1] بلندی ۷۴۲۰ فٹ

نکلتے ہیں۔ سرخ گلاب کا پھول ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے لوگوں کا گمان ہے کہ اس پھول میں اللہ اور محمدؐ کا نام قلم قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔

اس پہاڑ سے قدم تک جانے کے دو راستے ہیں ایک کو بابا کا رستہ کہتے ہیں اور دوسرے کو ماما کا یعنی آدم اور حوّا کے رستے۔ ماما کا رستہ آسان ہے۔ لیکن بابا کا رستہ بڑا دشوار گذار ہے اور اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ پہاڑ میں سیڑھیاں کھدوا رکھی ہیں جن پر چڑھتے ہیں۔ اور ان میں لوہے کی میخیں گاڑ کر اُن سے لوہے کی زنجیریں لٹکائیں ہیں تاکہ چڑھنے والا چڑھتا چلا جائے پکڑتا جائے یہ دس زنجیریں ہیں۔ دسویں زنجیر سے لے کر غار خضر تک سات میل کا فاصلہ ہے وہ ایک وسیع میدان میں واقع ہے اُس کے پاس پانی کا ایک چشمہ ہے وہ بھی خضر کی طرف منسوب ہے۔ غار خضر میں سب زائر جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے چھوڑ جاتے ہیں اور دو میل اوپر جہاں قدم ہے چڑھتے ہیں۔ یہ قدم[1] باوا آدم کے پاؤں کا نشان ایک سخت سیاہ پتھر میں ہے۔ جو سطح سے اونچا ہے اور میدان میں پڑا ہوا ہے قدم مبارک پتھر میں گھس گیا تھا اور اس کا نشان ہوگیا تھا اس کی لمبائی گیارہ بالشت ہے پہلے یہاں اہل چین آتے تھے وہ انگوٹھے کی جگہ پتھر میں سے توڑ کر لے گئے اور شہر زیتون میں ایک مندر میں اُس کو جا رکھا، ہندو زائر اُس میں سونا اور یاقوت اور موتی بھر جاتے ہیں اسی لیے فقیر جب غار خضر میں پہنچتے ہیں تو جلدی کر کے سب سے پہلے پہنچتے ہیں تاکہ جو کچھ ہو لے لیں۔ ہم جب آئے تو بہت تھوڑا سا سونا اور جواہرات اُس میں تھے وہ ہم نے اپنے بدرقہ کو دے دیا۔ دستور یہ ہے کہ زائر لوگ غار خضر میں تین دن تک ٹھیرتے ہیں اور تین دن برابر صبح اور شام قدم کی زیارت کو آتے ہیں ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

تین روز کے بعد ہم ماما حوّا کے رستے واپس ہوئے۔ راستے کے گاؤں اور منزلیں پہاڑ میں ہیں۔ پہاڑ کی جڑ کے قریب درخت رواں ہے یہ ایک بڑا درخت ہے اُس کے

---

[1] یہ قدم شریف، بدھوں کے نزدیک مہاتما بدھ کا، ہندوؤں کے ہاں شوجی کا، اور مسلمانوں کے خیال میں حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔

پتے نہیں کرتے۔ اس درخت کے پھولوں کی بابت جوگی بہت سی جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں جو کوئی اس کا یہ پتہ کھالے تو پھر سے جوان ہو جاتا ہے خواہ بوڑھا پھوس ہی کیوں نہ ہو۔ اس پہاڑ کے نیچے وہ دریا ہے جس میں سے یاقوت نکلتا ہے اُس کا پانی بالکل نیلا نظر آتا ہے۔

وہاں سے چل کر ہم دو دن میں دِین ور پہنچے یہ شہر بہت بڑا ہے اور سمندر کے کنارے پر ہے اُس میں سوداگر رہتے ہیں اور ایک بُت جس کا نام دینوَر ہے ایک بڑے بتخانہ میں رکھا ہے اُس میں تین ہزار کے قریب برہمن اور جوگی رہتے ہیں اور پانسو ہندوؤں کی بیٹیاں ہیں جو اس کے سامنے ناچتی اور گاتی ہیں، اِس شہر کا کل محصول بتخانہ کے لیے معاف ہے یہ بت سونے کا بنا ہوا اور قد آدم ہے اُس کی آنکھوں کی جگہ دو بڑے بڑے یاقوت لگے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ وہ رات کو قندیل کی مانند روشنی دیتے ہیں۔ پھر ہم شہر قالی (گالی) میں پہنچے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے دینور سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر ہے اس میں ایک مسلمان ناخدا ابراہیم رہتا ہے اُس نے ہماری ضیافت کی۔ اس کے بعد کلنبو کی طرف چلے سراندیپ میں یہ شہر سب سے بڑا ہے اور خوب صورت ہے اور اُس راجہ کا وزیر جو حاکم بحر ہے اور جالستی کہلاتا ہے رہتا ہے اُس کے ساتھ پانسو حبشی رہتے ہیں۔ وہاں سے چل کر تین دن کے بعد ہم بطالہ میں پہنچا اور وہاں کے راجہ سے جس کا ذکر پہلے کر آیا ہوں ملا۔ ناخدا ابراہیم میرا انتظار کر رہا تھا۔

---

[1] جسے اب کولمبو کہتے ہیں، سیلون کا دارالحکومت بھی ہے۔

بلادِ معبر کی طرف کوچ

وہاں کے بادشاہ، باشندے، بحری قزاقوں کا سامنا

پھر ہم معبر[1] کی طرف چلے ہوا بہت تیز ہوگئی اور پانی جہاز میں آنے لگا، ہم پتھروں میں جا پہنچے قریب تھا کہ جہاز پتھروں سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے پھر ہم ایک چھوٹی سی کھاڑی میں چلے گئے۔ جہاز بیٹھنے لگا اور موت سامنے نظر آنے لگی لوگوں کے پاس جو کچھ تھا انھوں نے پھینک دیا اور وصیت کرنے لگے۔

ہم نے جہاز کے مستول کاٹ کر پھینک دئے اور جہاز والوں نے لکڑی کی ایک کشتی بنائی خشکی وہاں سے دو فرسنگ تھی میں نے بھی کشتی میں اترنے کا ارادہ کیا دو لونڈیاں اور ہمراہی میرے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ تو ہم کو کہاں چھوڑتا ہے میں نے کہا کہ تم اور یہ لونڈی چلے جاؤ میں جہاز ہی میں ٹھہرتا ہوں اُس لونڈی نے کہا کہ میں خوب تیرنا جانتی ہوں کشتی کی ایک رسی پکڑ کر لٹک جاؤں گی اور تیرتی چلی جاؤں گی۔ محمد بن فرحان اور ایک شخص مصری اور ایک لونڈی کشتی میں بیٹھ گئی اور دوسری لڑکی تیرتی ہوئی آئی اور جہاز والوں نے بھی کشتی کی رسیاں باندھ لیں اور وہ بھی تیرنے لگے۔ میں نے اپنا بیش قیمت اسباب اور موتی اور عنبر وغیرہ اُن کے ساتھ بھیج دیا اور وہ سب صحیح وسالم کنارہ پر پہنچ گئے کیونکہ

---

[1] معبر سے مراد ہندوستان کا وہ ساحل ہے جو کارو منڈل اور کرناٹک کے نام سے معروف ہے ملابار، راس کماری پر ختم ہو جاتا ہے، پھر معبر شروع ہوتا ہے جس کی حد نیلور تک ہے۔
(رئیس احمد جعفری)

ہوا موافق تھی اور میں خود جہاز میں رہا اور جہاز کا مالک بھی بمشکل خشکی تک پہنچ گیا۔ جہاز والوں نے کشتیاں بنانی شروع کیں اُن کے پورا ہونے سے پہلے رات ہو گئی اور پانی جہاز میں چڑھ آیا میں جہاز کے پچھلے حصہ میں جا بیٹھا اور صبح تک وہاں رہا۔

صبح کے وقت کئی ہندو ایک کشتی لے کر آئے اور انھوں نے ہمیں کنارے پر اتارا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کے بادشاہ کا رشتہ دار ہوں وہ بادشاہ کی رعیت تھے انھوں نے فوراً اُس کو لکھا، وہاں ہم تین دن ٹھیرے۔ تین دن کے بعد بادشاہ معبر کی طرف سے ایک امیر قمر الدین نام چند سواروں اور پیادوں کو ساتھ لے کر آیا اور دس گھوڑے اور ایک ڈولہ لائے میں اور میرے ہمراہی اور مالک جہاز پر سوار ہو گئے ایک کنیزک سوار ہو گئی دوسری کو میں نے ڈولہ میں بٹھا دیا۔ اُس روز ہم ہرکاتو کے قلعہ میں پہنچے اور رات کو وہیں رہے میں نے اپنی کنیز اور غلام اور ہمراہی وہاں ہی چھوڑے دوسرے دن ہم بادشاہ کے کیمپ میں پہنچے۔

معبر کے سلاطین اور ان کے جاہ وجلال کا حال

معبر کا بادشاہ غیاث الدین دامغانی ہے وہ پہلے ملک مجیر بن ابی الرجا کے سواروں میں نوکر تھا اور یہ امیر سلطان محمد تغلق کے خادموں میں سے تھا اُس کے بعد سلطان جلال الدین کے بیٹے امیر حاجی کا ملازم ہو گیا اور اس کے بعد بادشاہ بن بیٹھا پہلے یہ سراج الدین تھا جب بادشاہ بنا تو سلطان غیاث الدین لقب اختیار کیا

جب میں کیمپ کے قریب پہنچا تو اُس نے میرے استقبال کے لیے ایک حاجب بھیجا وہ لکڑی کے برج میں بیٹھا ہوا تھا۔ دستور ہے کہ بادشاہ کے روبرو کوئی بے موزہ پہنے نہیں جا سکتا۔ میرے پاس اس وقت موزے نہ تھے ایک ہندو نے مجھے موزہ دیے حالانکہ بہت سے مسلمان موجود تھے میں نے اُس ہندو کی مروت پر تعجب کیا۔ میں بادشاہ کے سامنے گیا۔ مجھے بیٹھ جانے کا حکم اور قاضی حاجی صدر الزماں بہاء الدین کو بلوایا اور اُس کے قریب تین خیمے مجھے ٹھیرنے کے لیے اور فرش اور کھانا یعنی چاول اور گوشت بھجوائے۔

- - - - - - -

مالدیپ پر حملہ کرنے کی ابن بطوطہ کی طرف سے ترغیب

پھر میں بادشاہ کے پاس گیا اور اُس کو مالدیپ میں لشکر بھیجنے کی ترغیب دی اُس نے ارادہ پختہ کر لیا اور جہاز بھی مقرر کر دیے اور وہاں کی ملکہ کے واسطے تحفے اور امیروں اور وزیروں کے واسطے خلعتیں بھی تیار کیں اور مجھے ملکہ کی بہن کے ساتھ اپنا نکاح کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اور حکم دیا کہ تین جہازوں میں جزیرہ کے محتاجوں کے لیے صدقہ روانہ کیا جائے اور مجھ سے کہا کہ پانچ دن کے بعد واپس آجاؤ۔ امیرالبحر خواجہ سرلک نے کہا کہ جزائر مالدیپ کی طرف تین مہینے تک سفر کرنا ممکن نہیں۔

بادشاہ نے کہا کہ تو پٹن چلا جا اور جب یہ عرصہ منقضی ہو جائے تو دارالخلافہ متڑا میں واپس آکر روانہ ہو جانا میں اُس کے پاس ٹھہرا اور اس عرصہ میں میری کنیزکیں اور ہمراہی بھی آملے۔

قریب جوار میں ایک راجہ بلال دیو تھا۔ یہ بڑا عظیم الشان راجہ تھا اُس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا اس کے ساتھ بیس ہزار مسلمان بھی تھے جن میں سے اکثر چور اور ڈاکو اور بھاگے ہوئے غلام تھے اُس نے معبر پر حملہ کیا اس وقت بادشاہ کے پاس فقط چھ ہزار فوج تھی جن میں سے نصف تعداد تو اچھے سپاہیوں کی تھی اور باقی یوں ہی فضول اور بے سامان تھے۔ شہر کبان کے باہر مقابلہ ہوا معبر کے لشکر نے شکست کھائی اور وہ شہر متڑہ دارالخلافہ کو واپس آگئے اور راجہ نے کبان کا محاصرہ کیا یہ شہر بہت بڑا اور مضبوط تھا اُس نے دس مہینے تک اُس کا محاصرہ کیا اور قلعہ والوں کے پاس فقط چودہ دن کی خوراک باقی رہ گئی۔

راجہ نے پیغام بھیجا کہ قلعہ چھوڑ دو تو امان ہے انھوں نے کہا کہ ہم پہلے بادشاہ سے خبر منگا لیویں راجہ نے کہا اچھا اسی چودہ دن کے عرصہ میں اجازت منگا لو۔ راجہ نے سلطان غیاث الدین کو لکھا اُس نے جمعہ کے دن وہ خط سب لوگوں کو سنایا حاضرین سنکر روئے اور کہا ہم اپنی جانیں اللہ کے رستہ میں وقف کرتے ہیں کیونکہ اگر راجہ نے وہ شہر لے لیا تو ہمارے شہر پر آئے گا۔ گرفتار ہونے سے تلواروں کے سایہ میں مرنا بہتر ہے۔ اُن میں سے دلیر اور بہادر سب سے آگے بڑھے وہ تعداد میں تین سو کے قریب تھے میمنہ پر سیف الدین بہادر کو کھڑا کیا۔ یہ شخص بڑا عالم اور پرہیزگار اور بہادر تھا اور میسرہ پر ملک

محمد سلحدار کو اور سلطان قلب میں تھا اُس کے ساتھ اس کی تین ہزار فوج تھی اور باقی تین ہزار کو اُن کے پیچھے کیا اور اُن پر اسدالدین کیخسرو فارسی کو سردار بنایا۔ زوال کے وقت سفر شروع کیا۔ دشمن بالکل غافل تھا گھوڑے چراگاہ میں گئے ہوئے تھے۔ اسدالدین نے ناگہاں حملہ کیا۔ راجہ نے سمجھا کہ چور ہیں اس لیے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کے لیے باہر نکلا۔

اتنے میں بادشاہ غیاث الدین بھی جا پہنچا۔ راجہ نے فاش شکست کھائی اور ارادہ کیا کہ سوار ہو کر بھاگ جائے وہ عمر میں اسّی برس کا تھا۔ ناصرالدین نے جو غیاث الدین کا بھتیجا تھا اُس کو پکڑ لیا اور چاہتا تھا کہ اُس کو قتل کرے کیونکہ وہ اس کو پہچانتا نہ تھا لیکن اُس کے ایک غلام نے کہا کہ یہ راجہ ہے اس لیے ناصرالدین نے اسے قید کر لیا اور اپنے چچا کے پاس پکڑ کر لے آیا۔ بادشاہ نے ظاہر میں اُس کی تعظیم کی اور خراج میں بہت سامال اور ہاتھی اور گھوڑے۔ لے لیے کیونکہ اُس سے وعدہ کر لیا تھا کہ تجھے چھوڑ دوں گا۔ جب اُس کے پاس کچھ نہ رہا تو ذبح کر ڈالا اور اُس کی کھال کھنچوا کر بھوسہ بھروا کر متراکی فصیل پر لٹکا دی۔ میں نے بھی اسے وہاں لٹکا ہوا دیکھا۔

سلطان غیاث الدین کا انتقال پُرملال

اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں نے کیمپ سے کوچ کیا اور شہر پَتَن[1] میں پہنچا یہ بڑا شہر ہے اس کی بندرگاہ عجیب ہے یہاں ایک بہت بڑا لکڑی کا برج بنا ہوا ہے جو موٹی موٹی لکڑیوں سے بنایا گیا ہے اوپر سے مسقف ہے اور لکڑیوں کا زینہ ہے جب دشمن کا خوف ہوتا ہے جو جہاز بندر میں ہوتے ہیں وہ قریب لگائے جاتے ہیں جہاز والے برج پر چڑھ جاتے ہیں اور دشمن سے بے خوف ہو جاتے ہیں۔ ایک مسجد بھی پتھر کی بنی ہوئی ہے انگور اور انار بکثرت ہیں۔ وہاں میں شیخ صالح محمد نیشاپوری سے ملا یہ اُن مجذوب فقیروں میں سے ہیں جو اپنے بال بڑھاتے ہیں اور شانوں پر چھوڑتے ہیں اُس کے پاس سات لومڑیاں تھیں جو فقیروں کے ساتھ کھاتی تھیں اور اُن کے ساتھ بیٹھی رہتی تھیں اور بلیں[2] نفر تھے اُن میں سے ایک کے پاس ایک ہرنی تھی جو شیر کے پاس کھڑی ہو جاتی تھی اور شیر اُس کو کچھ نہیں

---

[1] دریائے کاویری کے کنارے۔ ایک بڑا بندرگاہ تھا، جو بعد میں برباد ہو گیا۔

کہا تھا۔ بیں لے ہیں نے پٹن کے شہر میں قیام کیا۔ سلطان غیاث الدین کے لیے کسی جوگی نے باہ کی گولیاں بنا دی تھیں۔ کہتے ہیں کہ اُس کا ایک جزو فولاد کا برادہ تھا اسے وہ معتاد سے زیادہ کھا گیا اس لیے بیمار ہوگیا اور پٹن میں آیا میں اُس سے ملنے گیا۔ میں نے کچھ تحفے نذر کیے اس نے امیرالبحر خواجہ سرور کو بلایا اور کہا کہ جو جہاز جزائر مالدیپ کے جانے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اُن کو کسی اور کام پر مت لگاؤ اور ارادہ کیا کہ مجھے میرے تحائف کی قیمت ادا کرے میں نے انکار کیا پھر میں اس انکار سے نادم ہوا کیونکہ سلطان مرگیا اور مجھے کچھ نہ ملا۔

معبر کا نیا بادشاہ سلطان ناصرالدین

ناصرالدین بادشاہ کا بھتیجا تھا وہی ولی عہد تھا کیونکہ بادشاہ کے اور کوئی بیٹا باقی نہیں رہا تھا۔ ناصرالدین دہلی میں بادشاہ کا ملازم تھا۔ جب اُس کا چچا معبر کا بادشاہ ہوگیا تو یہ شخص دہلی سے فقیروں کا بھیس بنا کر بھاگ آیا۔ اُس کی تقدیر میں غیاث الدین کے مرنے کے بعد بادشاہ ہونا لکھا تھا جب اُس کی بیعت کی گئی تو شاعروں نے اس کی تعریف میں قصیدے پڑھے اُن کو اُس نے بڑے بڑے صلے دیے۔

یہ شخص بڑا فاضل سخی اور بہادر تھا۔ میرے لیے حکم دیا کہ جو جہاز اُس کے چچا نے جزائر مالدیپ کے لیے نامزد کیے ہیں وہ میرے ساتھ کیے جائیں اسی اثنا میں مجھے وہی بخار ہوگیا جو وہاں مہلک کی طرح پھیلا ہوا تھا میں سمجھا کہ بس اب میں زندہ نہیں رہ سکتا لیکن خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ میں نے آدھ سیر املی گھول کر پی لی اُس سے مجھے تین دن تک دست آتے رہے اور میں اچھا ہوگیا۔ میں نے متڑا کو چھوڑنا چاہا اور بادشاہ سے اجازت طلب کی اُس نے کہا کہ تمہارے مالدیپ جانے میں فقط ایک مہینہ رہ گیا ہے یہیں ٹھہرو تاکہ میں اخوند عالم کے حکم کی تعمیل کروں اور جو کچھ تمہارے ساتھ اُنھوں نے جانے کے لیے نامزد کیا ہے سپرد کروں میں نے کہا میں نہیں ٹھہر سکتا۔ پھر اُس نے پٹن کے اہلکاروں کو حکم لکھ دیا کہ جس جہاز میں میں جانا چاہوں مجھے لے جائیں میں پٹن آیا تو وہاں

لے یہ صوبۂ مدراس کا شہر مدورا ہے۔

آٹھ جہاز یمن کے لیے تیار کھڑے تھے میں اُن میں سے ایک جہاز میں بیٹھ گیا۔ رستہ میں ہمیں چار جہاز ملے اُن کے ساتھ ہم نے تھوڑا مقابلہ کیا وہ واپس چلے گئے۔ ہم کولم میں پہنچے۔ اب تک مجھ میں مرض کا کچھ بقیہ موجود تھا۔ میں وہاں تین مہینے ٹھہرا۔

دریائی ڈاکوؤں کا حملہ، سب جمع جتھا چھن گئی

پھر ایک جہاز میں بیٹھ کر میں سلطان جمال الدین ہنوری کی طرف چلا۔ ہنور اور فاکنور کے بیچ میں ہم پر ہندوؤں نے حملہ کیا۔ اُن کے پاس بارہ جنگی جہاز تھے سخت لڑائی ہوئی اور ہم مغلوب ہو گئے جو کچھ میرے پاس تھا اور کسی آڑے وقت کے لیے میں نے لگا رکھا تھا سب چھین لیا۔ موتی اور یاقوت جو مجھے راجہ سیلان نے دیے تھے اور میرے کپڑے اور تبرکات جو مجھے اولیاء اللہ نے عطا کیے تھے کچھ نہ چھوڑا فقط میرے بدن پر ایک پاجامہ رہ گیا اسی طرح سے جملہ اہل جہاز کو لوٹ کھسوٹ لیا اور ہمیں ساحل پر اتار دیا۔

میں کالی کٹ میں واپس آ گیا اور ایک مسجد میں داخل ہوا ایک فقیہ نے میرے واسطے کپڑا بھیجا قاضی نے عمامہ بھیجا اور سوداگر نے کچھ اور کپڑا بھیج دیا۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ وزیر عبداللہ نے جمال الدین وزیر کی وفات کے بعد ملکہ خدیجہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے اور جس عورت کو میں حاملہ چھوڑ آیا تھا اُس کے لڑکا پیدا ہوا ہے میرے دل میں آیا کہ جزائر مال دیپ میں جاؤں لیکن ساتھ ہی عبداللہ کی عداوت کا خطرہ گذرا میں نے کلام اللہ میں فال دیکھی تو یہ آیت نکلی۔ تتنزل علیھم الملٰئکۃ ان لا تخافو ولا تحزنوا میں اس کو فال نیک دیکھ کر چل پڑا۔

ایک مرتبہ پھر مال دیپ کا سفر، نومولود بیٹا

دس دن کے بعد میں جزائر مالدیپ میں پہنچا اور کنلوس کے جزیرہ میں اترا اُس کا حاکم عبدالعزیز مقد شاوی تھا اُس نے میری خاطر مدارت کی اور میری ضیافت کی اور میرے ساتھ ایک کشتی کر دی اُس کے بعد میں ہیلی کے جزیرہ میں پہنچا اس جزیرہ میں ملکہ اور اس کی بہنیں سیر کے لیے آیا کرتی تھیں اور جہازوں میں بیٹھ کر سمندر میں کھیلتی کودتی تھیں اس موقع پر وزیر اور امیر ملکہ کے واسطے تحفے بھیجتے ہیں اللہ

اُسی جگہ ملکہ کی بہن اور اُس کا شوہر محمد بن جمال الدین خطیب اور اُس کی ماں جو میری زوجہ تھی موجود تھیں خطیب میرے ملنے کے لیے آیا اور کھانا بھی لایا۔ ایک آدمی نے وزیر عبداللہ کو میرے آنے کی خبر دی اُس نے جزیرہ میں داخل ہونے کے مجھ پر جرمانہ کیا۔ اور میرے بیٹے کو میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے سوچا اُس کا وہیں رہنا بہتر ہوگا میں نے وہ بچہ اُس کی ماں کو واپس دے دیا پھر میں وہاں سے چل پڑا۔ تینتالیس دن تک جہاز میں چلتے رہے اور بنگالہ میں پہنچے ۔

سفرِ بنگال

بنگال کے شہر، لوگ، عام حالات، ضروریاتِ زندگی کی ارزانی

بنگالہ ایک بہت وسیع ملک ہے چاول بکثرت ہوتا ہے ایسی ارزانی میں نے اور کسی ملک میں نہیں دیکھی، چاول وہاں ایک دینار نقرئی کے پچیس رطل[1] آتے ہیں حالانکہ اس سال گرانی تھی۔

ارزانی کی انتہا: میں نے ایک کنیز خریدی

دودھ والی بھینس وہاں تین نقرئی کو آتی ہے اس ملک میں گائے نہیں ہوتی۔ اچھی موٹی مرغیاں ایک درہم کی آٹھ آتی ہیں اور کبوتر کے بچے ایک درہم کے پندرہ اور موٹا مینڈھا دو درہم کا، اور شکر رطل چار درہم کو اور گلاب کا رطل آٹھ درہم کو اور گھی کا رطل چار درہم کو اور میٹھے تیل کا رطل دو درہم کو اور روئی کا ایک کپڑا تیس گز لمبا دو دینار میں اور خوب صورت کنیزک ایک دینار طلائی کو، اس قیمت کو میں نے ایک کنیزک عاشورہ نام خریدی وہ نہایت خوب صورت تھی اور میرے ایک ساتھی نے ایک غلام چھوٹی عمر کا جس کا نام لولو تھا دو دینار میں خریدا۔

بنگال کے پہلے شہر سانگام میں داخلہ

بنگالہ کا اوّل شہر جس میں ہم داخل ہوئے سدکاواں[2] تھا یہ ایک بڑا شہر سمندر کے کنارہ پر

---

[1] رطل سے مراد من ہے۔ بقول بعض ساڑھے بارہ سیر کا اور بقول بعض ساڑھے چودہ سیر کا۔ [2] دریائے ہگلی کے قریب ایک بندرگاہ تھا جو سانگام کہلاتا تھا۔

ہے اس جگہ دریائے گنگ اور دریائے جمن ملتے ہیں اور وہ دونوں مل کر سمندر میں داخل ہوتے ہیں اس شہر کے بندر میں بہت سے جہاز ہیں جن کے ذریعے سے یہ لوگ اہل لکھنوتی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بنگالہ کا بادشاہ فخرالدین ہے وہ فخرہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ بادشاہ بڑا فاضل ہے پردیسیوں اور فقیروں اور صوفیوں سے نہایت محبت رکھتا ہے۔ جب میں سانگام میں پہنچا تو میں نے وہاں کے بادشاہ سے ملاقات نہیں کی۔ کیونکہ اُس کی بادشاہ دہلی سے لڑائی مچی ہوئی تھی اور اس لیے میں سمجھا کہ ملاقات کا انجام اچھا نہ ہوگا[1]

کامروپ دیس اور وہاں کے خصوصیات

سانگام سے میں کامرو[2] کے پہاڑوں کی طرف ہو لیا یہ ملک سانگام سے ایک مہینے کے رستے پر ہے۔ یہ بہت وسیع پہاڑی ملک ہے اور چین اور تبت سے ملحق ہے اس ملک کے باشندے شکل میں ترکوں کے مشابہ ہیں اور ایسے مضبوط خدمت کرنے والے شاید ہی کہیں ہوں گے۔ وہاں کا ایک غلام اور جگہ کے کئی غلاموں سے زیادہ کام دیتا ہے۔ یہاں جادوگر بھی مشہور ہیں۔

ایک صاحب کرامت بزرگ شیخ جلال الدین تبریزی

میرا ارادہ اس ملک میں جانے سے یہ تھا کہ میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی جو مشہور اولیاء اللہ میں سے تھے زیارت کروں۔ یہ شیخ اپنے وقت کے قطب تھے اُن کی کرامتیں مشہور ہیں عمر بھی اُن کی بہت زیادہ ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو بغداد میں دیکھا ہے اور جس وقت وہ قتل کیا گیا وہ وہاں موجود تھے۔ وہ ایک سو پچاس برس کی عمر پانے کے بعد انتقال ہوا اور چالیس سال سے برابر روزہ رکھتے تھے وہ دس دس دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ بدن کے ہلکے پھلکے تھے قد لانبا تھا اور رخسارے لگے ہوئے تھے اُن کے ہاتھ پر اس ملک کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول

---

[1] تغلق کی دہشت نے اس آشفتہ مزاج سیاح کو کتنا محتاط بنا دیا تھا۔

[2] آسام

گیلہ ہے۔ اُن کا ایک ہمراہی مجھ سے کہتا تھا کہ انھوں نے اپنے سب دوستوں کو مرنے سے ایک دن پہلے بلایا اور وصیت کی کہ خدا سے ڈرتے رہو میں انشاء اللہ کل تم سے رخصت ہوں گا۔ ظہر کی نماز کے بعد آخر سجدہ میں دم نکل گیا غار کی برابر ایک کھدی ہوئی قبر نکلی اُس پہ کفن اور خوشبو موجود تھی ان کے ہمراہیوں نے غسل دیا اور کفن دے کر اور نماز پڑھ کر دفن کیا۔ خدا اُن پر رحمت کرے۔

جب میں شیخ کی زیارت کے لیے گیا تو شیخ کے مسکن سے دو منزل ورے مجھے اُن کے چار ہمراہی ملے اور وہ کہتے تھے کہ شیخ نے کہا تھا کہ ایک مغربی سیاح ہمارے پاس آتا ہے اس کا استقبال کرو اور ہم شیخ کے استقبال سے آتے ہیں۔ اُن کو میری بابت کچھ علم نہ تھا جو کچھ معلوم ہوا مکاشفہ سے معلوم ہوا۔ میں اُن کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں اُن کی خانقاہ میں پہنچا جو غار کے باہر تھی اور کوئی آبادی اُس کے پاس نہ تھی۔ اس ملک کے ہندو مسلمان سب اس کی زیارت کو آتے ہیں اور اُس کے واسطے تحفے اور نذر لاتے ہیں۔ اُس میں سے فقراء اور مساکین کھاتے ہیں۔ لیکن شیخ فقط اپنی گائے کے دودھ پر گذار کرتے ہیں۔ جب میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو کھڑے ہو کر مجھے گلے لگایا اور میرے وطن کا حال دریافت فرمایا میں نے کل حال بتایا۔ پھر مجھے خانقاہ میں لے گئے اور تین دن تک میری مہمانی کی۔ جب میں پہلے دن شیخ کی زیارت کو گیا تو شیخ ایک جُبّہ پہنے ہوئے تھے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر شیخ مجھے یہ جبّہ عطا کر دیں تو کیا اچھی بات ہو۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو شیخ نے غار کی ایک طرف ہو کر جبّہ اپنے بدن سے اتار دیا اور مجھے پہنا دیا اور اپنے سر سے طاقیہ یعنی ٹوپا اتار کر میرے سر پر رکھ دی۔

فقیروں نے کہا کہ شیخ کا دستور جبّہ پہننے کا نہیں تھا اور فقط تیرے آنے کی خبر سنکر شیخ نے یہ جبّہ پہنا تھا اور فرماتے تھے کہ مغربی اس جبّے کو مجھ سے طلب کرے گا اور اُس سے ایک کافر بادشاہ چھین لے گا اور وہ میرے بھائی برہان الدین کو دے دیگا جب میں نے فقیروں سے یہ سنا تو اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ شیخ نے مجھے اپنا لباس عطا کیا ہے اور مجھے ایک غیر مترقبہ نعمت حاصل ہوئی ہے میں کبھی جبّہ پہن کر کسی مسلمان یا کافر بادشاہ کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا۔

میں شیخ کے پاس سے رخصت ہو گیا اور مدت دراز کے بعد مجھے چین میں جانے کا اتفاق ہوا اور شہر خنسا میں اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ رستے میں مجھے وزیر ملا اُس نے مجھے اپنے پاس

دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر میرا حال پوچھا اور باتیں کرتے کرتے ہم بادشاہ کے محل کے دروازہ پر پہنچ گئے میں نے اُس سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا اُس نے اجازت نہ دی اور مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا بادشاہ نے مجھ سے مسلمان بادشاہوں کا حال دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا۔ پھر بادشاہ کی نظر چغے پر جا پڑی اس نے اس کی بڑی تعریف کی وزیر نے کہا کہ اس کو اتار دو۔ اُس وقت مجھے حکم ماننا پڑا۔ بادشاہ نے چغہ لے لیا اور اس کے عوض مجھے دس خلعت اور ایک گھوڑا مع سازوسامان کے اور خرچ کے واسطے نقدی عطا کی۔ مجھے نہایت رنج ہوا اور شیخ کا قول یاد آیا اور مجھے کمال تعجب ہوا۔ دوسرے سال خان بالق دارالخلافہ چین میں گیا اور شیخ برہان الدین صاغرجی کی خانقاہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا شیخ کتاب پڑھ رہے تھے اور وہی چغہ پہنے ہوئے تھے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے چغہ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مجھ سے شیخ نے کہا تو اس کو کیوں الٹتا ہے کیا اس کو پہچانتا ہے میں نے کہا ہاں مجھ سے یہ چغہ خنسا کے بادشاہ نے لیا تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین نے یہ چغہ میرے واسطے تیار کیا تھا اور مجھے خط لکھا تھا کہ فلاں شخص کی معرفت تیرے پاس یہ چغہ پہنچے گا شیخ نے مجھے وہ خط دکھلایا۔ میں نے وہ خط پڑھا اور شیخ کے صدق الیقین پر تعجب ہوا۔ اس پر میں نے کل حکایت شیخ برہان کے سامنے بیان کی۔ شیخ نے کہا کہ میرے بھائی شیخ جلال الدین کا رتبہ اس سے بھی زیادہ ہے اور اس کو کل معاملات دنیا میں دخل ہے اور اب وہ انتقال کر گئے ہیں پھر کہنے لگے کہ مجھے خبر ہے کہ وہ ہر روز صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھتے تھے اور ہر سال حج کرتے تھے عرفہ اور عید کے دن غائب ہو جاتے تھے کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔

سنارگاؤں، مشرقی بنگال کا قدیم پایہ تخت

شیخ جلال الدین سے رخصت ہو کر پندرہ دن تک سفر کرنے کے بعد ہم سنارگاؤں[1] میں پہنچے۔

---

[1] [illegible] تک یہ شہر مشرقی بنگال کا پایہ تخت رہا۔ یہ ڈھاکہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے، یہاں بہترین سوتی کپڑا ہوتا ہے۔

بلاد جاوا کا سفر

مقامات راہ عجیب عجیب نظارے، عجیب عجیب رسمیں

ہمیں ایک جہاز جاوا کے لیے تیار ملا - جاوا یہاں سے چالیس دن کا رستہ ہے جہاز میں سوار ہوئے اور پندرہ دن کے بعد ملک برھنگار میں پہنچے یہاں کے لوگ قوم ہج میں سے ہیں نہ ہندو ہیں نہ مسلمان بانسوں کے گھروں میں رہتے ہیں جن کی چھتیں پھوس کی ہوتی ہیں - سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں اور کیلہ اور چھالیہ اور پان کے درخت اس ملک میں بہت ہیں - مرد ہم جیسے ہیں لیکن ان کے منہ کتوں سے مشابہ ہیں البتہ عورتوں کے منہ اچھے ہیں اور بہت حسین ہوتی ہیں - اُن کے مرد بالکل ننگے رہتے ہیں - فقط عضو مخصوص اور انثین کو ایک بانس کی نلکی میں جس پر نقش کیے ہوئے ہوتے ہیں رکھ لیتے ہیں اور اس کو پیٹ پر باندھ لیتے ہیں - اور اُن کی عورتیں اپنا ستر درختوں کے پتوں سے ڈھک لیتی ہیں -

ان شہروں میں جاوا اور بنگالہ کے مسلمان علیحدہ محلوں میں رہتے ہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح علی الاعلان جماع کرتے ہیں ایک ایک مرد کے تیس تیس عورتیں ہوتی ہیں نہ کم نہ زیادہ - یہ لوگ زنا کبھی نہیں کرتے اگر کوئی زنا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو مرد کو پھانسی دے دیتے ہیں - لیکن اگر وہ اپنی بجائے کوئی اور اپنا ہمراہی یا غلام دے دے تو چھوڑ دیتے ہیں اور عورت کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ راجہ کے کل

لہ اراکان مراد ہے -

غلام اُس سے مباشرت کرتے ہیں۔ حتّےاکہ وہ مرجاتی ہے پھر اس کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں اور اسی لیے وہ کسی جہاز والے کو اپنی آبادی میں نہیں آنے دیتے۔ لیکن اگر وہ قیام کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں اور اکثر ساحل پر آکر خرید و فروخت کرنے جاتے ہیں۔ جہاز والوں کے واسطے وہ احتیطا پر پانی لے جاتے ہیں کیونکہ ساحل کے پاس میٹھا پانی نہیں ہے اور پانی لانے کے واسطے جہاز والوں کو شہر میں نہیں جانے دیتے کیونکہ اُن کی عورتیں حسین مردوں کو دیکھ کر اُن کی طرف راغب ہو جاتی ہیں۔ ہاتھی اس ملک میں بہت ہیں لیکن سوا بادشاہ کے اور کوئی اُس پر سوار نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ جہاز والوں سے کپڑا خرید لاتے ہیں۔ اُن کی بولی عجیب ہے سوا اُن میں رہنے والے اور آمد و رفت رکھنے والے کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ایک رات کو جب ہم اُن کے بندر میں ٹھیرے ہوئے تھے یہ اتفاق ہوا کہ مالک جہاز کے ایک غلام نے جو ان لوگوں کے پاس کاروبار کے واسطے آمد و رفت کیا کرتا تھا عورت سے بات چیت کی اور رات کو ایک غار کے پاس دونوں اپنے وعدے کے موافق ملے۔ عورت کے خاوند کو خبر ہوگئی وہ دونوں کو راجہ کے پاس لے گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اس غلام کے خصیے کاٹ ڈالو اور پھانسی دے دو عورت کے واسطے حکم دیا کہ اس کے ساتھ سب حاضرین جماع کریں حتّےاکہ وہ مرگئی پھر راجہ ہمارے پاس سمندر کے کنارے پر آیا اور عذر کیا کہ میں یہ حکم دینے اور اس کی تعمیل کرنے پر مجبور تھا لیکن مالک جہاز کو ایک غلام اُس کے عوض دے دیا۔

جزیرہ جاوا سماٹرا یعنی انڈونیشیا میں ورود

وہاں سے چل کر ہم پچیس دن کے سفر کے بعد جزیرہ[1] جاوا میں پہنچے لوبان جاوی اس جزیرہ کی طرف منسوب ہے۔ نہایت سر سبز اور شاداب ملک ہے ناریل اور چھالیہ اور لونگ اور عود ہندی اور کٹھل اور آم اور جامن اور نارنج اور کافور کے درخت اس جزیرہ میں بکثرت ہیں یہ لوگ خرید و فروخت قلعی کے ٹکڑوں کے ساتھ کرتے ہیں یا چاندی سونے کے ساتھ جو صاف کیا ہوا نہیں ہوتا۔ خوشبوئیں

---

[1] اب انڈونیشیا کے نام سے مشہور ہے۔

اس جزیرہ میں اکثر پیدا ہوتی ہیں لیکن ان میں سے بہت کافروں کے علاقہ میں ہیں مسلمانوں کے علاقہ میں کم ہیں۔ جب ہم بندرگاہ میں پہنچے تو وہاں کے باشندے ہمارے استقبال کے لیے چھوٹے بڑے جہازوں میں بیٹھ کر آئے وہ ناریل اور بادام اور آم اور مچھلی بطور تحفہ کے لائے۔

پھر ہمارے پاس امیرالبحر کا نائب آیا اور سب تاجروں سے ملاقات کی اور ہمیں خشکی پر اترنے کی اجازت دی پھر ہم بندرگاہ میں اترے یہ ایک بڑا مقام ہے دریا کے کنارے پر گھر بنے ہوئے ہیں اس کا نام سَرحا ہے شہر وہاں سے چار میل ہے۔ پھر ہم سلطان کے دارالخلافہ کی طرف چلے۔ یہ شہر بہت بڑا ہے لکڑی کی فصیل اُس کے گرد اور برج بھی لکڑی کے ہیں بادشاہ کا نام ملک ظاہر ہے یہ شخص بہت بڑا فاضل اور سخی ہے شافعی مذہب ہے اور اہل علم سے نہایت درجہ محبت رکھتا ہے اور اس کی مجلس میں ہمیشہ علم و فضل کا چرچہ رہتا ہے جہاد بھی اکثر کرتا رہتا ہے متواضع بھی بدرجہ غایت ہے جمعہ کی نماز کے لیے ہمیشہ پیادہ آتا ہے یہاں کے کل باشندے شافعی ہیں جہاد کے بہت شائق ہیں اور کافروں پر غالب ہیں آس پاس کے کافراُن کو جزیہ دیتے ہیں۔

جب ہم شاہی محل کی طرف چلے اور محل کے قریب پہنچ گئے تو ہمارے دونوں طرف رستے پر نیزے زمین میں گڑے ہوئے تھے یہ اس بات کی علامت تھی کہ جو کوئی سوار ہو کر آوے اس حد سے آگے نہ بڑھے ہم وہاں گھوڑوں سے اتر لیے اور شاہی محل کے چوک میں داخل ہوئے وہاں ہمیں بادشاہ کا نائب جس کو عمدۃ الملک کہتے ہیں ملا اُس نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا اور سلام کی جگہ وہ لوگ مصافحہ کرتے ہیں ہمیں اپنے پاس بٹھا لیا اور بادشاہ کے پاس ایک رقعہ لکھ کر جس میں ہمارے آنے کی خبر تھی مہر لگا کر ایک غلام کو دے دیا اُسی کی پشت پر جواب آ گیا۔ پھر ایک غلام ایک بقچہ لایا نائب نے اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک گھر میں لے گیا جس کو وہ فردخانہ کہتے ہیں یہ اس کے دن کے وقت آرام کرنے کی جگہ ہے کیونکہ نائب صبح کو آتا ہے اور عشا کے بعد اپنے گھر جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے امیر اور وزیر بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ وہاں جا کر اُس نے بقچہ میں سے تین چادریں نکالیں اُن میں سے ایک خالص ریشم کی تھی دوسری ریشم اور روئی کی بنی ہوئی تھی اور تیسری ریشم اور کتاں کی بنی ہوئی۔ پھر اس میں سے تین اور کپڑے نکالے جس کو تحتانیہ کہتے ہیں اور پھر تین کپڑے نکالے جس کو وسطانی کہتے ہیں پھر تین کپڑے ایک کے

نکالے جن میں سے ایک سفید تھا پھر تین عمامے نکالے اُن میں سے میں نے ایک چادر تو بجائے پاجامے کے باندھ لی اور ایک ایک کپڑا ہر ایک قسم کا لے لیا اور باقی کپڑے میرے ہمراہیوں نے لے لیے پھر کھانا لائے جس میں زیادہ چاول تھے پھر نبیذ لائے پھر پان لائے جس وقت پان آتا ہے تو گویا یہ علامت رخصت ہوتی ہے پان لے کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ نائب بھی ہمارے ساتھ سوار ہو کر آیا اور ہمیں ایک باغ میں لے گیا اُس کے گرد لکڑی کی فصیل تھی اور بیچ میں لکڑی کا مکان بنا ہوا تھا اس میں مخمل کا فرش تھا اور بید کی بنی ہوئی چارپائیاں تھیں اوپر ریشم کے گدیلے اور ہلکے پھلکے لحاف اور تکیے بھی تھے ہم گھر میں بیٹھ گئے اور ہمارے ساتھ نائب بھی بیٹھ گیا پھر امیر دولسہ آیا اور وہ لونڈیاں لایا اور دو غلام لایا اور مجھ سے کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ یہ خاطر ہمارے مرتبہ کے مطابق ہے سلطان محمد شاہ ہند کی شان کے مطابق نہیں ہے پھر نائب چلا گیا اور امیر دولسہ میرے پاس رہا۔ میری واقفیت اُس سے پہلے سے تھی کیونکہ وہ ایک دفعہ سلطان کی طرف سے سفیر ہو کر بادشاہ دہلی کے دربار میں گیا تھا میں نے اُس سے پوچھا کہ بادشاہ سے کب ملاقات ہوگی اُس نے کہا کہ اس ملک کا یہ دستور ہے کہ کوئی مسافر تین دن تک بادشاہ کے پاس نہیں جا سکتا ہے جب سفر کی تکلیف دور ہو جاتی ہے اور اس کے ہوش و حواس درست ہو جاتے ہیں تو اُس وقت بادشاہ کے سلام کی اجازت ہوتی ہے ہم تین دن تک ٹھیرے رہے ہمارے لیے ہر روز تین دفعہ کھانا آتا تھا اور صبح اور شام میوے اور نادر چیزیں آتی تھیں۔

سلطان والا شان کی خدمت میں باریابی کا شرف

جب چوتھا دن ہوا تو وہ جمعہ کا دن تھا امیر دولسہ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ آج مسجد میں بادشاہ کا سلام ہوگا۔ میں مسجد میں گیا اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ بادشاہ کا حاجب قَیران میرے ساتھ تھا۔ پھر میں بادشاہ کے پاس گیا وہاں قاضی امیر سید اور اُس کے طالب علم دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ بادشاہ نے مصافحہ کیا۔ میں نے سلام کیا بادشاہ نے مجھے بائیں ہاتھ پر بٹھا لیا اور سلطان محمد بادشاہ ہند اور میرے سفر کا حال پوچھتا رہا۔ اور میں جواب دیتا رہا۔ پھر فقہ شافعی کے مسائل کا مذکرہ عصر کی نماز کے وقت تک ہوتا رہا۔ بادشاہ عصر کی نماز پڑھ کر ایک حجرہ میں چلا گیا اور اپنے کپڑے اتار دیے

مسجد میں وہ مولویوں کے سے کپڑے پہن کر آیا کرتا ہے اور پیدل آتا ہے پھر شاہی کپڑے پہنے جو روئی اور ریشم کے بنے ہوئے تھے۔ جب مسجد سے نکلا تو ہاتھی اور گھوڑے وہاں کھڑے ہوئے تھے ان کا دستور ہے کہ جب بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا ہے تو اس کے اہلکار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور جب بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو وہ ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور اہل علم اُس کی داہنی طرف ہوتے ہیں اُس روز سلطان ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور ہم سب گھوڑوں پر سوار ہوتے اور محل کی طرف چلے۔ ہم دستور کے موافق مجائے مقررہ سے نیچے اتر لیے اور سلطان سوار ہی محل کے اندر گیا۔

محل کے باہر چوک میں وزیر اور امیر اور کاتب اور اہل کار اور فوج کے سردار صف باندھے کھڑے تھے اول صف میں وزیر اور متصدی تھے سلطان کے چار وزیر ہوتے ہیں انھوں نے سلام کیا اور اپنے کھڑے ہونے کی جگہ چلے گئے پھر مولویوں اور شریفوں کی صف آئی پھر بادشاہ کے مصاحب اور حکیم اور شاعر اور اُس کے بعد فوج کے سرداروں کی صف پھر غلاموں کی صف نے سلام کیا۔ سلطان جلوس کے برج کے سامنے ہاتھی پر سوار بیٹھا رہا، اس کے سر پر جڑاؤ چھتر تھا۔ بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر پچاس سجے بجائے ہاتھی کھڑے تھے اور بائیں طرف بھی اسی قدر ہاتھی تھے۔ اُن کے بعد داہنی طرف پچاس گھوڑے اور بائیں طرف بھی پچاس گھوڑے تھے اور اُن پر نوبت اور نقارے رکھے ہوئے تھے بادشاہ کے سامنے حاجب کھڑے تھے پھر گانے بجانے والے مرد آئے اور انھوں نے گانا شروع کیا اس کے بعد گھوڑا جس پر ریشمی جُل پڑا ہوا تھا اور جس کے پاؤں میں سونے کی جھانجن اور ریشمی طلا کار رسیاں تھیں سامنے آیا اور بادشاہ کے سامنے ناچا میں نے اس کا ناچ دیکھ کر تعجب کیا ایسا تماشا بادشاہ ہندوستان کے سامنے بھی میں نے دیکھا تھا۔

عشق ازیں بسیار کرد ست وکند

جب مغرب کا وقت ہوا تو سلطان محل میں داخل ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے سلطان کا ایک بھتیجا تھا اُس کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی تھی اور وہ ایک امیر کی لڑکی پر عاشق تھا۔ اور اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ اس ملک کا یہ دستور ہے کہ جب کسی امیر یا رعیت یا بازاری کی لڑکی جوان ہوتی ہے تو سلطان کو خبر دی جاتی ہے سلطان عورتوں کو دیکھنے کے لیے بھیجتا ہے اگر پسند آگئی تو اُس کے

ساتھ نکاح کر لیتا ہے ورنہ اُس کے وارث جس کے ساتھ چاہتے ہیں نکاح کر دیتے ہیں لوگ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری لڑکی بادشاہ کے پسند آ جائے کیونکہ بادشاہ کا نکاح ہوتے ہی اُس کے باپ کا مرتبہ بڑھ جاتا تھا۔ جب اُس لڑکی کے باپ نے بادشاہ کی اجازت چاہی تو حسب دستور بادشاہ کی طرف سے عورتیں اُس کے دیکھنے کو گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے اُس لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا۔ اُس کے بھتیجے کا عشق اور دونا ہو گیا۔ اور اُس کو کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی آخر ایک روز بادشاہ شکار کے لیے گیا تھا اور ایک مہینے کے رستے پر کافروں سے جنگ کر رہا تھا اُس کا بھتیجا بغاوت کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ بعض آدمیوں نے اُس کے ساتھ بیعت بھی کر لی۔ اور باقی لوگ اُس کے پاس نہ آئے اُس کے چچا کو بھی خبر ہوئی اُس نے فوراً سماٹرا کی طرف کوچ کر دیا۔ اس کا بھتیجہ جس قدر مال اور خزانہ اُس کے ہاتھ لگا وہ اور اپنی معشوقہ کو ساتھ لے کر کُنی جاوا کے ملک کی طرف چلا گیا۔ اُس کے بعد بادشاہ نے شہر کے گرد فصیل بنا دی۔

میں سلطان کے پاس پندرہ دن سماٹرا میں ٹھہرا پھر میں نے سفر کی اجازت چاہی کیونکہ چین کے سفر کا موسم تھا اور ہر وقت چین کی طرف سفر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سلطان نے میرے لیے ایک جنک تیار کر دیا۔ اور زادِ راہ بھی دیا اور بھی سلوک کیا۔ خدا اس کو احسان کی جزا دے۔ دیے اپنے آدمی ہمارے ساتھ کر دیے جو ہر روز ہماری ضیافت کرتے تھے ہم اس ملک کے کنارے اکیس[21] دن چلتے رہے۔

سیام اور کمبودیا

نرالی رسمیں، حیرت انگیز مشاہدات عجیب واقعات

پھر ہم جاوا[1] میں پہنچے اس ملک کے باشندے مسلمان نہیں ہیں اور اس ملک کی مسافت دو مہینے کے سفر کے برابر ہے۔ سلطان ظاہر کے ملک میں سوائے لوبان اور کافور اور قلیل لونگ اور قلیل عود ہندی کے اور کوئی خوشبو پیدا نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں اکثر مل جاوا میں پیدا ہوتی ہیں۔ میں ہر ایک کی بابت جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے یا دریافت کیا ہے لکھتا ہوں لوبان کا درخت چھوٹا ہوتا ہے قد آدم کی برابر اور اس سے چھوٹا بھی ہوتا ہے۔ لوبان اس کا گوند ہوتا ہے جو شاخوں میں سے نکلتا ہے لوبان مسلمان کے علاقہ میں بہ نسبت کافروں کے علاقے کے زیادہ ہوتا ہے۔

کافور کا درخت بالکل بانس کی مانند ہوتا ہے لیکن پوریاں لمبی اور موٹی ہوتی ہیں اور کافور پوریوں کے اندر سے نکلتا ہے۔ جب بانس کو توڑتے ہیں تو اندر سے کافور نکلتا ہے۔

عود ہندی ایک درخت ہوتا ہے جو بلوط کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کی چھال پتلی ہوتی ہے اس کے پتے بالکل بلوط کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اس کی جڑیں بہت لمبی ہوتی ہیں

---

[1] سیام اور کمبودیا کا علاقہ۔

اور ان میں سے عطر کی خوشبو آتی ہے لیکن لکڑی اور پتوں میں خوشبو نہیں ہوتی ۔ مسلمانوں کے ملک میں عود کے کل درخت عوام کی ملکیت ہیں لیکن کافروں کے ملک میں اکثر درخت کسی کی ملکیت نہیں ۔

لونگ کا درخت بہت موٹا اور پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ کافروں کے ملک میں بہ نسبت مسلمانوں کے ملک کے زیادہ ہے اور اس قدر کثرت سے ہے کہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا جو لونگیں ہمارے ملک میں لاتے ہیں وہ اس کی لکڑیاں ہیں اور وہ چیزیں جس کو ہمارے ملک میں نوارالقرنفل کہتے ہیں وہ اس کا شگوفہ ہے جو گر پڑتا ہے وہ رنگترے کی کلی کے مشابہ ہوتا ہے لونگ کے پھل کو جوز بوا یعنی جائفل کہتے ہیں اور جو کلی اس میں ہوتی ہے اس کو بیاسہ یعنی جوتری کہتے ہیں ۔ میں یہ سب دیکھی ہیں ۔

مل جاوا کا بادشاہ،

مل جاوا کا بادشاہ کافر ہے میں نے محل کے باہر زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا ۔ فرش بچھا ہوا نہ تھا ۔ اس کا لشکر اور اہلکار سب اس کے سامنے پیش ہوتے تھے ۔ سب پیدل تھے گھوڑا اس ملک میں نہیں ہے ۔ فقط بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے ۔ اور لوگ ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں اور اسی پر سوار ہو کر لڑائی کو جاتے ہیں میرا حال اس کو بتایا تو اس نے مجھ کو طلب کیا میں آیا اور میں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی[1] انہوں نے فقط سلام کا لفظ سمجھا اور بہت خوش ہو کر مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے زمین پر فرش بچھوایا اور کہا کہ اس پر بیٹھو میں نے ترجمان سے کہا کہ میں کس طرح فرش پر بیٹھ سکتا ہوں جب بادشاہ زمین پر بیٹھا ہے ۔ اس نے کہا بادشاہ کی عادت یہ ہے وہ فقط تواضع کے سبب سے زمین پر بیٹھا کرتا ہے تو مہمان ہے اور ایک بڑے بادشاہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے تیری تعظیم فرض ہے میں بیٹھ گیا ۔

---

[1] تغلق سے تعلق منقطع کر چکنے کے باوجود ابن بطوطہ اس کے کشتی سفیر بزعم خود بنے ہوئے تھے ۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے ۔

بادشاہ نے ہندوستان کا حال دریافت کیا۔ اور فقط مختصر مختصر سوال کئے۔
پھر مجھ سے کہا کہ تین دن تک تو ہمارا مہمان ہے اس کے بعد تجھے جانے کی اجازت ہے
بادشاہ کے دربار میں ایک شخص دیکھا کہ اس نے اپنے گلے پر چھری رکھی اور کچھ زبان سے
سے کہا جس کو میں نہ سمجھتا تھا۔

وفاداری کا لرزہ خیز نظارہ ،

پھر چھری کو مضبوط پکڑ کر ایسا دبایا کہ اس کا گلا صاف کٹ گیا اور سر علیحدہ جا پڑا
مجھے نہایت تعجب ہوا - بادشاہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے ملک میں بھی کوئی
ایسا کرتا ہے میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بادشاہ سنکر ہنسا اور کہا کہ یہ میرے غلام ہیں۔ مجھ
اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ اپنی جان مجھ پر قربان کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے جلانے کا حکم دیا۔
اس کی اولاد کا وظیفہ بادشاہ نے مقرر کر دیا اور اس کے قربان ہونے کے سبب اس کے
خاندان کی عزت ہوگئی - ایک شخص جو وہاں موجود تھا مجھ سے کہتا تھا کہ اپنا گلا کاٹنے سے پہلے
اس نے اسی قسم کی گفتگو کی تھی کہ بادشاہ اس کو اس قدر پیارا ہے کہ وہ اپنی جان کو اس پر نثار کرتا
ہے اس سے پہلے اس کے باپ نے اور باپ سے پہلے دادا نے اپنی بادشاہ کے باپ
اور دادا پر قربان کر دیا تھا - اس کے بعد میں دربار سے اٹھ کر چلا آیا۔ اور تین دن تک وہاں
رہا -

بحر الکاہل میں داخلہ ،

پھر سمندر کا سفر شروع کیا - تیس دن سفر کرنے کے بعد بحرالکاہل میں داخل ہوئے -
اس کا پانی بالکل سیاہ ہے اس میں سرخی بھی معلوم ہوتی ہے گمان کرتے ہیں کہ اس کے کنارہ کے
ملکوں کی مٹی کے رنگ کے سبب سے پانی کا یہ رنگ ہوگیا ہے نہ اس سمندر میں ہوا ہے نہ موج
ہے نہ حرکت ہے اور اسی سبب سے ہر جہاز کے ساتھ تین اور جہاز ہوتے ہیں- ان سب کو ملاح
کھتے ہیں تو جہاز چلتا ہے اور بڑے جہازوں میں بھی بیس چپو ایک طرف اور بیس دوسری طرف ہوتے ہیں۔

ایک ایک چپو ستون کی مانند ہوتا ہے اور ہر ایک چپو پر یہ تیس تیس آدمی کام کرتے ہیں ہر ایک چپو میں دو بڑی بڑی رسیاں بندھی ہوتی ہیں جب ایک جماعت پکڑ کر کھینچتی ہے اور چھوڑ دیتی ہے تو دوسرے اپنی رسی کھینچتے ہیں کھینچنے کے وقت یہ لوگ خوش لفظوں میں گاتے ہیں اور لعلی لعلی کرتے ہیں۔

ہم اس سمندر میں سینتیس ۳۷ روز چلتے رہے۔ جہاز والے تعجب کرتے تھے کہ ہم ایسی جلدی اس سمندر سے کیسے باہر ہو گئے۔ کیونکہ یہ سفر کم و بیش پچاس دن کا تھا۔

ملکِ چین

اس ملک کی پیداوار اور خصوصیات

زراعت، پھل، میوے، مصنوعات

سترہ دن کے بعد ہم چین کے ملک میں داخل ہوئے۔ ہوا موافق تھی، جہاز بہت جلدی چلے۔ چین کا ملک بہت وسیع اور زرخیز ہے۔ زراعت، سونے چاندی اور میووں کی پیداوار میں کوئی ملک اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک دریا وسط شہر سے گذرتا ہے اُس کو آبِ حیات[1] اور سرد بھی کہتے ہیں۔ اسی کا نام دریا (ہندوستان) میں بھی ہے۔ خان بالق[2] کے پاس ایک پہاڑ ہے وہاں سے یہ دریا نکلتا ہے اس پہاڑ کو کوہ بوزنہ کہتے ہیں۔ وہ چین کے وسط میں سے گذرتا ہے اور صین الصین[3] کے شہر پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ نیل کی مانند اُس کے کنارہ پر برابر دیہات اور کھیت اور باغ اور بازار بنتے چلے گئے ہیں اور آبادی مصر کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ چین کی قند مصر کی قند سے بڑھ کر ہے اور انگور اور خوبانی بہ کثرت ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ عثمانی خوبانی جو دمشق میں پیدا ہوتی ہے اُس کے برابر خوبانی تمام دنیا میں نہ ہوتی ہوگی لیکن چین کی خوبانی اُس سے بھی افضل ہے۔ وہاں خربوزہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ خوارزم اور اصفہان کے خربوزہ کے مشابہ ہوتا ہے جس قدر میوے ہمارے ملک میں پیدا ہوتے ہیں چین میں سب اُن سے بہتر ہوتے ہیں گیہوں وہاں بہت اچھا ہوتا ہے اور یہاں کے گیہوں کے برابر میں نے بڑا دانہ کہیں نہیں دیکھا اور یہی حال مسری اور چنے کا ہے۔

---

[1] دریائے کیانگ [2] پکن [3] کانٹن۔

چینی کے برتن اور چینی مٹی کا ذکر

ظروف چینی فقط زیتون کے شہر میں بنتے ہیں یا چین کلاں میں اور یہ پہاڑ کی مٹی ہوتی ہے جو آگ میں کوئلہ کی مانند جلتی ہے اُس میں پتھر ملاتے ہیں اور تین دن تک آگ دیتے ہیں پھر پانی چھڑک دیتے ہیں۔ سب مٹی بن جاتی ہے پھر اُس کو سڑاتے ہیں۔ جو چینی سب سے اچھی ہوتی ہے اُس کا خمیر پورے ایک مہینے میں اُٹھتا ہے۔ ادنیٰ درجہ کی دس دن میں نکال لی جاتی ہے۔ یہ برتن وہاں ایسے ارزاں ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں مٹی کے بلکہ اس سے بھی زیادہ ارزاں اُن کو ہندوستان اور تمام ولایتوں میں لے جاتے ہیں حتیٰ کہ مغرب تک لے جاتے ہیں یہ برتن نہایت نفیس ہوتے ہیں۔

چین کے مُرغ اور مرغیاں اور ان کی جسامت

چین کی مرغیاں اور مرغے بطخ سے بھی زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔ مرغیوں کے انڈے بھی چین میں بطخ کے انڈوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں کی بطخ چھوٹی ہوتی ہے۔ میں نے ایک مرغی خریدی اور اُس کو پکانا چاہا تو ایک دیگچی میں اُس کی گنجائش نہ ہوئی آخر دو دیگچیوں میں پکایا۔ مرغا شتر مرغ کے برابر ہوتا ہے اور اکثر اُس کے پر نوچے ہوئے ہوتے ہیں تو سُرخ سُرخ گوشت کا لوتھڑا معلوم ہوتا ہے۔ چینی مرغا اول اول میں نے کولم کے شہر میں دیکھا تھا، میں نے اُس کو شتر مرغ کا بچہ خیال کیا تھا اور یہ سن کر کہ وہ مُرغا ہے میں نے کمال تعجب کیا۔ میرے دوست نے کہا کہ چین میں اس سے بھی بڑا ہوتا ہے جب میں چین میں پہنچا تو اُس کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

اہلِ چین کا مذہب اور طرزِ حکومت

اہلِ چین کافر ہیں بتوں کو پوجتے ہیں اور مُردوں کو ہندوؤں کی طرح جلاتے ہیں۔ چین کا بادشاہ تاتار ہے اور چنگیز خاں کی اولاد میں سے ہے۔ چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کی بستی ہے، وہ بستی علیحدہ ہوتی ہے جہاں میں جامع مسجد اور چھوٹی مسجدیں ہوتی ہیں۔ چین میں مسلمانوں کی توقیر اچھی ہے۔ چینی کافر سؤر اور کتے کا گوشت کھاتے ہیں اور بازاروں میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ باشندے مرفہ الحال ہیں لیکن

کھانے پینے میں بہت حریص ہیں۔ ایک بڑا سوداگر جس کی دولت کی کچھ انتہا نہیں۔ روئی کے کپڑے کا جُبہ پہنے پھرتا ہے۔ زیادہ تر وہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں تکلف ظاہر کرتے ہیں۔ ہر شخص عصا رکھتا ہے اور اُسے ٹیک کر چلتا ہے چینی کہتے ہیں کہ عصا ہماری تیسری ٹانگ ہے۔

ریشم کی پیداوار چین میں

چین میں ریشم بہ کثرت پیدا ہوتا ہے کیونکہ ریشم کا کیڑا پھلوں کے چمٹا رہتا ہے اور ان کو کھاتا رہتا ہے اس لیے اُن کی پرورش میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ فقیر اور مسکین بھی ریشمی کپڑے پہنتے ہیں اور اگر غیر ملکوں کے سوداگر نہ خریدتے تو ریشم سے زیادہ کوئی بے قدر چیز چین میں نہ ہوتی۔ روئی کے ایک کپڑے کے مبادلہ میں ریشم کے کئی کپڑے آتے ہیں۔

چین میں سکّہ کے بجائے نوٹوں کا رواج

وہاں کے کافروں کا دستور ہے کہ ہر شخص جس قدر چاندی اور سونا اُس کے پاس ہوتا ہے پگھلا کر اُس کا ڈلا بنا لیتا ہے اور اپنے دروازہ پر رکھ چھوڑتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایسے پانچ ڈلے ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھ میں ایک انگشتری پہنتا ہے اور اگر دس ہوں تو دو انگشتریاں اور جس کسی کے پاس پندرہ قنطار ہوں تو اُس کو اُس کو ستی کہتے ہیں جیسے کہ مصر میں کارم یعنی ساہوکار کہتے ہیں ایک قنطار کے ڈلے کو برکالہ کہتے ہیں۔ اہلِ چین درہم یا دینار کے ذریعہ سے خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر اُن کے ڈلے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعے خرید و فروخت کرتے ہیں یہ کاغذ کا ٹکڑہ کف دست کے برابر ہوتا ہے اور بادشاہ کے مطبع میں اُس پر مہر لگاتے ہیں ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جب یہ کاغذ کثرت استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتا ہے تو وہ دارالضرب میں لے جاتے ہیں اور اُس کے عوض نئے لے آتے ہیں۔ یہ دارالضرب ایک بڑے درجہ کے امیر کی تحویل

ہی ہے جب کوئی شخص بازار میں درم یا دینار لے کر خرید و فروخت کرنے جاتا ہے تو درم یا دینار نہیں چلتے لیکن وہ درہم یا دینار کے عوض یہ کاغذ لے سکتا ہے اور اُن کے عوض جو چیز چاہے خرید سکتا ہے۔

پتھر کے کوئلہ کا چین میں استعمال

اہل چین اور خطا منگی کے کوئلہ کا استعمال کرتے ہیں یہ مٹی اُس سیاہ کھڑیا مٹی کی مانند ہوتی ہے۔ جس کو اندلس میں طفل کہتے ہیں اور اُس کا رنگ بھی ویسا ہی ہوتا ہے ہاتھی پر لاد کر یہ مٹی لاتے ہیں اور کوئلہ کی مقدار کے موافق اُس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور آگ میں ڈال دیتے ہیں تو وہ کوئلہ کی طرح جلتے ہیں اُس کی راکھ کو گوندھ لیتے ہیں اور سکھا کر اُس کو پھر جلانے کے کام میں لاتے ہیں۔ اور اسی طرح کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ بالکل نیست ہو جاتی ہے۔ اس مٹی سے چینی کے برتن بھی بناتے ہیں اور اُس میں پتھر بھی ملاتے ہیں۔

اہل چین کی دستکاری اور مصوّری

اہل چین صنعت اور دستکاری میں تمام دنیا میں مشہور ہیں چنانچہ ان کا وصف مبالغہ کے ساتھ کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ تصویر کھینچنے کے بارے میں نہ تو فرنگی اور نہ کوئی اور قوم اُن کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہ لوگ اس فن میں کمال کرتے ہیں۔ میں اُن کے کسی شہر میں سے گذرا واپس آیا تو اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی تصویر دیواروں پر اور کاغذوں میں لٹکائے ہوئے تھے بنی ہوئی پائی۔ ہر شخص جو اس کے بازار میں سے گذرتا ہے اس کی تصویر تیار کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر کسی سبب سے بھاگ جائے تو اس کی تصویر اور ملکوں میں بھیج دیتے ہیں اور جہاں کہیں وہ ملتا ہے اُسے پکڑ لیتے ہیں۔

مسافروں کے لیے سہولتیں اور رعایتیں

جب کوئی مسلمان سوداگر چین میں پہنچتا ہے تو اختیار ہے خواہ کسی مسلمان کے پاس ٹھہر جائے یا سرائے

لہ یعنی پتھر کا کوئلہ

میں ٹھہرے۔ اگر کسی چینی مسلمان سوداگر کے پاس وہ ٹھہرتا ہے تو اُس کے مال کی فہرست تیار کرلی جاتی ہے اور وہ سوداگر اُس کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ اُس مال میں سے چینی سوداگر جس قدر ضرورت ہو خرچ کیے جاتا ہے۔ جب یہ سوداگر چین سے واپس جاتا ہے تو اپنے مال کا جائزہ لیتا ہے اگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں سے چینی سوداگر نے کچھ ضائع کر دیا ہے تو اُس کو پورا کرتا ہے۔ اگر وہ سوداگر فندق میں ٹھہرتا ہے تو اپنا کل مال فندق کے مالک کے سپرد کر دیتا ہے۔ اگر وہ کنیز کو رکھنا چاہتا ہے تو وہ بھی خرید دیتا ہے اور اگر خندق کے بیچ میں ایک ایسا گھر اُس کو مل جاتا ہے جس کا دروازہ سرائے میں ہوتا ہے

چین میں مسافروں کی حفاظت کا انتظام

اس طرح سے اُس کا اپنا مال ضائع نہیں کرنے دیتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ گوارا نہیں ہے، کہ مسلمانوں کے ملکوں میں ہم بدنام ہوں کہ فلاں سوداگر چین میں گیا تھا وہ اپنا مال ضائع کر آیا ہے۔

چین کے ملک میں مسافر کے لیے اس قدر امن ہے کہ شاید ہی کسی ملک میں ہو اگر کوئی اکیلا شخص لاتعداد مال لے کر نو مہینے تک سفر کرتا ہوا چلا جائے تو بے خوف جا سکتا ہے اور اس ملک میں یہ انتظام ہے کہ ہر شہر میں سرائے ہوتی ہے۔ یہاں ایک حاکم مع سوار اور پیادوں کے رہتا ہے۔ مغرب یا عشاء کے بعد حاکم سرائے کے اندر آتا ہے اُس کے ساتھ ایک منشی ہوتا ہے۔ جس قدر مسافر سرائے میں ہوتے ہیں سب کے نام لکھ لیتا ہے اور کاغذ پر مہر لگا دیتا ہے اور سرائے کے قفل لگا دیتا ہے۔ صبح کو پھر آتا ہے۔ وہی منشی اُس کے ساتھ ہوتا ہے ہر ایک آدمی کا نام لیتا جاتا ہے اور اُس کے اسباب کی فہرست بناتا ہے پھر کئی آدمی اُن کے ساتھ کر دیتا ہے وہ اُن کو دوسری منزل پر پہنچا دیتے ہیں اور دوسری سرائے کے حاکم سے رسید لے آتے ہیں کہ کل مسافر مع اسباب کے پہنچ گئے اگر وہ رسید نہیں لاتے تو اُن سے مواخذہ کیا جاتا ہے۔

جو ایک بڑا فاضل تھا اور شیخ الاسلام کمال الدین عبداللہ اصفہانی جو ایک بزرگ تھے ۔ اور بڑے بڑے سوداگر میرے ملنے کے لئے آئے ۔ شرف الدین تبریزی کا بھی آیا ۔ یہ ان سوداگروں میں سے ہے جن سے میں نے ہندوستان میں پہنچنے کے وقت قرض لیا تھا اور پھر ان کا قرض ادا کر دیا تھا یہ شخص حافظ قرآن ہے اور اکثر تلاوت کرتا رہتا ہے ۔ جب کوئی مسلمان ان سوداگروں کے پاس آتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کافروں کے ملک میں رہتے ہیں اور اسلام کے ملک کی خبر سن کر باغ باغ ہو جاتے ہیں اور اسے زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب واپس جاتا ہے تو بہت دولتمند ہو جاتا ہے اس شہر میں مشائخ میں سے برہان الدین گازرونی ہے ان کی خانقاہ شہر کے باہر ہے اور جو سوداگر حضرت شیخ ابو اسحٰق گازرونی کو مانتے ہیں وہ سب شیخ برہان الدین کو ادا کرتے ہیں جب صاحب دیوان نے میری خبر سنی تو اس نے قاآن کو جو ان کا بڑا بادشاہ ہے میرے آنے کا حال لکھ دیا کہ میں بادشاہ ہند کی طرف سے آیا ہوں ۔

جواب آنے تک میں نے صاحب دیوان سے کہا کہ میرے ساتھ کوئی آدمی کر دیا جائے ۔ جو مجھے چین کلاں[1] دکھلا لائے یہ بھی اس کے علاقے میں ہے ۔ اس نے یہ درخواست منظور کی اور اپنے آدمی میرے ساتھ کر دیئے وہ مجھے لے گئے ۔

کانٹن کی سیر

اسی طرح ہم سیر کرتے ہوئے چین کلاں میں پہنچے جس کو صین الصین بھی کہتے ہیں یہاں چینی کے برتن بنتے ہیں ۔ اور یہاں سے آب حیات کا دریا سمندر میں گرتا ہے اس کو مجمع البحرین کہتے یہ شہر چین کے شہروں میں سب سے بڑا ہے اور اس کے بازار بھی اور شہروں سے بڑے ہیں ۔ سب سے بڑا شہر چینی ظروف کا ہے یہاں سے چینی کے برتن چین کے اور شہروں میں اور ہندوستان میں اور یمن میں لے جاتے ہیں ۔

شہر کے وسط میں ایک بڑا مندر ہے اس کے نو دروازے ہیں ہر دروازہ کے اندر جو تھے

---

[1] کانٹن ۔

چین کے شہر

عادات ورسوم ، احوال وکوائف وضع طریق

پہلا شہر زیتون ،

سمندر کو قطع کر کے جس شہر میں ہم پہلے پہل داخل ہوئے وہ زیتون کا تھا اس شہر میں زیتون نام کو نہیں ہوتا ۔ بلکہ تمام چین اور ہندوستان کے ملک میں زیتون نہیں ہوتا ۔ لیکن اس شہر کا نام ہی زیتون ہے یہ بہت بڑا شہر ہے اس میں کمخواب اور اطلس جس کو زیتونیہ کہتے ہیں بنتے ہیں ۔ اس شہر کا بندرگاہ بھی دنیا کے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے اس میں میں نے سو جہاز بڑے دیکھے ۔ چھوٹے جہاز شمار سے باہر تھے ۔ سمندر کی ایک کھاڑی دور تک خشکی میں چلی گئی ہے اور بڑی نہر سے جا ملی ہے اسی کھاڑی میں بندرگاہ ہے چین کے تمام ملک میں ہر ایک کے گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہوتی ہے اور بیچ میں گھر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ چین کے شہر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں ۔ مسلمان علیحدہ محلے میں رہتے ہیں ۔

جب میں اس شہر میں پہنچا تو مجھے وہ امیر مل گیا جو بادشاہ کی طرف سے تحائف لے کر ہندوستان گیا تھا اور ہمارے ساتھ واپس آیا تھا ۔ اس کا بھی جہاز ٹوٹ گیا تھا ۔ اس نے مجھے سلام کیا اور مجھے صاحب دیوان کے پاس لے گیا ۔ جس نے مجھے ایک نفیس مکان میں ٹھہرا دیا قاضی تاج الدین اردبیلی

اور دہلیز بیٹھا ہیں جس پر اس دروازہ کے باشندے بیٹھتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازہ کے بیچ میں اندھوں اور اپاہجوں کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں ان کو مندر کی آمدنی سے خوراک اور پوشاک ملتی ہیں اور اسی طرح سے ہر دروازہ کے اندر مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اندر جا کر ایک ہسپتال بیماروں کے واسطے ہے اور ایک باورچیخانہ ہے اس پر طبیب اور خادم نوکر ہیں یہ بھی کہتے تھے کہ جو آدمی بڈھے ہو جاتے ہیں اور کما نہیں سکتے ان کو یہاں کھانا اور کپڑا ملتا ہے اور لاوارث بیواؤں اور یتیموں کو بھی۔

اس شہر کے ایک طرف مسلمان رہتے ہیں ان کی مسجد جامع اور خانقاہ اور بازار علیحدہ ہیں اور ایک قاضی اور شیخ الاسلام بھی ہے چین کے ہر ایک شہر میں شیخ الاسلام ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے کل معاملات ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ اور قاضی تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے اوحدالدین سنجاری کے پاس ٹھہرا تھا۔ یہ شخص نہایت دولت مند اور فاضل ہے میں اس کے پاس چودہ دن ٹھہرا۔ قاضی اور مسلمان ہر روز میرے پاس آتے تھے اور دعوت کرتے تھے اور اس دعوت میں قرآن خواں اور راگ گانے والے طلب کیے جاتے تھے اس شہر کے آگے کوئی شہر مسلمان یا کافر کا نہیں ہے اور یاجوج[1] ماجوج کی دیوار وہاں سے ساٹھ دن کے رستہ پر ہے۔

دوسو برس کی عمر کا ایک عجیب وغریب فقیر،

جب میں چین کلاں میں تھا تو میں نے سنا یہاں ایک بوڑھا شخص رہتا ہے جو دوسو برس کا ہے نہ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ قضائے حاجت کو جاتا ہے نہ عورت کے پاس جاتا ہے حالانکہ اس کی طاقتیں برقرار ہیں اور وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتا ہے میں وہاں گیا میں نے دیکھا کہ وہ غار کے دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے وہ دبلا پتلا تھا رنگ نہایت سرخ تھا اور عبادت کے نشان اس کے چہرے سے ظاہر تھے میں نے سلام کیا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سونگھ کر مجھ سے کہا کہ تجھے یاد ہے کہ تجھے ایک جزیرہ میں ایک شخص ملا تھا جو دو بتوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اور جس نے تجھے دس دینار دیئے تھے میں نے کہا

---

[1] دیوار چین

ہاں اس نے کہا میں وہی ہوں میں نے اس کا ہاتھ چوما وہ فوراً غار میں چلا گیا اور پھر نہ نکلا - ہم انتظار کے بعد غار کے اندر گئے تو وہاں بھی نہ ملا - اس کا ایک آدمی ملا اس نے ہمیں بالشت دیے اور کہا کہ یہ تمہاری ضیافت ہے چلے جاؤ ہم نے کہا ہم اس کا انتظار کریں گے - اس نے کہا اگر بیس سال بھی ٹھہرے رہو گے تو اس کو نہ دیکھ سکو گے۔

میں نے جا کر یہ بات قاضی اور شیخ الاسلام اور اوحدالدین سے کہی - انہوں نے کہا مسافروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتا ہے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے اور جس شخص کو تو نے اس کا آدمی سمجھا تھا وہ بھی وہی تھا وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص پچاس برس تک یہاں سے غائب رہا - اب ایک سال سے پھر آگیا - بادشاہ، وزیر اور امیر اس کی زیارت کو آتے ہیں - وہ اگلے زمانہ کی باتیں کرتا ہے اور ہمارے پیغمبر کا بھی ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں اس وقت میں ہوتا تو ان کی مدد کرتا - خلیفہ عمر ابن الخطاب اور خلیفہ علی ابن ابی طالب کی بہت تعریف کرتا ہے لیکن یزید کو برا کہتا ہے اور معاویہ کو بھی اچھا نہیں جانتا ان سب نے اس فقیر کی عجیب عجیب باتیں بیان کیں - اس ملک کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ مسلمان ہے لیکن کسی نے اس کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا - روزہ تو بارہ مہینے رکھتا ہے - دوسرے دن میں واپس زیتون کے شہر کی طرف چلا اور جب تنک میں وہاں پہنچا تو قاآن کا حکم آچکا تھا کہ مجھے دربار میں بھیج دو خواہ خشکی کے رستے خواہ نہر کے رستے میں نے کہا میں نہر کے رستے جاؤں گا میرے واسطے ایک جہاز تیار کیا گیا جو امیروں کی سواری کے قابل تھا - حاکم نے ہمارے ساتھ آدمی کر دیئے اور اس نے اور قاضی نے اور مسلمان سوداگروں نے بہت ساز اور راہ ہمارے ساتھ کر دیا۔

شہر قن چن فو،

دس دن کے سفر کے بعد ہم قن چن فو کے شہر میں پہونچے یہ بہت بڑا شہر ہے ایک وسیع میدان میں واقع ہے اور اس کے چاروں طرف باغات ہیں وہ غوطہ دمشق کے مشابہ ہے جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں کا قاضی اور شیخ الاسلام اور مسلمان سوداگر نوبت اور نقارے اور رنگانے بجانے والے لے کر ہمارے

لہ یعنی خاقان چین سہ دریا

استقبال کو آئے اور گھوڑے بھی لائے ہم سوار ہوگئے ۔ قاضی اور شیخ الاسلام بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے باقی سب آدمی پیادہ تھے ۔ شہر کا حاکم اور اس کے اہل کار بھی ہمارے استقبال کو باہر آئے کیونکہ وہ اپنے بادشاہ کے مہمان کی توقیر و تعظیم بہت کرتے ہیں ۔ ہم شہر میں داخل ہوئے اس کی چار فصیلیں ہیں اول اور دوم فصیل کے درمیان بادشاہ کے غلام اور چوکیدار یعنی پاسبان رہتے ہیں ۔ دوسری اور تیسری فصیل کے درمیان لشکر اور حاکم شہر رہتا ہے ۔ تیسری فصیل کے اندر مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس جگہ ہم شیخ ظہیر الدین قرلانی کے مکان میں ٹھہرے اور چوتھی فصیل کے اندر چینی رہتے ہیں ۔ یہ آبادی سب سے زیادہ ہے ۔ اس شہر کے چار دروازے ہیں ۔ ہر دروازے کے درمیان تین تین میل کا فاصلہ ہے ۔ ہر ایک شخص کا باغ اور گھر اور زمین ایک ہی جگہ ہے ۔

ایک ہم وطن سے چین میں ملاقات

میں ایک دن ظہیر الدین قرلانی کے مکان میں تھا کہ ناگاہ ایک عالی شان فقیہ کا جہاز آیا ۔ اور میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی ۔ اور کہا کہ مولانا قوام الدین سبتی آتے ہیں ۔ مجھے تعجب ہوکر یہ کون شخص ہے ۔ وہ داخل ہوا اور سلام کے بعد ہم بیٹھے تو میرے دل میں گذرا کہ میں اس شخص کو پہچانتا ہوں اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا ۔ اس نے کہا آپ ایسے دیکھ رہے ہیں گویا مجھے پہچانتے ہیں ۔ میں نے کہا آپ کون سے شہر کے ہیں اس نے کہا کہ سبتہ کا میں نے کہا میں طنجہ کا رہنے والا ہوں ۔ اس نے مجھے پھر سلام کیا اور رو پڑا میں نے کہا آپ کبھی ہندوستان گئے تھے کہا ہاں میں دہلی گیا تھا ۔ جب اس نے یہ کہا تو مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا تو بشری ہے اس نے کہا ہاں میں وہ دہلی میں اپنے ماموں ابو قاسم مرسی کے ساتھ آیا تھا اور اس وقت بالکل نوجوان بلا ریش تھا ۔ بہت ذہین طالب علم تھا ۔ موطا از بر یاد تھی ۔ میں نے بادشاہ ہند سے اس کا سلام کرایا تھا ۔ بادشاہ نے اس کو تین سو دینار بھی دیئے تھے اور اس سے کہا تھا کہ دہلی میں ٹھہر جاؤ ۔ لیکن اس نے انکار کیا تھا اور وہ چین کا ارادہ کرتا تھا ۔ چین میں آکر وہ نہایت مالدار اور شاندار ہوگیا ۔ مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس غلام ہیں اور اسی قدر کنیزیں ہیں ۔ اس نے دو غلام اور دو کنیزیں میری نذر کیں اور تحفے بھیجے ۔ پھر میں اس کے بھائی سے سوڈان کے ملک میں ملا ۔ مجھے دونوں بھائیوں کے درمیان اس قدر مسافت سے تعجب ہوا ۔

ین قن جن فو کے شہر میں پندرہ دن ٹھہرا اور وہاں سے چل پڑا ۔ چین کے شہر اگرچہ بہت خوبصورت ہیں لیکن میرا دل نہ لگتا تھا ۔ کفر کا زور تھا اور جب میں گھر سے نکلتا تھا ۔ تو بہت سی مکروہ چیزیں دیکھنی پڑتی تھیں ۔ اس لئے میرا دل گھٹا ہو گیا ۔ اور میں اکثر گھر میں بیٹھا رہا کرتا تھا ۔ اور فقط ضرورت کے لئے باہر جاتا تھا ۔ جب مسلمان نظر آتے تھے تو طبیعت خوش ہوتی تھی ۔ یہ فقیہ میرے ساتھ چار منزل تک گیا۔

شہر خنسا

سترہ دن کے سفر کے بعد خنسا کے شہر میں پہنچے اس شہر کا نام وہی ہے جو عرب کی ایک شاعر عورت کا ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ لفظ عربی ہے یا اتفاق سے ایک ہی لفظ اتفاق سے دونوں زبانوں میں پایا جاتا ہے یہ شہر اس قدر بڑا ہے کہ اس سے بڑا شہر میں نے تمام دنیا میں نہیں دیکھا ۔ اس کی لمبائی تین منزل ہے اور عمارت کا ڈھنگ وہی چین کا ڈھنگ ہے ۔ ہر ایک شخص کے گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہے ۔ اس شہر کے چھ حصے ہیں ۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں کے قاضی فخر الدین اور شیخ الاسلام اور عثمان بن عفان مصری کی اولاد جو یہاں کے مسلمانوں میں سب سے بڑے ہیں ۔ اور جو سفید علم ا نوبت اور نقارہ بھی رکھتے ہیں میرے استقبال کو آئے اور اس شہر کا حاکم اپنے ساز و سامان کے سا باہر آیا ہم شہر میں داخل ہوئے ۔ بیرونی فصیل کے اندر چھ شہر بستے ہیں ۔

ہر ایک شہر کی فصیل علیحدہ علیحدہ ہے پہلے شہر میں چوکیدار اور پاسبان اور ان کا حاکم رہتا ہے قاضی نے اور اور آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ وہ تعداد میں بارہ ہزار ہیں رات کو ہم ان کے حاکم کے اس کے گھر میں رہے ۔ دوسرے دن ہم دوسرے شہر میں گئے اس شہر میں یہودی اور نصاریٰ ترک جو سورج کو پوجتے رہتے ہیں ان کی تعداد بھی بہت بڑی ہے اس شہر کا حاکم چینی ہے ۔ دوس رات ہم اس کے پاس رہے ۔

تیسرے دن ہم تیسرے شہر میں داخل ہوئے اس میں مسلمان رہتے ہیں ۔ ان کے بازار مسلمانوں کے شہروں کی طرح با ترتیب ہیں شہر میں مسجدیں بکثرت ہیں ۔ جب ہم داخل ہوئے تو مو کی اذان دے رہے تھے ۔ ہم عثمان بن عفان مصری کے بیٹوں کے گھر جا کر ٹھہرے ۔ یہ ایک بڑا اس تھا ۔ اس کو یہ شہر اچھا معلوم ہوا ۔ یہیں سکونت اختیار کی اور اسی شہر سے منسوب اور مشہور ہو گ

ان کے بیٹے بھی صاحب مرتبہ ہیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح فقیروں اور مساکین کو بہت کچھ دیتے ہیں۔ ان کی ایک خانقاہ ہے جس کو عثمانیہ کہتے ہیں اس کی عمارت بہت عالیشان ہے اور اوقاف بھی اس کے متعلق بہت سے ہیں اس میں صوفی رہتے ہیں اس عثمان نے اس شہر میں جامع مسجد بھی بنوائی ہے اور اس کے متعلق بھی بہت سے اوقاف کر دیئے تھے یہاں مسلمانوں کی جماعت بہت بڑی ہے اور ہم اس کے پاس پندرہ دن ٹھہرے اور ہر رات اور دن کو ہماری ضیافت علیحدہ علیحدہ شخصوں کے گھر ہوتی تھی۔ اور جو کھانے ایک شخص کھلاتا تھا۔ دوسرا اس سے بہ کھانے تیار کراتا تھا۔ اور ہر روز ہم کو سوار کر کے سیر کراتے تھے۔

ایک روز ہم سیر کرتے ہوئے چوتھے شہر میں گئے۔ وہ دارالحکومت ہے وہاں کا حاکم قرطی اس شہر میں رہتا ہے جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو میرے ہمراہی مجھ سے علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور وزیر مجھے ملا اور وہ مجھے قرطی کے گھر لے گیا اور اس نے وہاں مجھ سے وہ چغہ جو مجھے شیخ جلال الدین تبریزی نے دیا تھا لے لیا اس کا مفصل حال میں بیان کر چکا ہوں اس شہر میں فقط بادشاہ کے غلام اور خادم رہتے ہیں اور چھ شہروں میں سے یہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت ہے اس میں تین نہریں گذرتی ہیں ایک نہر بڑی کی شاخ ہے اور اس میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس شہر میں آتی ہیں اور کھانے کی چیزیں اور جلانے کے پتھر لاتی ہیں۔ سیر کے لئے ان کے علاوہ چھوٹی کشتیاں ہوتی ہیں بادشاہی محل کا چوک شہر کے بیچ میں ہے یہ میدان بہت وسیع ہے۔ حاکم کا گھر اس کے بیچ میں اور چاروں طرف یہ میدان ہے اس میں دالان بنے ہوئے ہیں جن میں کاریگر اچھا اچھا کپڑا اور ہتھیار تیار کرتے ہیں۔

امیر قرطی نے ان کی تعداد سولہ سو تبلائی تھی یہ فقط استادوں کی تعداد تھی ہر ایک استاد کے ساتھ تین تین چار چار شاگرد تھے یہ سب قاآن کے غلام ہیں ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں اور ان کے گھر محل شاہی کے باہر ہیں وہ بازاروں تک جا سکتے ہیں لیکن دروازوں پر نہیں جا سکتے اور اس میں سے سو سو ہر روز امیر کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی غیر حاضر ہوتا ہے تو امیر اس کو طلب کرتا ہے یہ دستور ہے کہ جب کوئی غلام دس سال تک خدمت کر سکتا ہے تو اس کی بیڑی دور کر دی جاتی ہے پھر اس کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ وہ بلا قید کام کرتا ہے

خواہ جس جگہ چاہے قاآن کی عملداری میں جا رہے مگر عملداری سے نہیں جا سکتا - پچاس برس کی عمر کے بعد کام سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کا گذارہ مقرر ہو جاتا ہے اسی طرح سے ہر شخص کا گذارہ مقرر ہو جاتا ہے خواہ وہ غلام ہو یا نہ ہو اور جو آدمی ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کو بچہ سمجھتے ہیں اور اس پر کوئی حکم جاری نہیں ہوتا -

بوڑھوں کی تعظیم چین میں بدرجہ غایت کی جاتی ہے اور اس کو آطا یعنی باپ کہتے ہیں - امیر قرطی چین میں امیر الامرا ہے اس نے اپنے گھر میں ہماری ضیافت کی - ضیافت کردہ لوگ طری کہتے ہیں اس میں شہر کے سب بڑے بڑے آدمی آئے - مسلمان باورچی بلائے گئے انہوں نے ذبح کرکے گوشت پکایا یہ امیر کبیر اپنے ہاتھ سے ہم کو کھانا کھلاتا تھا اور گوشت کے ٹکڑے کرکے دیتا جاتا تھا اس نے تین دن تک ہماری مہمانی کی اور اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ دریا تک بھیجا ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے اور امیر کا بیٹا دوسری میں - امیر کے بیٹے کے ساتھ اہل طرب اور گانے بجانے والے بھی تھے وہ چینی اور فارسی اور عربی زبان میں گاتے تھے - امیر کا بیٹا فارسی راگ کو پسند کرتا تھا جب گانے والے فارسی گیت گاتے تھے تو امیر کا بیٹا فرمائش کرتا تھا کہ پھر گاؤ - فارسی اشعار جو وہ گاتے تھے میں نے یاد کر لئے ہیں اس کا اثر بہت دلآویز تھا -

نہر کی اس شاخ میں بہت سی کشتیاں تھیں ان کے مستول رنگے ہوئے تھے اور بادبان ریشم کے تھے اور کشتیوں پر طرح طرح کے نقش تھے اہل کشتی ایک دوسرے پر لیموں اور نارنج پھینکتے تھے شام کو ہم امیر کے گھر میں واپس آئے اور رات کو وہاں آرام کیا - اہل طرب بلائے گئے انھوں نے عجیب عجیب راگ گائے -

شہر پیکن میں داخلہ

عظیم شہر، حیرت انگیز انتظامات قصر شاہی

خاقان چین کی یگانہ اور اثر انگیز شخصیت

صبح ہم پانچویں شہر میں گئے یہ سب سے بڑا شہر تھا اس میں عوام رہتے تھے اس کے بازار بہت عمدہ تھے اور ہر قسم کے صناع یہاں رہتے تھے اس شہر میں خصاوی کپڑا تیار کرتے ہیں اور طباق بھی عجیب بناتے ہیں جن کو طشت کہتے ہیں۔

چین میں بانس کے عجیب و غریب مصنوعات

یہ طشت بانس کے بناتے جاتے ہیں نہایت کاریگری سے بانس کے ٹکڑے جوڑے جاتے ہیں اور سرخ چمکنے والے گوند کا روغن اس پر چڑھاتے ہیں دس طباق ایک دوسرے میں رکھے ہوتے ہیں اس قدر پتلے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کو ایک طباق نظر آتا ہے اور اس پر ایک ڈھکنا ہوتا ہے جو سب کو ڈھک لیتا ہے۔ بانس کی رکابیاں بھی بناتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اوپر سے ان رکابیوں کو پھینک دو تو ٹوٹتی نہیں اور اگر گرم کھانے ان میں ڈال دو تو وہ اینٹھتی ہیں نہ ان کا رنگ بدلتا ہے یہ رکابیاں وہاں سے ہندوستان اور خراساں اور دیگر ممالک میں لے جاتے ہیں۔

جب ہم اس شہر میں پہنچے تو امیر کی طرف سے ہماری مہمانی ہوئی۔ دوسرے روز ہم ایک دروازہ میں داخل ہوئے جس کو کشتی بانوں کا دروازہ کہتے ہیں یہ چھٹے شہر کا دروازہ ہے اور اس میں ملاح

اور ماہی گیر اور جولاہے اور نجار اور سپاہی تیر انداز اور پیادے رہتے ہیں یہ سب مرد ہیں اور سب بادشاہ کے غلام ہیں ان کے سوا اس شہر میں کوئی اور شخص نہیں رہتا ان کی تعداد بھی بہت ہے یہ شہر بڑی نہر کے کنارے پر ہے وہاں بھی ہم رات کو رہے اور امیر کی طرف سے ہماری مہمانی ہوئی امیر قُرطی نے ہمارے لیے ایک جہاز تیار کرایا اور زاد راہ اور دیگر ضروری اشیا سب اس میں رکھی گئیں اور امیر کے نوکر ہماری مہمانی کے لیے اس میں موجود تھے اس شہر سے جلد ہم نے کوچ کیا یہ چین کا سب سے آخر شہر ہے۔

اس کے بعد ہم شہر خان بالق میں پہنچے اس شہر کو خانقو بھی کہتے ہیں یہ شہر قاآن کا دارالحکومت ہے اور قاآن چین اور خطا کا بادشاہ ہے۔ جب شہر سے دس میل ورے ہم لنگر ڈال کر کھڑے ہوگئے امیرالبحر کو ہماری بابت لکھا گیا جب وہاں سے اجازت آگئی تو ہم بندر میں داخل ہوئے اور شہر میں اترے یہ شہر بھی دنیا کے بڑے شہروں میں سے ہے اور چین کے شہروں کی طرح اس کی ترتیب نہیں ہے یعنی باغ اور کھیت شہر کے اندر نہیں ہیں بلکہ ہمارے شہروں کی طرح باغ باہر ہیں اور بادشاہ کا محل بیچ میں ہے۔

میں شیخ برہان الدین صاغرجی کے پاس ٹھہرا یہ وہی شخص ہیں جن کے پاس بادشاہ ہندوستان نے چالیس ہزار دینار بھیجے تھے اور ان سے ہندوستان آنے کی درخواست کی تھی اور شیخ نے ہندوستان جانے سے انکار کر دیا تھا لیکن نذر قبول کر کے اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیا تھا اور پھر چین چلے آئے تھے یہاں قاآن نے ان کو تمام مسلمانوں کا شیخ بنا کر صدر جہاں کا خطاب دیا تھا۔ قاآن اس ملک میں بادشاہ کا خطاب ہے جیسا کہ لورستان کے بادشاہ کو آتابک کہتے ہیں اور قاآن کا نام پاشائی تھا اور کافروں میں کسی بادشاہ کا اتنا ملک وسیع نہیں ہے جس قدر اس بادشاہ کا ہے اس کا محل شہر کے وسط میں ہے۔ اکثر مکانات رنگے ہوئے اور نقش آمیز لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی ترتیب عجیب ہے۔

اس محل میں سات دروازوں کے بعد داخل ہوتے ہیں پہلے دروازے پر کوتوال بیٹھا رہتا ہے وہ دربانوں کا افسر ہے اور دروازہ کے دونوں طرف داہنے اور بائیں چبوترے ہیں جن پر پردہ دار بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ محل کے دروازہ کے نگہبان ہیں وہ گنتی میں پانسو ہیں کہتے ہیں کہ پہلے ایک

ہزار تھے۔ دوسرے دروازہ پر سپاہی تیر انداز بیٹھے رہتے ہیں ان کی تعداد بھی پانسو ہے۔ تیسرے دروازہ پر نیزہ دار وہ بھی پانسو ہیں۔ چوتھے دروازہ پر تیغدار جن کے پاس تلوار اور ڈھالیں ہوتی ہیں پانچویں دروازہ پر وزیر کا محکمہ اس میں بہت سے دالان اور کمرہ ہیں سب سے بڑے کمرہ میں ایک اونچی شہ نشین پر وزیر بیٹھا رہتا ہے اس کو سقد کہتے ہیں وزیر کے سامنے ایک بڑی دوات سونے کی بنی ہوئی رکھی رہتی ہے اس کے سامنے کاتب السر یعنی پرائیویٹ سکرٹری کا کمرہ ہے اور اُس کے دائیں ہاتھ کی طرف ایلچیوں کے محکمہ کے متصدیوں کا کمرہ ہے اور وزیر کے کمرہ کے دائیں ہاتھ کی طرف محکمہ متفرقہ کے متصدی بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کمروں کے مقابل چار اور کمرے ہیں ایک کو دیوان الاشراف کہتے ہیں جس میں مشرف یعنی کنٹرولر جنرل بیٹھتا ہے اور دوسرے میں دیوان البقایا جو امیروں اور عاملوں سے ان کے علاقوں اور جاگیروں کی بقایا وصول کرتا رہتا ہے اور تیسرے کمرہ میں دیوان استغاثہ وہاں ایک بڑا امیر فقیہوں اور منشیوں کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے وہاں ظلم رسیدہ لوگ انصاف جوئی کے لیے آتے ہیں اور چوتھے کمرہ میں ڈاک کا دیوان اس میں مخبروں کا افسر بیٹھا رہتا ہے اور چھٹے دروازہ پر پولیس والے اور ان کا افسر رہتا ہے اور ساتویں دروازہ پر غلام بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں بھی تین کمرہ ہیں ایک حبشی غلام دوسرے میں ہندی ہیں غلام اور تیسرے میں چینی غلام بیٹھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک گروہ کا افسر چینی ہوتا ہے۔

خاقان چین کی دلچسپ اور عجیب شخصیت

جب ہم خان بالق میں پہنچے تھے تو قاآن وہاں نہ تھا اور اپنے چچازاد بھائی فیروز کے مقابلہ کے لیے گیا تھا جس نے قراقرم اور بشں بالغ میں جو خطا کا ایک علاقہ ہے اور دارالحکومت سے تین مہینے کے فاصلہ پر۔ ہے بغاوت کر دی تھی۔

صدر جہاں برہان الدین صاغرجی نے مجھ سے کہا کہ جب قاآن نے اپنی فوج جمع کی تو سو لشکر جمع ہوئے ایک ایک لشکر میں دس دس ہزار سوار تھے ہر ایک لشکر کے سردار کو امیر طومان کہتے ہیں۔ بادشاہ کا خاص لشکر اور نوکر اس کے علاوہ تھے وہ بھی تعداد میں پچاس ہزار تھے اور پیدل بھی پانچ لاکھ تھے۔ جب قاآن باہر نکلا تو اکثر امیر اس سے برگشتہ ہو گئے۔ کیونکہ اس

لیے چنگیز خاں کے تورہ یعنی قانون میں بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں۔ یہ چنگیز خاں وہی تھا جس نے اسلام کے ملکوں کو تہ و بالا کر دیا تھا وہ اس کے چچا زاد بھائی سے جا ملے اور قاآن کو لکھا کر وہ سلطنت سے علیحدہ ہو جاوے اور شہر خطا کو اپنی جاگیر میں منظور کرے۔ قاآن نے یہ منظور نہ کیا اور اس نے لڑ کر شکست کھائی اور مارا گیا۔

جب ہم دارالحکومت پہنچے تو یہ خبر وہاں پہنچی اور شہر آراستہ کیا گیا اور نوبت نقارے بجائے گئے اور ایک مہینے تک ناچ رنگ ہوتے رہے اس کے بعد قاآن مقتول اور اس کے خواص اور بھائیوں اور رشتہ داروں کی نعشیں جو سو کے قریب تھیں وہاں لائے اور زمین کے اندر ایک بڑا مکان کھودا گیا اور اس میں نفیس نفیس فرش بچھائے گئے اور اس کے اندر قاآن کو اس کے ہتھیاروں سمیت رکھا گیا اور اس کے چاندی سونے کے برتن اور چار لونڈیاں اور چھ غلام بھی جن کے ساتھ پانی پینے کے برتن تھے اسی قبر میں رکھے اور اوپر ایک دروازہ بنا کر اس کو مٹی سے بند کر دیا اور ایک اونچا ٹیلہ اس کے اوپر بنا دیا۔ پھر چار گھوڑے لائے اور اس کی قبر پر ان کو یہاں تک دوڑایا کہ وہ تھک کر کھڑے ہو گئے اس کے بعد قبر پر ایک لکڑی گاڑ دی اور ہر ایک گھوڑے کے پس پشت میں سے لکڑی دے کر اس کے منہ سے نکال کر گھوڑوں کو اس بڑی لکڑی پر آویزاں کر دیا اسی طرح سے قاآن کے قریبی رشتہ داروں کے لیے بھی ایسی ہی قبریں تیار کیں۔ اور ان کے ساتھ ان کے ہتیار اور ظروف رکھ کر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر تین تین گھوڑے لٹکا دیے۔ یہ رشتہ دار تعداد میں دس تھے اور باقیوں کی قبروں پر ایک ایک گھوڑا لٹکا دیا اس روز شہر کے تمام مرد اور عورتیں مسلمان اور کافر ماتمی لباس پہنے ہوئے وہاں موجود تھے کافر سفید چادریں اور مسلمان سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے قاآن کی بیگمیں اور خواص چالیس دن تک اپنے خیموں میں قبر رہیں اور بعضی برس دن تک وہیں رہیں اور وہاں ایک بازار لگ گیا کہ جو چیز ان کو درکار ہوتی تھی وہاں فروخت ہوتی تھی۔

یہ رسومات اس زمانہ میں کسی اور ملک میں رائج نہیں ہیں۔ ہندو اور چینی اپنے مردوں کو جلاتے ہیں اور باقی کل قومیں اپنے مردوں کو دفن کرتی ہیں لیکن کسی اور کو اُن کے ساتھ دفن

نہیں کرتے -

جب قاآن مارا گیا اور اس کا چچازاد بھائی فیروز بادشاہ ہوا تو اس نے اپنا دارالحکومت قراقرم مقرر کیا کیونکہ وہ اس کے چچاؤں بادشاہان ماوراء النہر اور ترکستان کے ملکوں سے قریب تھا پھر اس کے ساتھ ان امیروں نے جو قاآن کے ہمدرد تھے بغاوت کی اور رہزنی شروع کر دی اور ملک میں فساد پھیل گیا۔ شیخ برہان الدین وغیرہ نے مجھ سے کہا تم چین کی طرف واپس چلے جاؤ، ورنہ پھر فساد زیادہ ہو جائے گا اور واپس جانا مشکل ہوگا وہ مجھے بادشاہ فیروز کے پاس لے گئے اس نے تیس[۳۰] آدمی میرے ہمراہ کر دیے اور میری مہمانی کرنے کے لیے ان کو حکم لکھ دیا - ہم جلدی جلدی خطا کی طرف واپس آئے وہاں سے خنسا اور خنسا سے قن جن فو اور قن جن فو سے زیتون پہنچے - ❊

چین سے جاوا پھر کالی کٹ

سلطان جاوا کے ولی عہد کی شادی میں شرکت

جہاز ہندوستان کے سفر کے لیے تیار تھے اور اُن میں سے ایک جہاز ملک ظاہر بادشاہ جاوا کا تھا۔ اہل جہاز مسلمان تھے جہاز والوں نے مجھے پہچان لیا اور مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے دس دن تک موافق ہوا چلتی رہی۔ جب ہم ملک طوالسی کے قریب پہنچے تو ہوا مخالف ہو گئی اور اندھیرا ہو گیا اور بارش شروع ہوئی دس دن تک سورج دکھائی نہ دیا۔ پھر ہم ایسے سمندر میں داخل ہوئے کہ اسے پہلے نہ دیکھا تھا اہل جہاز ڈر گئے اور چین کی طرف لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ وہ بھی نہ ہو سکا اور تینتالیس دن تک سمندر میں ٹھیرے رہے۔

جاوا میں ایک مرتبہ پھر واپس

دو مہینے بعد ہم جاوا میں پہنچے اور سماٹرا میں جا اترے وہاں کا بادشاہ ملک ظاہر جہاد کر کے واپس آیا تھا اور بہت سی لوٹ لایا تھا میرے پاس دو لونڈیاں اور دو غلام بھیجے اور میں اس کے بیٹے کے نکاح میں شامل ہوا جو اُس کے بھائی کی بیٹی کے ساتھ تجویز ہوا تھا۔ محل کے چوک میں ایک بڑا ممبر کھڑا کیا اور ریشم کے کپڑے سے اُس کو ڈھانپ دیا۔ دلہن کو محل میں سے لے آئے پیدل تھی اور منہ کھلا ہوا تھا اور اس کے ساتھ چالیس بیگمیں جو بادشاہ اور امیروں کی بیویاں تھیں اُس کے پلّے پکڑے اور دامن اٹھائے ہوئے چلی آتی تھیں اُن سب کے منہ کھلے ہوئے تھے اُن کو ہر ایک شریف اور ذلیل دیکھ سکتا تھا اور وہاں عورتیں

فقط شادی کے دن منہ کھولتی ہیں ورنہ پردہ کرتی ہیں۔ دلہن ممبر پر چڑھ کر بیٹھ گئی اُس کے سامنے اہل طرب مرد اور عورت گاتے تھے اور ناچتے تھے پھر دولہا ہاتھی پر آیا ہاتھی آراستہ پیراستہ تھا اُس کی پشت پر ایک تخت تھا اور دولہا کے سر پر ایک گول سا چھتر تھا جو دلہن کے تاج کے شایہ تھا دولہا کے داہنے اور بائیں ہاتھ پر تنلو امیرزادے اور بادشاہ تھے جن کی پوشاک سفید تھی سروں پر جڑاؤ کلاہیں تھیں اور سجائے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے یہ سب دولہا کے ہم عمر تھے اُن میں سے کسی کے ڈاڑھی نہ تھی۔

جب دولہا داخل ہوا تو لوگوں پر درہم اور دینار نچھاور کیے گئے بادشاہ ایک جگہ بیٹھا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا اُس کا بیٹا اترا اور بادشاہ کے پاؤں چوم کر منبر پر جا بیٹھا دُلھن اُس کو دیکھ کر اٹھی اور اُس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور اُس کے برابر بیٹھ گئی۔ اور بیگمیں پنکھا جھل رہی تھیں پھر پان سپاری لاتے دولہا نے اپنے ہاتھ میں پان لے کر دلھن کے منہ میں رکھ دیا پھر اُس نے ایک پان کا بیڑا لے کر اُس کے منہ میں رکھ دیا پھر اُس نے بھی ایسا ہی کیا یہ سب علی الاعلان کیا جاتا تھا پھر دلہن پر پردہ ڈالا گیا اور منبر اٹھایا گیا، وہ دونوں اُسی پر بیٹھے رہے منبر کو محل میں لے گئے لوگوں نے کھانا کھایا اور چلے گئے۔

دوسرے دن آدمی جمع ہو گئے بادشاہ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا اور لوگوں سے اُس کی بیعت لی اور ان کو کپڑے اور سونا وغیرہ عطا کیے گئے میں اس جزیرہ میں دو مہینے ٹھیرا بادشاہ نے مجھے بہت سا عود اور کافور اور لونگ اور صندل دیے اور میں جہاز میں سوار ہو کر چالیس دن کے بعد کولم میں پہنچا اور قاضی قزوینی کے مکان کے قریب ٹھیرا رمضان کا مہینہ تھا میں نے عید کا دوگانہ بھی وہاں کی مسجد میں پڑھا وہ لوگ مسجد میں رات سے آ بیٹھتے ہیں صبح تک ذکر کرتے ہیں اور پھر صبح سے لے کر نماز کے وقت تک ذکر کرتے رہتے ہیں پھر نماز پڑھ کر اور خطبہ سنکر چلے جاتے ہیں کولم سے میں کالی کٹ میں آیا کچھ دنوں وہاں رہا میں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا لیکن خوف آیا اور نہ گیا۔[1]

---

[1] گرچہ تاتل میں جاتے وقت خوف آنا بھی چاہیے تھا

سفر کی نئی منزل

○

عرب ، ایران ، شام

مسقط اور دوسرے مقامات کی سیر

اڑتالیس دن کے بعد ظفار کے ملک میں پہنچا۔ محرم ۷۴۸ھ کی دسویں تاریخ تھی۔ وہاں کے خطیب عیسیٰ طاطا کے گھر ٹھیرا۔ ان دنوں وہاں کا بادشاہ ملک ناصر تھا جو ملک مغیث کا بیٹا تھا۔ جب میں پہلی دفعہ یہاں آیا تھا تب وہ یہاں کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ کا نائب سیف الدین عمر امیر جُندر ترکی تھا بادشاہ نے مجھے ٹھیرایا اور میری بہت خاطر تواضع کی۔ وہاں سے سمندر کے راستے سے مسقط گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے پھر ہم قریات گئے وہاں سے مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے رحبہ کے شہر میں پہنچے، یہ شہر مالک بن طوق کی طرف منسوب ہے اور رحبہ کا شہر عراق کے بہت عمدہ شہروں میں سے ہے یہ شام کا سب سے پہلا شہر ہے وہاں سے میں سخنہ پہنچا جو خوب صورت شہر ہے یہاں کے اکثر باشندے نصاریٰ ہیں یہاں گرم پانی نکلتا ہے اس لیے اس شہر کا نام سخنہ پڑ گیا عورتوں اور مردوں کے جدا جدا حمام غسل کے لیے بنے ہوئے ہیں رات کو پانی کھینچ لیتے ہیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے چھتوں پر رکھ دیتے ہیں یہاں سے ہم تدمر پہنچے یہ شہر جنوں نے حضرت سلیمان کے لیے بسایا تھا جیسا کہ نابغہ شاعر کہتا ہے یبنون تدمر بالصفاح والعمد (ترجمہ) تدمر کو سلوں اور ستونوں سے بناتے ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دمشق میں

پھر دمشق آئے اب بیئں برس کے بعد وہاں واپس آیا وہاں میں نے اپنی ایک بیوی کو چھوڑا تھا اس وقت وہ حاملہ تھی اور جب میں ہندوستان میں تھا تو میں نے سنا تھا کہ میرے ایک بیٹا پیدا ہوا ہے میں نے اُس کے نانا کے پاس ہندوستان سے چالیس دینار طلائی بھیجے تھے وہ شہر مکناسہ ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ جب میں دمشق میں پہنچا تو مجھے یہ فکر تھی کہ کسی سے اپنے بیٹے کا حال دریافت کروں میں مسجد میں داخل ہوا اور شیخ نورالدین سخاوی امام مالکیہ سے ملنے کا اتفاق ہوا میں نے ان کو سلام کیا انھوں نے مجھے نہ پہچانا میں نے پتہ تبلایا اور اپنے بیٹے کا حال دریافت کیا انھوں نے کہا وہ لڑکا بارہ سال ہوئے مرگیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ تمھارے شہر طنجہ کا ایک فقیہ مدرسہ ظاہریہ میں رہتا ہے میں اُس کے پاس گیا تھا تاکہ اپنے والد اور خاندان کا حال دریافت کروں میں اُس کے پاس گیا تو وہ بہت بڈھا آدمی تھا میں نے اس کو سلام کیا اور اپنے خاندان کا پتہ تبلایا تو اس نے کہا کہ تیرا والد پندرہ سال ہوئے مرگیا ہے اور تیری والدہ زندہ ہے۔

وہ برس میں نے دمشق میں پورا کیا اسوقت وہاں قحط پڑا ہوا تھا اور سات اوقیہ روٹی کی قیمت ایک درہم تھی ان دنوں مالکیوں کا قاضی وہاں جمال الدین مسلاتی تھا یہ شیخ علاءالدین قونوی کے مریدوں میں سے تھے۔ شافعیوں کے قاضی القضاۃ تقی الدین ابن السبکی تھے۔ ان دنوں دمشق کا حاکم ارغون شاہ تھا۔

دیارِ عرب کی سیر

دمشق سے روانہ ہوکر میں حمص کی جانب گیا پھر حماۃ کی طرف گیا پھر معرہ کی طرف اور پھر حلب پہنچا۔ شروع ماہ ربیع الاول ۷۴۹ھ میں ہمیں حلب میں خبر پہنچی کہ غزہ میں وبائے طاعون شروع ہو گئی ہے اور ہر روز ایک ہزار سے زیادہ آدمی وہاں مرتے ہیں۔ میں حمص چلا گیا اور وہاں جاکر دیکھا تو وبا کا بہت زور تھا جس روز میں وہاں پہنچا تین سو آدمی مرے تھے وہاں سے میں دمشق کو چلا گیا اور جمعرات کے دن وہاں پہنچا وہاں کے باشندوں نے تین روزے رکھے تھے اور جمعہ کے دن مسجد الاقدام میں سب لوگ جمع ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہاں وبا کو ہلکا کر دیا۔ وہاں ایک ایک دن میں دو ہزار چوبیس آدمی مرنے لگ گئے تھے پھر میں عجلون کی طرف گیا پھر بیت المقدس گیا وہاں سے وبا دفع ہوگئی تھی پھر قدس سے چل پڑا محدث شرف الدین سلیمان ملیانی اور مالکیوں کے شیخ صوفی طلحہ العبدالوادی میرے ساتھ تھے خلیل کے شہر میں پہنچے ہم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور دیگر پیغمبروں کی قبروں کی زیارت کی پھر ہم غزہ میں پہنچے یہ شہر وبا کے سبب سے خالی ہوگیا تھا۔

پھر میں خشکی کی راہ سے چلا اور دمیاط پہنچا وہاں سے نحرادیہ وہاں سے انبار وہاں سے دمنہور ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا، پھر میں قاہرہ پہنچا۔ مصر کے ملک میں اُن دنوں ملک ناصر حسن بن ملک ناصر محمد بن ملک منصور قلادون بادشاہ تھا اُس کے بعد اُس کو معزول کر دیا گیا اور اس کا بھائی ملک صالح بادشاہ ہوا۔ جب میں قاہرہ میں پہنچا، قاہرہ سے چل کر میں صعید کے شہروں میں ہوتا ہو عیذاب میں پہنچا وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر جدہ گیا اور وہاں سے مکہ شعبان ۷۴۹ھ میں پہنچا اور وہاں مالکیوں کے شیخ فاضل ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خلیل کے قریب جاکر ٹھیرا۔ ماہ رمضان کے روزے میں نے مکہ میں رکھے اور ہر روز شافعی مذہب کے مطابق عمرہ کیا کرتا تھا اور وہاں کے بزرگوں میں سے شیخ شہاب الدین حنفی اور شہاب الدین طبری اور ابو محمد یافعی اور نجم الدین اصفونی اور حرازی سے واقف تھا اُن سے مِلا اُس سال حج کر کے شامی قافلہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف گیا اور آنحضرت کی قبر مبارک کی زیارت کی اور مسجد نبوی میں نماز پڑھی اور بقیع میں اصحاب پیغمبر کی زیارت کی اور شیخ ابو محمد بن فرحون سے بھی ملا وہاں سے ہم علا اور تبوک کو گئے وہاں سے بیت المقدس کو وہاں سے خلیل کو وہاں سے غزہ وہاں سے منازل الرمل کو ان سب کا بیان میں پہلے کر چکا ہوں وہاں سے قاہرہ آیا۔

خاکِ وطن کی طرف

تیونس میں داخلہ

قاہرہ میں آکر میں نے مولانا امیر المومنین ابو عنان کے علم وفضل والصاف کا شہرہ سنا اور مجھ اُس کی درگاہ کی قدم بوسی کا شوق ہوا اور وطن کی یاد نے بھی دل میں چٹکی لی ۔

بلاد بها نیطت علیّ تمائمی — وہ ملک جہاں میرے گلے میں تعویذ ڈالے گئے ۔

واول ارض مس جلدی ترابها — سب سے پہلے زمین جس کی مٹی میرے بدن پر لگی

میں ایک تونسی کی قرقواہ (چھوٹی کشتی) میں سوار ہوا صفر کا مہینہ تھا اور ۵۰ ۷ھ تھا میں اُس کشتی سے جربہ میں اتر لیا اور وہ کشتی تونس کو چلی گئی ۔ دشمن نے اُس کو پکڑ لیا ۔ وہاں سے میں ایک چھوٹی سی کشتی میں قالبس پہنچا اور وہاں ابی مردان اور ابو عباس کا مہمان رہا پھر ایک جہاز میں بیٹھ کر سفاقس میں پہنچا اور پھر دریا کے رستہ بلیانہ میں گیا اور وہاں سے خشکی کے رستہ عربوں کے قافلہ کے ساتھ بہت سی تکالیف برداشت کرکے شہر تونس میں پہنچا ۔

اس وقت اس شہر کا محاصرہ عربوں نے کیا ہوا تھا ۔ تونس کے والی اُن دنوں میں امیر المسلمین ابوالحسن بن مولانا ابو یوسف بن عبد الحق تھے ۔ جب میں تونس پہنچا تو حاجی ابوالحسن تاملیسی کی زیارت کو گیا اُن کے ساتھ میری قرابت اور ہموطنی کا رشتہ بھی تھا انھوں نے مجھے اپنے مکان پر مہمان رکھا وہ مجھے محل شاہی میں لے گئے میں نے مولانا ابوالحسن والی تونس کی دست بوسی کا فخر حاصل کیا ، انھوں نے مجھے بیٹھنے کی اجازت دے دی اور میں بیٹھ گیا اور مجھ سے سلطان مصر اور حجاز کے حالات دریافت کیے میں نے کل

حال بتلا دیا پھر میں واپس چلا آیا عصر کے بعد مجھے مولانا نے پھر بلایا۔ وہ ایک برج میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے لڑائی کی جگہ نظر آتی تھی شیخ ابو عمر عثمان بن عبدالواحد تنالفتی اور ابو حسون زیان بن امریون علوی اور ابو زکریا یحییٰ بن سلیمان عسکری اور حاجی ابوالحسن نائیبی بھی اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ سے ہندوستان کا حال پوچھا اور میں نے کل حال بتایا۔ میں تونس میں چھتیس دن ٹھیرا برابر مولانا ابوالحسن کی خدمت میں جاتا رہا۔ تونس میں میں نے خاتمۃ العلما ابو عبداللہ ابلی سے ملاقات کی وہ بیمار تھے لیکن مجھ سے میرے سفر کا حال پوچھتے رہے۔ •

سردانیہ اور تلمستان میں ورود

مطلانہ کے لوگوں کے ساتھ میں جہاز میں شہر دانیہ کے جزیرہ میں گیا جو بحیرہ روم میں ایک جزیرہ ہے اور اس کا بندرگاہ بہت بڑا ہے بڑے بڑے لکڑ اس کے گرد جمع کیے ہوتے ہیں اور فقط ایک دروازہ آنے جانے کے لیے رکھا ہوا تھا اور اندر قلعے بنے ہوئے ہیں ایک میں میں بھی گیا بازار عمدہ ہیں میں نے منت مانی کہ اگر یہاں سے خلاصی ہوگئی تو میں دو مہینے برابر رکھوں گا کیونکہ ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندوں کا ارادہ ہے کہ جب ہم اُن کے بندرگاہ سے چل پڑیں تو ہمیں قید کر لیں ہم وہاں سے چلے اور دس دن کے بعد شہر تنس میں پہنچے وہاں سے مازونہ گئے وہاں سے متغانم وہاں سے تلمستان میں عابدوں کی زیارت کو گیا اور شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور اس سے نفع حاصل کیا پھر مدرومہ کے رستہ ہوتا ہوا اخندقان پہنچا وہاں شیخ ابراہیم کی خانقاہ میں ٹھیرا پھر وہاں سے چل کر جب ہم ازغنغان پہنچے پھر میں شہر تازی میں گیا۔ •

شہر فاس

سلطان ابوعنان کی زیارت

پھر شہر تازی سے چل کر میں جمعہ کے دن شعبان ۷۵۰ھ کے اخیر میں دارالخلافہ فاس میں پہنچا۔ اور مولانا اعظم امیرالمومنین ابوعنان کی دست بوسی کا فخر حاصل کیا۔ خدا کی عنایت سے اس بادشاہ میں تمام اوصاف مجتمع ہیں سلطان عراق سے زیادہ اُس میں ہیبت بادشاہ ہند سے زیادہ اُس میں حسن اور بادشاہ سے زیادہ اُس میں خوش خلقی اور بادشاہ ترک سے زیادہ اُس میں بہادری اور شاہ روم سے زیادہ اس میں حلم اور بادشاہ ترکستان سے زیادہ اُس میں دینداری اور بادشاہ جاوا سے زیادہ اس میں علم ہے اُس کا وزیر عالم فاضل ابوزیان بن وودار تھا۔ اُس نے مجھ سے مصر کا حال پوچھا وہ مصر میں رہ آیا تھا اُس نے مجھے امیرالمومنین کے احسانوں کے بوجھ میں دبا دیا میں نے امیرالمومنین کے ملک میں رہنا اختیار کیا جبکہ میں نے انصافاً معلوم کر لیا کہ اس ملک سے عمدہ اور کوئی ملک دنیا کے پردہ پر نہیں ہے میوہ جات اس ملک میں بکثرت ہیں اور کھانے پینے کی چیزیں میسر آتی ہیں کسی ملک میں یہ کل اوصاف نہیں پائے جاتے کسی نے خوب ہی کہا ہے ؎

الغرب حسین ارض	مغرب سب سے اچھا ملک ہے
ولی دلیل علیہ	اس دعویٰ پر میرے پاس دلیل ہے
البدر یرقب منہ	چاند وہاں سے نکلتا ہے
والشمس تسعی علیہ	اور سورج وہاں دوڑتا ہوا جاتا ہے

مغرب میں ارزانی سب سے زیادہ ہوتی ہے وہاں خیرات بھی بہت ہوتی ہے اور زرخیزی اور فواید میں بھی اور ملکوں سے بڑھ کر ہے۔ سب سے زیادہ سبقت مغرب کو مشرق پر اس لیے ہے کہ وہاں مولانا ابوالعنان کے انصاف سے ہرطرف امن ہے اور انصاف کے چشمے جاری ہیں اور مفسدوں کا نام اس ملک میں باقی نہیں رہا۔ جو کچھ میں نے امیرالمومنین کے انصاف اور حکم اور شجاعت کے متعلق دیکھا ہے یا سُنا ہے میں بیان کرتا ہوں۔

امیرالمومنین کا عدل چاردانگ عالم میں مشہور ہے اُس کی تفصیل ظاہر کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ امیرالمومنین مظلوموں کی شکایت سننے کے لیے خود اجلاس کرتے ہیں اور جمعہ کا دن اُس کے لیے مخصوص ہے اُس دن پہلے تو عورتوں کی شکایات سنی جاتی ہیں کیونکہ وہ زیادہ کمزور ہوتی ہیں اور اُن کے بعد مردوں کی۔ نماز جمعہ کے بعد پہلے عورتوں کی عرضیاں پڑھی جاتی ہیں اور نوبت نوبت اُن کو آواز دی جاتی ہے۔ ہر عورت امیرالمومنین کے سامنے کھڑی ہو کر خود اپنا قصہ بیان کرتی ہے اگر ظلم رسیدہ ہوتی ہے تو اُس کا انصاف فوراً کیا جاتا ہے کچھ حاجت ہوتی ہے وہ پوری کی جاتی ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مردوں کی عرضیاں پیش ہوتی ہیں اور اسی طرح اُن کے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ قاضی اور فقیہ موجود ہوتے ہیں اگر کوئی شرعی مسلہ دریافت کرنا پڑتا ہے تو فوراً اُن سے پوچھ لیا جاتا ہے۔ اس قسم کی کارروائی میں نے کسی ملک میں نہیں دیکھی۔ ہندوستان میں بادشاہ نے عرضیاں لینے کے واسطے امیر مقرر کیے ہیں وہ اس کا خلاصہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں اور سائل بادشاہ کے روبرو نہیں بلائے جاتے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امیرالمومنین کا حکم بھی عجیب ہے۔ اس نے بہت سے ایسے اشخاص کو معافی دیدی جنہوں نے مقابلہ کیا یا مخالفت کی۔ بڑے بڑے مجرموں کو معاف نہیں کیا جاتا لیکن جس نے توبہ کرلی، اور امیرالمومنین کو یقین ہوگیا کہ وہ عافین عن الناس کے منشا کو بخوبی سمجھتا ہے تو اس کو معاف کردیتا ہے۔ ابن جزی اس سفرنامہ کا ترتیب کرنے والا کہتا ہے کہ مجھے امیرالمومنین کی خدمت میں آئے ہوئے چار سال ہوئے یعنی ۷۵۳ھ سے ۷۵۶ھ تک میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ عوا قصاص یا حد

شری کے قتل کیا گیا ہو اور یہ بات اس قدر وسیع سلطنت میں جس میں مختلف گروہ رہتے ہیں نہایت عجیب ہے اور میں نے یہ بات کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں نہ سُنی اور نہ دیکھی امیرالمومنین کی شجاعت کا یہ حال ہے کہ اکثر نازک موقعوں پر اُس نے ثابت قدمی اور جرأت ظاہر کی ہے۔ ابن جزی اس سفرنامہ کا ترتیب کرنے والا کہتا ہے کہ اگلے زمانہ کے بادشاہ شیروں کے مارنے پر بہت فخر کیا کرتے تھے لیکن امیرالمومنین کے نزدیک شیروں کا مارنا اُس سے زیادہ آسان ہے جتنا شیر کے لیے بکری کا مارنا جب وادی انجارین میں ایک شیر آگیا اور بڑے بڑے بہادر چھپنے لگے اور سوار اور پیادہ اُس کے سامنے سے بھاگ گئے۔ تو امیرالمومنین تنہا بلاخوف اُس کے مقابلہ کے لیے گئے اور اُس کی پیشانی پر نیزہ مارا شیر فوراً منہ کے بل گر پڑا دشمن کی لڑائی میں اکثر بادشاہوں نے اپنی فوج میں کھڑا رہنے اور لشکر کو دشمن کے مقابلہ کی ترغیب دینے میں ثابت قدمی ظاہر کی ہے۔ لیکن امیرالمومنین کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا کہ جب اُس نے دیکھا کہ کُل لشکر بھاگ گیا اور دشمن کے مقابلہ میں کوئی بھی نہ رہا تو وہ اکیلا بنفس نفیس دشمن پر جا پڑا جس سے دشمن پر اس قدر رعب چھا گیا کہ دشمن کا کل لشکر بھاگ گیا۔

امیرالمومنین کا ذوق علم اور غیر معمولی مذہبیت

علم کا شوق امیرالمومنین کو اس قدر ہے کہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد محل کی مسجد میں ایک مجلس علمی منعقد ہوتی ہے اور بڑے بڑے فقیہ اور طالب علم اُس میں شامل ہوتے ہیں تفسیر اور حدیث اور فقہ مالکی اور علم تصوف پر بحث ہوتی ہے ہر علم میں امیرالمومنین کو اس قدر استعداد ہے کہ وہ مشکل مشکل مقامات کو اپنے ذہن خداداد کی تیزی سے حل کر دیتا ہے اور عجیب عجیب نکتے اپنے حافظ کی مدد سے بتلا دیتا ہے اس قدر علم کا شوق اماماں دین اور خلفائے راشدین کے سوا اور کسی کو نہیں ہوا، بادشاہ ہندوستان بھی علم دوست ہے لیکن اس کی مجلس میں جو صبح کے بعد ہوتی ہے فقط علم معقولات پر بحث ہوا کرتی ہے اور بادشاہ جاوا کی مجلس میں فقط فقہ شافعی پر بحث ہوتی ہے جب میں نے بادشاہ ترکستان کو مغرب و عشا و صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو مجھے تعجب ہوا تھا لیکن امیرالمومنین پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھتے ہیں اور رمضان کی تراویح بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امیرالمومنین نے ایک قاصد اور دو قصیدے روضہ منورہ میں بھیجے اور اُن قصیدوں کو اپنے دست خاص سے لکھا جس کی خوش خطی کے سامنے پھول بھی شرمندہ ہوتے تھے اور یہ فخر کسی بادشاہ کو حاصل نہیں۔ بلاغت اور فصاحت کا یہ حال ہے کہ جو فرمان جاری ہوتے ہیں اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کو خدا نے قدرتی ملکہ بخشا ہے

امیرالمومنین کے بذل وعطا کی داستان

خیرات کا یہ حال ہے کہ اپنے تمام ملک میں صدقے جاری کیے ہیں اور جگہ جگہ خانقاہیں تعمیر کی ہیں جن میں مسافروں کو کھانا ملتا ہے اور سوائے سلطان احمد اتابک کے کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا لیکن امیرالمومنین نے اُس سے بڑھ کر یہ کیا کہ مساکین کو ہر روز صدقہ بھی تقسیم کرتا ہے اور پردہ دار عورتوں کا روزینہ مقرر کیا ہے۔ ابن جزی کہتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کے بارہ میں جو ایجاد امیرالمومنین نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالے ہیں اُن کی نظیر کسی بادشاہ کے وقت میں نہیں پائے جاتے چنانچہ ہر شہر میں صدقہ بارہ مہینے جاری رہتا ہے قیدیوں کو پکی پکائی روٹی ملتی ہے مساکین اور ضعیفوں اور بوڑھوں اور بوڑھیوں اور مسجد کے خادموں کو تمام ملک میں کپڑا ملتا ہے اور عید الضحیٰ کے دن اُن کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے۔ اور رمضان شریف کی ۲۷- کو کل آمدنی جو شہر کے دروازوں پر چنگی کی ہوتی ہے وہ خیرات میں دی جاتی ہے اور مولود شریف کی رات کو تمام مساکین کو کل ملک میں کھانا کھلایا جاتا ہے اور مولود کی مجلس کی جاتی ہے عاشورہ محرم کے دن یتیم لڑکوں کی ختنہ کرائی جاتی ہے اور ان کو کپڑے دیے جاتے ہیں اپاہجوں اور ضعیفوں کو کشاورزی کے لیے بیل لے دیے جاتے ہیں جس سے وہ اپنی حالت کو درست کر لیتے ہیں۔ دارالخلافہ میں لوگوں کو نرم نرم بستر سے لیے جاتے ہیں جو وہ سونے کے وقت بچھا لیتے ہیں۔ ہر ایک شہر میں مارستان (ہسپتال) بنائے گئے ہیں بیماروں کے علاج اور طبیبوں کی تنخواہ کے لیے وقف مقرر کیے گئے ہیں لوگوں کو آرام اور اُن سے ظلم دور کرنے کی تمثیل میں یہ کافی ہے کہ جو لوگوں سے رستوں اور سڑکوں پر محصول لیے جاتے تھے وہ بالکل موقوف کر دیے ہیں ایسے محصولوں کی آمدنی بہت بڑی تھی لیکن اُس کا امیرالمومنین نے ذرا بھی خیال نہ کیا امیرالمومنین اپنے اہلکاروں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے ہیں کہ رعیت

پر ظلم نہ ہونے پاتے اور بہت تاکید کرتے ہیں۔ امیرالمومنین کو اگر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ کسی قاضی یا حاکم نے ظلم کیا ہے تو اُس کو ایسی سزا دیتے ہیں جو اوروں کے لیے عبرت کا کام دیتی ہے اہل اندلس کو جہاد کے کرنے اور اسلامی سرحد کی محافظت میں جو مدد مال اور ہتھیاروں اور غلہ اور لشکر سے دی ہے وہ مشرق اور مغرب میں اظہر من الشمس ہے۔

وطن

جب میں امیرالمومنین کی زیارت اور اُس کے احسانات سے مستفیض ہو چکا تو میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں اپنے شہر طنجہ[1] میں پہنچا اور اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر کے شہر سبتہ[2] میں گیا وہاں کئی مہینے ٹھیرا اور تین مہینے تک بیمار رہا۔

اندلس اور جبل الطارق

سبتہ سے جہاز میں سوار ہو کر اندلس میں پہنچا جہاں رہنے اور ٹھیرنے کا بھی ثواب ہے جب میں گیا تو الفونس[3] مرچکا تھا اُس نے جبل طارق[4] (جبرالٹر) کا محاصرہ دس مہینے تک رکھا تھا اُس کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو باقی اندلس سے بھی نکال دے لیکن خدا نے ناگہاں اُس کے بدارادوں کو خاک میں ملا دیا اور وہ وبا کے مرض سے مرگیا۔ سب سے پہلا شہر اندلس کا جو میں نے دیکھا وہ جبل الفتح (جبرالٹر) تھا وہاں میں نے اُس شہر کے خطیب ابوزکریا یحییٰ ابن سراج راندی اور وہاں کے قاضی علیٰ بربری سے ملاقات کی قاضی کے پاس میں ٹھیرا تھا تمام پہاڑ کے گرد اُس کے ساتھ پھرا۔ مولانا ابوالحسن نے جو جو عمارتیں اُس میں بنائی تھیں اور جو جو سامان اُس میں جمع کیا تھا اُس کو دیکھ کر تعجب آیا اور جو کچھ اس میں امیرالمومنین نے ایزاد کیا تھا وہ بھی دیکھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس جگہ جہاد کے لیے ہمیشہ رہوں۔

---

[1] طنجہ اسے تنجیر بھی کہتے ہیں، یہ آبنائے جبل الطارق (جبرالٹر) پر واقع ہے۔ [2] اسپین کا ایک شہر۔
[3] الفانسو، بادشاہ اسپین، جس نے مسلمانوں کو اندلس سے جبراً نکالا، اور قتل کیا۔
[4] جبل الطارق، جو اب انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

ابن جوزی کہتا ہے کہ جبل الطارق اسلام کی جائے پناہ ہے اور مشرکوں کے حلقوں میں روک ہے مولانا ابوالحسن کی نیکی کا نمونہ ہے وہاں جہاد کے لیے لشکر تیار رہتا ہے اور فوج کے شریر وقت آمادہ رہتے ہیں اُس کے سبب سے اہل اندلس نے خوف کی تلخی کے بعد امن کی شیرینی کا لطف اٹھایا ہے اسلامی فتح کا آغاز بھی وہیں سے ہوا تھا اور طارق بن زیاد جو موسےٰ بن نصیر کا آزاد غلام تھا فرنگستان میں عبور کرتے وقت یہیں آکر ٹھیرا تھا اسی لیے اُس کے جبل طارق اور جبل الفتح دونوں نام ہیں جو فصیل اس نے بنائی تھی اس کا بقیہ اب تک موجود ہے اور عرب کی دیوار کے نام سے مشہور ہے۔

جبرالٹر پر مسلمانوں کا پھر سے قبضہ اس کے خصوصیات

اس شہر پر بیس سال سے فرنگی قابض تھے مولانا ابوالحسن نے اس کو چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد فتح کیا اور اس کے محاصرہ کے لیے اپنے بیٹے ابومالک کو جرار فوج اور بے شمار دولت دے کر بھیجا تھا اس وقت اس کی شکل یہ نہ تھی پہلے فقط ایک چھوٹا سا برُج تھا جو منجنیق کے صدمہ سے گرجاتا تھا مولانا ابوالحسن نے پہاڑ کی چوٹی پر ایک نہایت مضبوط قلعہ تیار کیا اور اس میں ایک دارالصناعہ ہتھیار بنانے کی جگہ بھی تیار کی پہلے وہاں دارالصناعہ نہ تھا اور دارالصناعہ سے لے کر فرضہ تک سرخ مٹی کی ایک فصیل چاروں طرف تیار کی۔ امیرالمومنین نے اب اپنے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی اور جبل فتح کی طرف بھی ایک فصیل تیار کی اور یہ فصیل سب سے زیادہ مفید ہے اور قلعہ میں بہت سامان اور غلہ اور ہتھیار وغیرہ بھیجے۔ خدا تعالےٰ نے امیرالمومنین کو اس کی نیک نیتی اور خلوص کا عوض دیا چنانچہ ۷۵۶ھ میں جبل الفتح کے حاکم عیسیٰ بن حسن بن ابو مندیل نے کافروں کے ساتھ سازش کر کے بغاوت کی اور خود سر ہو بیٹھا لوگوں کا خیال تھا کہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر اور مال کی ضرورت پڑے گی لیکن امیرالمومنین کے صدق اور توکل علی اللہ نے سب کام مفت میں بنا دیا۔ تھوڑے دن کے بعد جبل الفتح کے لوگوں کو دکھلائی دے گیا کہ اس بغاوت کا نتیجہ کیا ہوگا انھوں نے عیسےٰ اور اُس کے بیٹے کو پکڑ کر مشکیں باندھ کر امیرالمومنین کے دربار میں حاضر کیا امیرالمومنین نے حکم دیا کہ ان کو قتل کیا جائے اور ان

کے شر سے خلقت کو بچا لیا۔

اس فتنہ کے فرو ہو جانے کے بعد امیر المومنین نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کیے جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے اور جبل الطارق میں اپنے پیارے فرزند ابو بکر سعید کو حاکم مقرر کیا اور اُس کے ساتھ تجربہ کار دلاور اور سردار روانہ کیے اور اُن کے واسطے جاگیریں عطا کیں اور روزینے مقرر کیے اور کل محصول معاف کر دیے۔ جبل الطارق کی نسبت امیر المومنین کو جہاں تک خیال تھا کہ اُس نے اپنے محل میں ایک چھوٹی شبینہ اُس قلعہ کی تیار کرا کر رکھی ہوئی تھی جس میں تمام فصیلیں اور دیواریں اور پہاڑیاں اور برج اور قلعے اور دار الصناعت اور دروازے اور مسجدیں اور سلح خانے اور کھیت اور پہاڑ اور سُرخ مٹی کی زمین الغرض ذرا ذرا سی چیز دکھلائی گئی تھی اور کاریگروں نے اُسے ایسی صنعت سے بنایا تھا کہ جس شخص نے جبل الطارق اور اُس کی قلعہ بندی دیکھی ہوئی تھی وہ نقل کو اصل کے ہو بہو مطابق دیکھ کر عش عش کرتا تھا یہ شبینہ امیر المومنین نے اس لیے تیار کرائی تھی کہ اس کو جبل الطارق کے زیادہ مضبوط بنانے کا شوق تھا اور اُس کی بابت فکر کرتا رہتا کہ اُس کے ذریعہ سے اندلس میں اسلام کی حمایت میں اور نصاریٰ کے ارادوں کو باطل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہے۔

جبل الفتح کے بعد ہم شہر رندہ میں پہنچے یہ بھی اہل اسلام کا ایک نہایت مضبوط اور خوبصورت قلعہ ہے ان دنوں میں اُس کا قائد یعنی قلعہ دار شیخ ابو الزبیع سلیمان بن داؤد عسکری تھا اور محمد بن یحییٰ بن بطوطہ میرا چچازاد بھائی وہاں کا خطیب ابو اسحاق ابراہیم بھی جو شندرُخ کے نام سے زیادہ تر مشہور ہے مجھ سے ملے۔ اس شہر میں میں پانچ دن تک ٹھیرا رہا۔ وہاں سے میں شہر مربلہ میں پہنچا راستہ بہت دشوار گزار تھا۔ مربلہ بہت اچھا سر سبز شہر ہے اور شاداب ہے وہاں مجھے سواروں کی ایک جماعت جو مالقہ کو جاتی تھی ملی میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا دوسرے دن میں مالقہ آ گیا۔ ●

اندلس کے شہر

مالقہ

مالقہ اندلس کا ایک دارالخلافہ ہے وہ نہایت مضبوط شہر ہے اور سمندر اور خشکی دونوں کے فوائد وہاں حاصل ہیں پھل بہت پیدا ہوتے ہیں انگور وہاں بازار میں ایک درہم کا آٹھ رطل آتا ہے اور وہاں کا انار جس کو یاقوتی کہتے ہیں تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور انجیر اور بادام وہاں سے مشرق کے تمام شہروں میں جاتے ہیں۔

مالقہ کے شہر میں چینی کے برتن جن پر طلائی کا کام ہوتا ہے عجیب بنتے ہیں اور وہاں سے بہت سے ملکوں میں جاتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بڑی مسجد ہے جس کا صحن اس قدر وسیع ہے کہ میں نے ایسا وسیع اور خوب صورت صحن کہیں نہیں دیکھا اُس میں نارنج کے درخت لگے ہوئے ہیں جس روز میں مالقہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کا قاضی ابو عبداللہ بن قاضی ابو جعفر طنجانی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں سے قیدیوں[1] کے چھڑانے کے لیے روپیہ جمع کر رہے تھے وہاں کے خطیب ابو عبداللہ ساحلی نے بھی میری ضیافت کی وہاں سے میں بلش گیا مالقہ سے یہ شہر چوبیس[۲۴] میل کے فاصلے پر ہے یہاں ایک نہایت عجیب مسجد ہے اور مالقہ کی مانند وہاں بھی انگور اور انجیر بکثرت ہوتے ہیں وہاں سے ہم حمہ میں گئے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے لیکن اُس کی مسجد بہت نادر اور خوش بنی ہوئی ہے۔

---

[1] عیسائیوں کے مسلمان قیدی۔

غرناطہ اور مراقش

وہاں سے میں غرناطہ کو گیا یہ شہر اندلس کا دارالخلافہ ہے اور تمام شہروں کی دلہن ہے اُس کا مضافات اور بیروں بلدہ تمام دنیا میں بے نظیر ہے جو چالیس میل لمبا ہے دریائے شنیل اُس کے بیچ میں سے گزرتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نہریں ہیں۔ شہر کے چاروں طرف باغ اور محل اور انگور کے کھیت اس کثرت سے ہیں کہ دنیا میں میں نے کہیں نہیں دیکھے (ابن جزی کہتا ہے کہ اگر میں طرفدار ہونے کا خیال کیے جانے کا گمان نہ کرتا تو میں اس شہر کی تعریف میں ایک طویل تحریر کرتا لیکن چونکہ یہ شہر دنیا بھر میں مشہور ہے اِس لیے زیادہ کہنے کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ شیخ محمد بن محمد بن شیریں سبتی نے جو غرناطہ میں وارد ہیں کیا اچھا کہا ہے ؎

رعی اللّٰہ من غرناطۃ متبوا — خدا غرناطہ کے گھر کی حفاظت کرے
یسر حزینا او یجیر طریدا — جس سے غمگین خوش ہوتا ہے جو بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے

اس زمانہ میں غرناطہ کا بادشاہ سلطان ابوالحجاج یوسف بن سلطان اسماعیل بن فرج بن اسماعیل بن یوسف بن نصر تھا وہ اُن دنوں میں بیمار تھا اس لیے میں اس سے نہ مل سکا اُس کی والدہ نے جو نہایت صالحہ اور فاضلہ ہے میرے پاس کچھ طلائی دینار بھیجے۔ غرناطہ میں وہاں کے قاضی ابوالقاسم محمد بن احمد حسینی سبتی اور خطیب محمد بن ابراہیم بیانی اور خطیب ابوسعید فرج المشہور بابن لب سے ملاقات ہوئی اور قاضی ابوالبرکات محمد سلمی البلبیسی اُن دنوں میں وہاں مریہ سے آئے ہوئے تھے

اُن سے فقیر ابو قاسم محمد بن عبداللہ بن عاصم کے باغ میں ملاقات ہوئی وہاں میں اُن کے ساتھ دو دن اور ایک رات ٹھیرا (ابن جزی جس نے سفرنامہ مرتب کیاہے کہتاہے کہ میری ملاقات بھی شیخ ابن بطوطہ سے اُسی موقع پر ہوئی اور وہاں اُن کی زبان سے اُن کے سفر کے حالات سنے اور اُن بزرگوں کے نام جن سے ایام سفر میں شیخ کی ملاقات ہوئی تھی ہم نے قلمبند کیے اُس وقت غرناطہ کے بہت سے بزرگ اور رئیس موجود تھے اور مشہور شاعر ابوجعفر احمد بن رضوان جذامی بھی ہمارے ساتھ اُس مجلس میں تھا اس شاعر کی عجیب کیفیت ہے وہ بالکل ناخواندہ تھا اور اُس نے صحرا میں پرورش پائی تھی۔ لیکن ایسے عمدہ اور اچھے شعر کہتا تھا کہ بڑے بڑے بالیغو اور عالموں سے بھی شاذ و نادر ویسے بن پڑتے تھے۔

غرناطہ میں میری ملاقات شیخ المشیوخ والصوفیہ عمر بن شیخ الصالح ابو عبداللہ محمد بن محروق سے بھی ہوئی اُن کی خانقاہ غاناطہ میں شہر سے باہر واقع ہے میں وہاں کچھ دن تک ٹھیرا انھوں نے میری خاطر تواضع بدرجہ غایت کی اُن کے ساتھ میں خانقاہ رابطہ العقاب کی زیارت کو گیا جو ایک نہایت متبرک جگہ سمجھی جاتی ہے۔ عقاب غرناطہ کے باہر ایک پہاڑ ہے۔ اور شہر سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اُس کے قریب ایک بے چراغ شہر تیرہ کے کھنڈرات ہیں۔ اُس کے بعد میں اُن کے بھتیجے سے ملا ان کا نام فقیہ ابوالحسن علی بن احمد بن محروق ہے۔ وہ ایک خانقاہ میں رہتے ہیں جو ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے اور اُن کا نام لجام ہے۔ یہ شیخ فقرار متبیبیں (کسب کرنے والے) کے پیشوا ہیں۔ غرناطہ میں عجم کے بہت سے فقیر رہتے ہیں چونکہ یہ ملک ان کے ملک کے مشابہ ہے اس لیے وہیں وطن اختیار کر لیاہے اُن میں سے حاجی ابو عبداللہ سمرقندی اور حاجی احمد تبریزی اور حاجی ابراہیم قونوی اور حاجی حسین خراسانی اور حاجی علی ہندی اور حاجی رشید ہندی زیادہ تر مشہور ہیں۔

غرناطہ سے چل کر میں حمہ میں آیا وہاں سے بلش وہاں سے مالقہ وہاں سے حصن ذکوان پہنچا یہ قلعہ بہت عمدہ ہے پانی کی نہریں بکثرت ہیں اور میوہ جات بھی بہت پیدا ہوتے ہیں وہاں سے چل کر میں رندہ کے شہر میں پہنچا۔ وہاں سے میں بنی ریاح کے گاؤں میں آیا وہاں شیخ ابوالحسن علی سلیمان ریاحی کا مہمان ہوا۔ یہ شیخ بہت سخی اور فاضل ہے مسافروں کو روٹی دیتے ہیں انھوں نے میری مہمانی بہت اچھی طرح سے کی۔ وہاں سے چل کر واپس جبل الفتح یعنی

جبل الطارق میں پہنچا اور جس جہاز میں آیا تھا اُسی میں بیٹھ کر سبتہ کے شہر میں پہنچا۔ یہ جہاز اصیلا کے باشندوں کا تھا وہاں کا قلعدار اُن دنوں میں شیخ ابو مہندی عیسٰے بن منصور اور وہاں کا قاضی ابو محمد زجندری تھے وہاں سے چل کر میں اصیلا کے شہر میں پہنچا - اور وہاں کئی مہینے ٹھیرا ۔

اصیلا سے سفر کر کے سلا کے شہر میں پہنچا اور سلا سے مراکش[1] کے شہر میں پہنچا۔ یہ شہر بہت خوب صورت اور وسیع ہے وہاں خیرات بہت ہوتی ہے اور بڑی بڑی عالی شان مسجدیں ہیں کبنیوں کی مسجد بہت بڑی ہے ایک مینار نہایت عجیب اور بلند ہے اُس کی چوٹی سے تمام شہر نیچے نظر آتا ہے - یہ شہر اب ویران ہوتا جاتا ہے بغداد سے زیادہ تر مشابہ ہے لیکن بغداد کے بازار یہاں کے بازاروں کی بہ نسبت زیادہ خوب صورت ہیں مراکس کے شہر میں ایک عجیب مدرسہ ہے جو اپنی وضع اور صنعت میں نامزد ہے اس مدرسہ کو امیر المومنین ابوالحسن نے تعمیر کرایا تھا مراکش سے میں امیر المومنین کے ہمرکاب شہر سلا میں پہنچا وہاں سے مکناسہ ۔ یہ شہر نہایت شاداب ہے اُس کے چاروں طرف باغات ہیں اور زیتون کے درختوں کا جنگل تمام علاقہ میں ہے پھر ہم دارالخلافہ فاس میں پہنچے وہاں میں نے مولانا امیر المومنین سے رخصت حاصل کی اور سوداں کے ملک کے سفر کا ارادہ کیا ۔

---

[1] اس پر فرانس کا قبضہ تھا، اب آزاد ہوا ہے ۔

سوڈان کا سفر

اس خطہ ارض کے حالات اور دیار و امصار

فاس سے سجلماسہ کے شہر میں پہنچا یہ شہر بہت اچھا ہے کھجور اس میں بہت پیدا ہوتی ہے اور کھجور کی کثرت کے سبب سے بصرہ سے مشابہ ہے لیکن سجلماسہ کی کھجور بصرہ کی کھجور سے کہیں اچھی ہوتی ہے اور ایک قسم کی کھجور جس کو ابرار کہتے ہیں دنیا بھر میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اس شہر میں فقیہ اور ابو محمد بشری کے پاس ٹھیرا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا بھائی مجھے چین میں شہر قنجن فو میں ملا تھا اُن کی دوری پر تعجب آتا ہے۔ ابو محمد بشری نے میری خاطر و تواضع بدرجہ غایت کی۔ اس شہر میں میں نے اونٹ خریدے اور اُن پر چار مہینے کا زادِ راہ لیا۔ اور ۷۵۳ھ کے محرم کی پہلی تاریخ کو ایک قافلہ کے ساتھ جس کا سردار ابو محمد یندکان مسوفی تھا چلا۔

ہمارے ساتھ سجلماسہ کے بہت سے سوداگر تھے پچیس دن کے بعد ہم تغازی میں پہنچے یہ گاؤں بالکل بے برکت ہے اس کے گھروں اور مسجدوں کی دیواریں نمک کے پتھروں کی ہیں اور چھت اونٹوں کی کھال کی بنی ہوتی ہے۔ اس ملک میں سوا رمل کے بوٹے کے اور کوئی درخت نہیں تھا۔ اس شہر میں نمک کی کان ہے زمین کھودنے پر نمک کی سلیں اوپر نیچے رکھی ہوئی پائی جاتی ہیں جیسے کسی نے تراش کر رکھ چھوڑی ہوں۔ ایک اونٹ پر دو سلیں لادتے ہیں اور سوا مسوفا کے غلاموں کے جو نمک کھودنے کا کام کرتے ہیں، اور کوئی شخص وہاں نہیں رہتا۔ ان کی غذا کھجور ہے جو درعہ اور سجلماسہ

سے آتی ہے اور اونٹ کا ارشت اور سوڈان کا چلینہ ہے وہاں حبشی آتے ہیں اور نمک سے جاتے ہیں۔ ایولاتن میں ایک اونٹ کا بوجھ دس مشقال سے آٹھ مشقال تک ملتا ہے اور مالی کے شہر میں بیس مشقال سے تیس مشقال تک اور بعض وقت چالیس مشقال بھی نرخ ہو جاتا ہے۔

سوڈان میں نمک بطور روپیہ کے چلتا ہے اور سونے چاندی کا کام دیتا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے خرید و فروخت ہوتی۔ تغاری کا گاؤں اگرچہ بہت حقیر ہے لیکن وہاں سونے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ ہم نے وہاں مشکل سے دس دن کاٹے کیونکہ وہاں کا پانی نہایت تلخ ہے اور مکھیاں بہت کثرت سے ہیں۔ صحرا میں داخل ہونے سے پہلے یہاں سے پانی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کیونکہ آگے دس دن تک پانی شاذ و نادر مل سکتا ہے لیکن ہمیں تو بارش ہونے کے سبب سے کئی جگہ پانی تالوں میں جمع ہوا ملا اور بعض جگہ پتھر کے دو ٹیلوں کے درمیان تالاب میں پانی دستیاب ہوا تو ہم نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور کپڑے بھی دھوئے اور بھر بھی لیا۔ اس صحرا میں مکھیاں بہ کثرت ہوتی ہیں اور جوئیں بھی بہت پڑ جاتی ہیں چنانچہ اکثر لوگ اپنے بغلوں میں تھیلیاں جن میں پارہ بھرا ہوا ہے باندھ لیتے ہیں۔ ہم اُن دنوں میں قافلہ کے آگے آگے جایا کرتے تھے جہاں کہیں چراگاہ پاتے تھے وہاں اپنے اونٹ چرانے شروع کر دیتے تھے۔

ایولاتن: سوڈان کا پہلا شہر

پھر ہم شہر ایولاتن میں ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو پہنچے۔ سجلماسہ سے چل کر یہاں تک دو ماہ کامل سفر میں رہے۔ یہ شہر سوڈان کا پہلا شہر ہے۔ بادشاہ کی طرف سے وہاں کا حاکم فربا حسین ہے۔ فربا سوڈان کی لغت میں نائب کو کہتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو سوداگروں نے اپنا مال ایک احاطہ میں سوڈانیوں کے سپرد کر دیا اور خود سب مل کر نائب کے پاس گئے وہ ایک دالان میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا اس کے سپاہی اس کے روبرو تیرے اور کمانیں ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے تھے اُن کے پیچھے سوداگر اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور وہ ان سے باوجود ایسے قرب کے ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو کر رہا تھا اور یہ اس سبب سے تھا کہ وہ ان کو اپنی برابر نہیں سمجھتا تھا اس وقت

مجھے افسوس ہے کہ میں ان لوگوں کے ملک میں کیوں آیا کیونکہ وہ گورے آدمیوں کا ادب نہیں کرتے ۔ میں ابن بدا کے گھر میں گیا وہ شہر سلا کے رہنے والے اور ایک فاضل شخص تھے میں نے ان کو لکھا تھا کہ میرے واسطے ایک مکان کرایہ لے لو۔ اور انھوں نے بندوبست کیا ہوا تھا پھر ایولاتن کے مشرف نے جس کو وہاں منشا جو کہتے ہیں کل اہل قافلہ کی دعوت کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں نہ جاؤں اہل قافلہ نے مجھے مجبور کیا میں بھی گیا ۔ چینہ کا دلیہ جس میں شہد اور دودھ ملا ہوا تھا ایک کدو کے چھلکے کے نصف میں لائے اور سب نے وہی پی لیا اور وہاں سے چلے آئے میں نے کہا کہ اس کالے نے ہمیں اسی ضیافت کے لیے بلایا تھا۔ اس نے کہا۔ یہ تو بڑی ضیافت گنی جاتی ہے ۔

میں اسی وقت سمجھ گیا کہ اس ملک میں کچھ امید نہیں میں نے ارادہ کیا کہ ایولاتن سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ ہی واپس چلا جاؤں لیکن پھر خیال آیا کہ اُن کے ملک کا دارالخلافہ بھی دیکھنا چاہیے میں ایولاتن میں پچاس دن ٹھہرا وہاں کے باشندوں نے میری تعظیم اور تکریم کی ۔ اور اکثر بزرگوں نے جن میں سے وہاں کا قاضی محمد بن عبداللہ بن ینومر اور اس کا بھائی فقیہ یحییٰ مدرس ہے ہماری ضیافت کی ۔ اس شہر میں گرمی سخت ہوتی ہے کچھ کھجور کے درخت بھی ہیں اُن کے سایہ میں تربوز بھی بوئے جاتے ہیں ۔ پانی تالاب کا ہے ۔ بکری کا گوشت بکثرت ہوتا ہے ۔ وہاں کے باشندے مصری حسان کپڑا استعمال کرتے ہیں ۔ اور اکثر باشندے مسوفہ ہیں ان کی عورتیں نہایت حسین ہوتی ہیں اور ڈیل ڈول میں بھی مردوں سے زیادہ ہوتی ہیں ۔ ان لوگوں کے رواج عجیب عجیب ہیں ۔ مردوں میں غیرت کا نام ونشان تک نہیں ہوتا ۔ ہر شخص اپنے باپ کا بیٹا نہیں کہلاتا بلکہ اپنے ماموں کا بھانجا کہلاتا ہے اور ہر شخص کے وارث اس کے بیٹے نہیں ہوتے بلکہ بھانجے ہوتے ہیں ۔ یہ رواج میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھا مگر اس قوم میں یا ملیبار کے ہندوؤں میں ۔

تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان اور نماز کے پابند قرآن کے حافظ اور بڑے بڑے فقہ دان ہوتے ہیں ، ان کی عورتیں باوجود پابند نماز ہونے کے مردوں سے پردہ نہیں کرتیں ۔ اگر کوئی شخص اُن سے شادی کرنا چاہے تو کر لیتی ہیں لیکن اپنے خاوند کے ساتھ باہر نہیں جاتیں اور اگر کوئی جانا بھی چاہے تو اس کے خاندان کے بزرگ نہیں جانے دیتے ۔ یہاں کی عورتیں اجنبی مردوں

کو دوست بنا لیتی ہیں اور اسی طرح سے مردوں کی دوست اجنبی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی مرد اپنے گھر جاتا ہے اور اپنی عورت کے پاس اس کے دوست کو دیکھتا ہے تو برا نہیں مانتا۔

سوڈانی عورتوں کی حد سے زیادہ آزادی

میں ایک روز وہاں قاضی کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک نوجوان حسین عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کو دیکھ کر واپس جانے لگا تو یہ عورت ہنس پڑی اور بالکل شرمندہ نہ ہوئی اور قاضی نے کہا آپ واپس نہ جائیں یہ عورت میری دوست ہے۔ مجھے زیادہ تعجب اس لیے ہوا کہ یہ قاضی صاحب فقیہ اور حاجی بھی ہیں۔ مجھ سے کسی نے یہ بھی کہا کہ ان قاضی صاحب نے بادشاہ سے حج پر جانے اور اس اپنے دوست کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تھی بادشاہ نے اجازت نہ دی ایک روز میں ابو محمد یندکان کے پاس گیا وہ اپنے گھر میں فرش پہ بیٹھا ہوا تھا اُس کے گھر کے وسط میں ایک تخت رکھا تھا جس پر سایہ ہو رہا تھا اس پہ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اور ایک مرد کے گفتگو کر رہی تھی میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون ہے اس نے کہا کہ میری بیوی ہے میں نے پوچھا کہ یہ مرد کون ہے اس نے کہا کہ اس کا دوست ہے، میں نے کہا کہ تو تو ہمارے ملکوں میں رہ آیا ہے اور شرع سے واقف ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں عورت اور مرد کی دوستی پاک ہوتی ہے تہمت کی گنجائش کوئی نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا کہ ہماری عورتیں تمہاری عورتوں کی مانند نہیں ہوتیں مجھے اس کے غرور پر تعجب آیا اور میں چلا آیا اور اس کے پاس پھر نہیں گیا۔ اُس نے مجھے کئی دفعہ بلایا مگر میں نہ گیا۔

جب میں نے مالی کی طرف سفر کیا تو میں نے سوفہ قوم کا ایک رہبر اپنے ساتھ لیا۔ مالی ایولاتن سے چوبیس منزل ہے۔ یہ رستہ بالکل ہی پر امن ہے قافلہ کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ تین اور دوست تھے رستہ میں درخت بہت ہیں درخت بھی بڑے بڑے سایہ دار ہیں اور اس قدر بڑے بڑے درخت ہیں کہ ایک ایک درخت کے نیچے قافلہ کا قافلہ ٹھیر سکتا ہے۔ بعضے درخت ایسے ہیں کہ نہ ان کی شاخیں اور نہ پتے۔ لیکن فقط درخت کے تنے کا سایہ اتنا ہوتا ہے کہ آدمی سایہ میں اچھی طرح بیٹھ سکتا ہے بعضے درخت پرانے ہو کر کھوکھل ہو جاتے ہیں اور اُن میں

بارش کا پانی جمع ہو کر کنواں صاف بن جاتا ہے اس سے نکال کر لوگ پانی پیتے ہیں بعضوں میں شہد کے چھتے لگے ہوتے ہیں لوگ مکھیوں کو بھگا کر شہد لے جاتے ہیں۔ ایک درخت میں نے دیکھا اس کے اندر ایک جولاہہ بیٹھا کپڑا بُن رہا تھا مجھے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ •

مَالی

سوڈان کا پایہ تخت اور وہاں کا بادشاہ

مالی میں کسی کو بغیر اجازت جانے کا حکم نہیں میں نے پہنچنے سے پہلے گورے آدمیوں میں سے
بعض کی طرف جس میں سے سب سے بڑے آدمی محمد بن فقیہ جزولی اور شمس الدین بن تقویش مصری
نے لکھ بھیجا تھا، میرے لیے ایک مکان کرایہ پر لے رکھیں۔ جب میں بھی دریائے صنصرہ پر
پہنچا تو میں نے کشتی میں بیٹھ کر دریا کو عبور کیا اور مجھے کسی نے منع نہ کیا اُس کے بعد میں مالی شہر
میں پہنچا جو شاہ سوڈان کا پائے تخت ہے۔ میں جا کر قبرستان کے پاس ٹھیرا اور بعد ازاں گورے
لوگوں کے محلہ میں گیا وہاں محمد ابن فقیہ سے ملا اُس نے میرے واسطے ایک مکان اپنے مکان
کے مقابل کرایہ کا لے رکھا تھا میں اُس مکان میں جا رہا اُس کا داماد فقیہ قاری عبدالواحد میرے
واسطے ایک چراغدان اور کھانا لایا۔ دوسرے دن ابن فقیہ اور شمس الدین اور علی مراکشی میرے
ملنے کے لیے آئے علی مراکشی ایک طالب علم تھا، مالی کا قاضی عبدالرحیم بھی آیا وہ حبشی تھا اور
حج کر آیا تھا عالم فاضل اور اچھے خصائل کا آدمی تھا اس نے میری ضیافت میں ایک گائے
بھیجی۔ ترجمان دوغا نام سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ بھی حبشیوں میں ایک بڑا فاضل آدمی ہے
اُس نے میرے پاس ایک بیل بھیجا اور فقیہ عبدالواحد نے فونی کی دو بوریاں اور غرقی کا بھرا ایک

تونبہ بھیجا اور ابن الفقیہ نے چاول اور فونی بھیجی اور شمس الدین نے بھی کھانا بھیجا ان سب نے میری مدارات کماحقہ کی۔ ابن فقیہ کا نکاح بادشاہ کے چچا کی لڑکی سے ہوا تھا وہ بھی میرے پاس کھانا بھیجا کرتی تھی اور دیگر ضروریات بھی بھیجتی رہتی تھی بھیجنے کے دس دن ہم نے قاضی کا عصیدہ کھایا اور یہ کھانا اس ملک میں بہت کھانوں سے افضل سمجھا جاتا ہے وہ کھا کر دوسرے دن ہم سب بیمار ہو گئے ہم چھ آدمی تھے ایک مر گیا اور میں صبح کی نماز پڑھنے گیا تھا وہیں بے ہوش ہو گیا۔ میں نے ایک مصری سے کہا مجھے کوئی مسہل دوا دو۔ وہ ایک دوا جس کو بیدر کہتے ہیں لایا وہ کسی بوٹی کی جڑ تھی اور اس میں انیسون اور شکر تری ملائی اور پانی میں گوندکر مجھے دی میں نے وہ دوا کھائی تو جو کچھ میں نے کھایا تھا وہ صفرا کو ساتھ لے کرتے کے رستے سب نکل گیا اور میں بچ گیا لیکن دو مہینے بیمار رہا۔

مالی کے بادشاہ کا نام منسا سلیمان ہے۔ منسا بادشاہ کو کہتے ہیں اور سلیمان اُس کا نام تھا۔ یہ بادشاہ نہایت بخیل ہے اور کسی بڑے عطیہ کی امید اس سے رکھنی لاحاصل ہے اتفاق سے اس تمام عرصہ تک بیماری کے سبب سے میں بادشاہ سے ملاقات نہیں کر سکا۔ اُس نے مولانا ابوالحسن کی تعزیت کی تقریب میں ایک بڑی دعوت کی اور امیروں اور فقیہوں اور قاضی اور خطیب کو بلایا میں بھی گیا ہر ایک شخص کو ایک ایک ربع قرآن شریف کا دے دیا جب ختم ہو چکا تو مولانا ابوالحسن کی روح کے لیے دعا مانگی گئی اور پھر منسا سلیمان کے حق میں سب نے دعا کی جب یہ ہو چکا تو میں نے آگے بڑھ کر بادشاہ کو سلام کیا اور قاضی اور خطیب اور ابن فقیہ نے میرا حال اُن کو سنایا اُس نے اُن کی زبان میں جواب دیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر کرو میں نے الحمد للہ علیٰ کل حال کہا۔ جب میں اپنے گھر آیا تو میرے واسطے بادشاہ نے کھانا بھیجا۔ پہلے وہ قاضی کے گھر لے گئے اس نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ ابن فقیہ کے گھر بھیج دیا وہ سن کر پیدل دوڑتا ہوا میرے پاس آیا کہ اٹھ بادشاہ نے تیرے لیے ہدیہ بھیجا ہے میں سمجھا کہ خلعت اور کچھ نقدی ہو گی۔ معلوم ہوا کہ تین روٹیاں اور تھوڑا سا گائے کا گوشت تھا اور کدو کے چھلکے میں چھاچھ تھی میں دیکھ کر خوب ہنسا اور اُن لوگوں کی کم عقلی اور تھوڑی سی چیز پر اس قدر خوش ہونے پر مجھے بہت تعجب ہوا۔

دو مہینے تک ٹھیرا رہا بادشاہ نے مجھے کچھ نہ بھیجا رمضان کا مہینہ آگیا اس عرصہ میں میں بادشاہی محل میں آجایا کرتا تھا اور قاضی اور خطیب کے ساتھ جا بیٹھتا تھا۔ میں نے دوغا ترجمان سے کہا اس نے کہا بادشاہ سے عرض کرنا میں ترجمہ کرکے بادشاہ کو سنا دوں گا۔ شروع رمضان میں بیٹھا ہوا تھا میں نے روبرو کھڑے ہوکر عرض کی کہ میں نے تمام دنیا کے ملکوں کا سفر کیا ہے اور وہاں کے بادشاہوں سے ملاقات کی تمہارے شہر میں آئے مجھے چار مہینے ہوئے نہ تم نے مجھے کچھ دیا نہ ضیافت کی میں تمہارا حال جاکر کیا دریافت کروں گا۔ بادشاہ نے کہا میں نے تم کو نہیں دیکھا اور نہ مجھے تمہارے آنے کا علم ہے۔ قاضی اور ابن فقیہ نے کھڑے ہوکر بتلایا کہ اس نے حضور کو سلام بھی کیا تھا اور حضور نے اُس کے لیے کھانا بھی بھجوایا تھا۔

اُس بادشاہ نے میرے لیے ایک گھر تجویز کیا اور روزینہ مقرر کیا اور ستائیسویں شب کو قاضی اور خطیب اور فقیہوں کو روپیہ تقسیم کیے تو مجھے بھی ۳۳ مثقال سونا بھیجا اور رجب میں رخصت ہوا تو مثقال سونا اس وقت دیا۔ یہ بادشاہ ایک بلند بُرج میں جس کا در گھر کے اندر ہے اکثر بیٹھا رہتا ہے۔ چوک کی جانب اس برج میں دروازے میں اُن کے کواڑ لکڑی کے ہیں لیکن چاندی کا خول اُن پر چڑھا ہوا ہے اور اُن کے نیچے تین کھڑکیاں ہیں اُن کے کواڑ سونے کے ہیں یا چاندی پر سونے کا ملمع کیا ہوا ہے اُن دروازوں پر ریشم کے پردے پڑے ہوئے ہیں جب بادشاہ برج میں آکر بیٹھتا ہے تو پردے اٹھا دیے جاتے ہیں جب پردے اٹھائے جاتے ہیں تو یہ علامت ہے کہ بادشاہ برج میں بیٹھا ہوا ہے جب بادشاہ آبیٹھتا ہے تو ایک کواڑ کی جالی میں سے ایک ریشمی جھنڈا لٹکا دیا جاتا ہے اس میں ایک مصری منقش رومال بندھا ہوا ہوتا ہے جب لوگ رومال کو دیکھتے ہیں تو نوبت نقارے بجنے شروع ہوتے ہیں اس وقت محل میں سے تین سو غلام نکلتے ہیں اُن میں سے کسی کے ہاتھ میں کمان اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ ہوتا ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں ڈھال ہوتی ہے نیزہ بردار داہنے اور بائیں ہاتھ پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور کمانوں والے دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں اس کے بعد دو گھوڑے جن پر زین اور لگام کسا ہوتا ہے لاتے ہیں اور ان کے ساتھ دو مینڈھے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ اُن کے سبب سے گھوڑوں کو نظر نہیں لگتی۔

جب بادشاہ بیٹھ جاتا ہے تو تین غلام باہر آتے ہیں اور دوڑ کر بادشاہ کے نائب قتبغا موسے کو بلاتے ہیں۔ اس کے بعد فراری آتے ہیں فراری امیروں کو کہتے ہیں ان کے بعد قاضی اور خطیب آتے ہیں۔ یہ سب سلحداروں کے آگے داہنے اور بائیں بیٹھ جاتے ہیں اور دوغا ترجمان چوک کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ زردخانہ دار کپڑے کی عمدہ پوشاک پہنے ہوئے ہوتا ہے اس کے سر پر عمامہ ہوتا ہے جس کے حاشیوں پر طرح طرح کا کام ہوتا ہے ایک تلوار جس کی میان سونے کی ہوتی ہے اس کی کمر میں بندھی ہوتی ہے اور پانوں میں موزے ہوتے ہیں اور مہمیز لگی ہوئی ہوتی ہے ان روز سوا ترجمان کے اور کسی کو موزے پہننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اُس کے ہاتھوں میں دو نیزے ہوتے ہیں ایک چاندی کا اور دوسرا سونے کا ان کی انی لوہے کی ہوتی ہے چوک کے دروازہ کے باہر ایک وسیع رستہ ہے جس میں درخت لگے ہوئے ہیں لشکری۔ اور والی اور غلام اور مسوفہ بیٹھے رہتے ہیں۔

ہر امیر کے سامنے اُس کے ہمراہی ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں نیزے اور کمانیں ہوتی ہیں اور نقارے اور نفیری ہوتے ہیں اُن کے نقارے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ہیں اور بعضوں کے ہاتھ میں بانس اور لوہے کے بنے ہوئے گانے بجانے کے ساز ہوتے ہیں ان سازوں کو ہتھیلی کے ساتھ بجاتے ہیں اور اُن میں سے ایک عجیب آواز نکلتی ہے۔ ہر ایک امیر کے مونڈھوں کے درمیان ایک ترکش لٹکا ہوا ہوتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اور وہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کے ہمراہی بعضے پیدل اور بعضے سوار ہوتے ہیں چوک کے اندر بُرج کے کواڑوں کے پاس ایک آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اگر باہر سے کوئی شخص بادشاہ کو عرض کرنا چاہتا ہے تو وہ ترجمان دوغا سے کہتا ہے۔ اور ترجمان دوغا اُس شخص سے کہتا ہے اور وہ بادشاہ سے عرض کرتا ہے۔ بادشاہ بعضے وقت محل کے چوک میں بھی جلوس کرتا ہے چوک میں ایک درخت کے نیچے ایک چبوترہ ہے جس کے تین درجہ ہیں اُس کو نپنی کہتے ہیں اُس پر ریشم کا فرش بچھاتے ہیں اور تکیے رکھے جاتے ہیں اور ایک ریشمی چھتر جس کی شکل گنبد سی ہوتی ہے کھول دیتے ہیں چھتر پر ایک جانور باز کی برابر سونے کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ بادشاہ ایک دروازہ سے جو محل کا ایک کونہ ہوتا ہے نکلتا ہے اُس کے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں کے درمیان ترکش ہوتا ہے اور سر پر طلائی شاشے (ٹوپی) ہوتی ہے جو ایک طلائی تسمہ کے ذریعہ سے گلے کے نیچے بندھی ہوئی

ہوتی ہے اور اس کے گوشے تیز چھری کی طرح باریک ہوتے ہیں جس کی درازی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے اُس کے بدن پر ایک سرخ روئیں دار رومی کپڑے کا جبہ ہوتا ہے جس کو مطنفس کہتے ہیں ۔ بادشاہ کے آگے آگے گانے بجانے والے ہوتے ہیں اُن کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کی کلغیاں ہوتی ہیں اور اُن کے پیچھے تین سو غلام ہتھیار بند ہوتے ہیں ۔

بادشاہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے اور پھیر پھیر کر لوگوں کی طرف دیکھتا جاتا ہے، اور پھر نہایت آہستگی سے چبوترا پر چڑھتا ہے جیسے کہ خطیب منبر پر چڑھا کرتا ہے۔ جب وہ بیٹھتا ہے نوبت نقارہ بجنے شروع ہو جاتے ہیں پھر تین غلام جلدی جلدی باہر آتے ہیں اور نائب کو اور باقی امیروں کو پکارتے ہیں وہ سب آتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں پھر دو گھوڑے جن کے ساتھ دو مینڈھے ہوتے ہیں لاتے ہیں دوغا دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور باقی سب آدمی درختوں کے نیچے باہر شارع عام میں بیٹھ جاتے ہیں ۔ حبشیوں سے زیادہ کوئی قوم اپنے بادشاہ کا ادب نہیں کرتی۔ وہ بادشاہ کی قسم کھاتے ہیں۔ جب بادشاہ برج میں بیٹھ کر اجلاس کرتا ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور کسی شخص کو بلاتا ہے تو وہ شخص اپنے کپڑے اتار دیتا ہے اور پرانے کپڑے پہن لیتا ہے سر سے عمامہ بھی اتار دیتا ہے اور ایک میلی کلاہ سر پر رکھ لیتا ہے اور اپنے پائنچے آدھی پنڈلی تک چڑھا لیتا ہے، اور نہایت ذلت اور غربت کی شکل بنا کر زمین پر کہنیاں ٹیکتا ہوا جاتا ہے یا رکوع میں کھڑا ہو کر بادشاہ کا کلام سنتا ہے ۔

جب اُن میں سے کوئی بادشاہ سے کچھ بات کرتا ہے اور بادشاہ اُس کا جواب دیتا ہے تو وہ شخص اپنی کمر سے کپڑے علیحدہ کر دیتا ہے اور خاک اپنے سر پر اور کمر پر ڈالتا ہے جیسے کہ غسل کرنے والا پانی ڈالتا ہے ۔ مجھے تعجب یہ ہوتا تھا کہ وہ خاک ان کی آنکھوں میں نہیں پڑتی تھی ۔ جب بادشاہ مجلس میں کوئی بات کہتا ہے تو کل حاضرین اپنے سروں سے عمامہ اتار دیتے ہیں اور خاموش ہو کر سنتے رہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حاضرین میں سے کوئی شخص بادشاہ کے روبرو کھڑا ہوتا ہے اور اپنی خدمتوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں روز یہ کام کیا

اور فلاں روز فلاں لڑائی کی تو جو شخص اُس کام سے واقف ہوتا ہے اُس کی تصدیق کرتا ہے اور تصدیق کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی کمان کو خوب کھینچ کر دفعتہً چھوڑ دیتا ہے اور اُس میں سے آواز نکلتی ہے جیسے کہ تیر کے پھینکنے کے وقت نکلا کرتی ہے جب بادشاہ کہتا ہے کہ تو نے کہا یا اُس کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ کپڑے اتار اپنے بدن پر خاک ڈالتا ہے اور یہ اُن کے رواج کے مطابق ادب کی علامت ہے۔

سلطان سوڈان کا عتاب

اپنی بنت عم اور ملکہ مملکت پر

جب میں مالی میں مقیم تھا تو بادشاہ اپنی بڑی بیوی پر جو اس کی چچا زاد بہن بھی تھی اور قاسا یعنی ملکہ کہلاتی تھی ناراض ہو گیا بڑی بیوی جس کا خطاب قاسا ہوتا ہے بادشاہ کے ساتھ حکمرانی میں شریک سمجھی جاتی ہے اور منبر پر خطبہ میں بادشاہ کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لیا جاتا ہے یہ رواج سوڈان کے ملکوں میں رائج ہے۔ بادشاہ نے اس ملکہ کو کسی امیر کے پاس قید کر دیا اور اس کی جگہ ایک دوسری عورت کو جس کا نام بنجو تھا ملکہ بنا لیا۔

یہ عورت شاہزادی نہ تھی اس لیے لوگوں میں اس کا چرچا ہوا اور ناراضی پھیلی۔ بادشاہ کی چچا زاد بہنیں بنجو کے پاس مبارک باد کہنے گئیں انھوں نے اپنی انگیاؤں پر راکھ ڈالی تھی۔ لیکن سر پر خاک نہیں ڈالی جب بادشاہ نے قاسا یعنی پہلی ملکہ کو قید سے چھوڑ دیا تو وہی شاہزادیاں اس کو مبارکبا کہنے گئیں اور حسب دستور انھوں نے اپنے سروں پر خاک ڈالی۔ بنجو نے بادشاہ سے شکایت کی بادشاہ اُن سے ناراض ہو گیا انھوں نے جامع مسجد میں پناہ لی تو بادشاہ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور اُن کو اپنے گھر بلا لیا، ان کا رواج ہے کہ جب بادشاہ کے روبرو ہو جاتی ہیں تو کپڑے اتار کر ننگے بدن ہو جاتی ہیں انھوں نے بھی ایسا ہی کیا بادشاہ اُن سے خوش ہو گئے وہ اس ملک کے دستور کے مطابق سات دن تک برابر صبح اور شام اسی طرح بادشاہ کے روبرو جاتی تھیں اور قاسا بھی اپنے غلام

اور کنیزوں کو ساتھ لے کر ہر روز گھوڑے پر سوار ہوتی تھی اُن سب کے سروں پر خاک ہوتی تھی اور نقاب ڈالے ہوئے شاہی محل کے چوک کے دروازے پر کھڑی ہو جاتی تھی اس کا چرچا بھی لوگوں میں بہت زیادہ ہوا تو بادشاہ نے سب لوگوں کو چوک میں جمع کیا اور بادشاہ کی طرف سے دوغا نے کہا کہ تم لوگوں میں قاسا کا بہت چرچا ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے ایک بڑا جرم کیا ہے اس کے بعد قاسا کی ایک کنیزک کو لائے جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اُس سے کہا کہ تو خود بیان کر اس نے بیان کیا کہ مجھے قاسا نے جاطل کے پاس جو بادشاہ کا چچا زاد بھائی ہے اور جو فرار ہو کر کنبرنی کے ملک کو چلا گیا ہے بھیجا تھا اور اس کو یہ پیغام دیا تھا کہ تو واپس آ جائیں اور تمام لشکر تیری مدد کریں گے تو بادشاہ کو تخت سے اتار دے۔ جب امیروں نے یہ قصہ سنا تو کہا کہ بے شک یہ بہت بڑا جرم ہے اور قاسا مستحق قتل کے ہے۔ قاسا کو خوف ہوا اور وہ خطیب کے گھر میں پناہ گزیں ہو گئی اور اس ملک کا دستور ہے کہ اگر مسجد میں جانا ممکن نہ ہو تو خطیب کے گھر میں کوئی مجرم گھس جائے تو وہ بھی معاف کیا جاتا ہے۔

سوڈانیوں کے عادات و رسوم

سوڈانی یعنی حبشیوں کے جو افعال مجھے پسند آئے وہ یہ ہیں کہ وہ ظلم بالکل روا نہیں رکھتے اور اُن کا بادشاہ انصاف میں کسی کی رعایت نہیں کرتا اُن کے ملک میں امن بھی بدرجہ غایت ہے اور نہ مسافر کو اور نہ مقیم کو چور ڈاکو سے بالکل اندیشہ نہیں۔ اگر کوئی گورا آدمی اُن کے ملک میں مر جاتا ہے تو اس کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے خواہ کسی قدر کثیر مال ہو جب تک اس کا وارث نہ آئے اُس مال کو کسی معتبر گورے آدمی کے پاس رکھوا دیتے ہیں۔ نماز کے بھی یہ لوگ سخت پابند ہیں، اور نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اگر کوئی لڑکا یا لڑکی نماز نہیں پڑھتی تو اُس کو مارتے ہیں جمعہ کے روز اس قدر ازدحام ہوتا ہے کہ اگر صبح سے پہلے جا کر جگہ نہ روکی جائے تو نماز کے وقت جگہ نہیں ملتی وہاں کے آدمی اپنے غلاموں کے ہاتھ اپنے اپنے مصلّے بھیج دیتے ہیں اور وہ مسجد میں بچھا دیتے ہیں اُن کے مصلّے ایک درخت کے پتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جو کھجور کے مشابہ ہوتا ہے لیکن پھل نہیں دیتا۔

یہ لوگ جمعہ کے دن سفید اور نفیس کپڑے پہنتے ہیں۔ اور اگر کسی کے پاس پرانا کرتا بھی ہوگا تو بھی اُس کو جمعہ کے دن پاک صاف اور سفید کر کے پہنے گا۔ یہ لوگ قرآن مجید کے حفظ کرتے میں نہایت محنت کرتے ہیں اور اگر کوئی بچہ قرآن حفظ کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو اُس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے ہیں اور جب تک وہ حفظ نہیں کر چکتا اُس کو نہیں چھوڑتے ہیں۔ عید کے دن قاضی سے ملنے گیا تو دیکھا کہ اس کے بیٹوں کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں میں نے کہا کہ تم ان کو چھوڑتے کیوں نہیں اُس نے کہا کہ جب تک قرآن حفظ نہیں کریں گے میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان لڑکا دیکھا وہ بہت عمدہ فاخرہ لباس پہنے ہوئے تھا لیکن پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا کہ اس لڑکے نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ وہ سن کر بہت ہنسا اور کہا قرآن حفظ نہ کرنے کے باعث اس کے بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں۔

ان لوگوں کے افعال جو مجھے ناپسند آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ لونڈیاں اور نوکر عورتیں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ننگی مادرزاد پھرتی ہیں رمضان کے مہینے میں اکثر ایسی عورتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ کیونکہ وہاں دستور ہے کہ ہر ایک امیر بادشاہ کے محل میں روزہ کھولتا ہے اور ہر ایک امیر کا کھانا بیس سے زیادہ لونڈیاں لاتی ہیں اور سب کی سب ننگی ہوتی ہیں۔ اور جب کوئی عورت بادشاہ کے سامنے آتی ہے تو ننگی آتی ہے اور بادشاہ کی بیٹیاں بھی ننگی ہوتی ہیں رمضان کی ستائیسویں شب کو میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے محل سے سو کے قریب عورتیں کھانا لے کر نکلیں اور ان کے ساتھ دو بادشاہ کی بیٹیاں بھی تھیں جو جوان تھیں اور اُن کے سینے ابھرے ہوئے تھے بالکل ننگی تھیں۔ اور یہ بھی اُن میں ایک عیب ہے کہ ادب کے لیے سروں پر خاک ڈالتے ہیں اور شاعر شعر پڑھنے کے وقت اپنی شکل مسخروں جیسی بناتے ہیں اور اکثر حبشی مردار کتے اور گدھے کھا جاتے ہیں۔

سوڈان کے آدم خور باشندے

حاجی فریا مغا نے مجھ سے بیان کیا کہ جب منسا موسےٰ اس ندی کے کنارے پہنچا تو اس کے ساتھ ایک گورا قاضی ابوالعباس دکالی نام تھا بادشاہ نے اس کو چار ہزار مثقال سونا عطا کیا جب مکہ میں پہنچے تو اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ چار ہزار مثقال سونا اس کے گھر سے چوری

ہوگیا بادشاہ نے میمہ کے حاکم کو بلوایا اور کہا کہ اگر چور پیدا نہیں کرے گا تو قتل کردیا جائے گا۔ اس حاکم نے بہت تلاش کی کچھ پتہ نہ ملا اور نہ اس ملک میں کوئی چور ہوتا ہے وہ قاضی کے مکان پر گیا اور اس کے نوکروں اور غلاموں پر سختی کی، ایک لونڈی نے کہہ دیا کہ قاضی کی چوری نہیں ہوئی اس نے اپنے ہاتھ سے کُل سونا فلاں جگہ زمین میں دفن کیا ہے۔ امیر سونے کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے آیا۔

بادشاہ قاضی پر بہت ناراض ہوا اور اس کو حبشیوں کے ملک میں جو آدمیوں کو کھا جاتے ہیں جلاوطن کر دیا۔ وہ ان کے ملک میں چار سال رہا۔ لیکن انھوں نے اس کو نہیں کھایا اور اس کو واپس بلا لیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ گورے آدمی کا کھانا نقصان کرتا ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ گورا آدمی کچا ہوتا ہے ابھی پختہ نہیں ہو چکتا اور کالا آدمی پختہ ہو جاتا ہے منسا سلیمان کے پاس اُن آدمیوں کی ایک جماعت آئی جو آدمی کو کھاتے ہیں ان کے ساتھ ان کا امیر بھی تھا۔ ان کے کانوں میں بڑی بڑی مرکیاں پڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر ایک مرکی کا طول آدھی بالشت سے کم نہیں ہوتا۔ وہ ریشم کے لحاف اوڑھے رہتے ہیں۔ اُن کے ملک میں سونے کی کان ہے۔

بادشاہ نے ان کی خاطر تواضع خوب کی اور ضیافت میں ان کو ایک آدمی بھی دیا وہ اس کو ذبح کر کے کھا گئے اور اس کا خون اپنے چہروں اور ہاتھوں پر لتھیڑ لیا اور بادشاہ کے پاس شکریہ ظاہر کرنے آئے۔ جب وہ آتے ہیں تو بادشاہ ان کو ایک آدمی ضیافت میں دیتا ہے مجھ سے کسی نے بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی دست اور سینہ کا گوشت بہت عمدہ ہوتا ہے۔

ٹمبکٹو

اس شہر کے باشندوں کے حیرت انگیز رسم و رواج

پھر ہم ٹمبکٹو پہنچے یہ شہر دریائے نیل سے چار میل کے فاصلہ پر ہے وہاں کے اکثر باشندے مسوفہ ہیں جو نیچے سے منہ تک چہرے کو کپڑے سے ڈھکا رکھتے ہیں۔ وہاں کا حاکم فرباموسےٰ ہے میں ایک روز اس کے پاس گیا تو اس وقت ایک مسوفہ جو اپنی قوم کا امیر تھا مع قوم کے آیا فربا موسےٰ نے اس کو خلعت میں ایک چادر اور ایک پیجامہ اور ایک عمامہ دیا یہ سب کپڑے رنگین تھے اور ڈھال پر بٹھایا اس کو قوم نے اس کو اپنے سروں پر اٹھا لیا۔ اس شہر میں ابو اسحاق ساحلی غرناطی شاعر کی قبر ہے وہ اپنے شہر میں طویجن کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور وہاں سراج الدین بن کویک کی بھی قبر ہے یہ شخص سکندریہ کا ایک بڑا تاجر تھا۔

جب منسا موسےٰ حج کے لیے گیا تھا تو مصر کے باہر حبشہ کے تالاب پر سراج الدین کے ایک باغ میں ٹھیرا تھا۔ اس وقت بادشاہ کو خرچ کی کچھ ضرورت ہوئی اس نے اور اس کے امیروں نے سراج الدین سے قرض لیا تھا۔ سراج الدین نے اُن کے ساتھ اپنا وکیل بھیجا وہ مالی میں ٹھیرا رہا اس کے بعد سراج الدین بھی اپنے بیٹے کو ہمراہ لے کر تقاضے کے لیے آیا۔ جب ٹمبکٹو میں پہنچا تو ابو اسحاق ساحلی نے اس کی دعوت کی وہ اتفاق سے اس رات کو مر گیا لوگوں نے چرچا کیا اور ابو اسحاق پر تہمت لگائی کہ اس نے سراج الدین کو زہر دے دیا۔ لیکن اس کے بیٹے نے کہا میں نے بھی تو وہی

بچھو بہت ہوتے ہیں۔ وہاں کا بچھو بچے کو مار ڈالتا ہے۔ لیکن بڑے آدمی شاذو نادر بچھو کے کاٹے سے مرتے ہیں۔

میرے ہوتے ایک روز بچھو نے شیخ سعید بن علی کے بیٹے کو کاٹا وہ صبح کے وقت مرگیا۔ میں بھی اس کے جنازے پر گیا۔ اس شہر کے باشندے سوا تجارت کے اور کچھ کام نہیں کرتے۔ ہر سال مصر جاتے ہیں اور وہاں سے کپڑے اور دیگر اشیا لاتے ہیں یہ لوگ بڑے مرفہ الحال اور آسودہ ہیں لونڈی غلام بھی اُن کے پاس بہ کثرت ہیں یہ ہی حال ایولاتن اور مالی کے باشندوں کا ہے۔ تعلیم یافتہ لونڈیاں بہت کم فروخت ہوتی ہیں اور بڑی قیمت پاتی ہیں جب میں تگدا میں پہنچا تو میں نے ایک تعلیم یافتہ لونڈی خریدنی چاہی مجھے دستیاب نہ ہوئی قاضی ابوابراہیم نے اپنے ایک دوست کی لونڈی میرے پاس بھیجی اور میں نے پچیس مثقال میں خریدلی۔ لیکن پھر اس کا مشتری نادم ہوا اور واپسی کی درخواست کی۔ میں نے کہا میں اس شرط پر واپس کردوں گا کہ مجھے کوئی اور بکتی ہوئی لونڈی بتلادے اس نے کہا کہ علی اغیول کے پاس ایک لونڈی بکاؤ ہے یہ شخص وہی مغربی ہے جس نے میرے بوجھ کے اٹھانے سے انکار کیا تھا اور میرے پیاسے غلام کو پانی دیا تھا میں نے اس کی لونڈی خریدلی وہ پہلی کنیزک سے اچھی تھی جو میں نے واپس کردی تھی۔ یہ مغربی بھی بیچنے کے بعد افسوس کرنے لگا اور واپسی کے لیے میری خوشامد کرنے لگا میں اس سے اس کی پہلی باتوں پر ناراض تھا اس لیے انتقام لینے کی غرض سے میں نے انکار کردیا کہ میں واپس نہیں کرتا لیکن جب وہ مجنوں ہونے لگا اور مرنے کے قریب ہوگیا میں نے وہ لونڈی اس کو واپس کردی۔ تگدا کے شہر کے باہر تانبے کی کان ہے زمین میں سے تانبا کھود کر شہر میں لاتے ہیں اور گھروں میں لاکر اس کو پگھلاتے ہیں ان کے غلام اور لونڈیاں بھی یہی کام کرتی ہیں جب تانبا پگھل کر سرخ ہوجاتا ہے تو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی سلاخیں بنالیتے ہیں بعض موٹی اور بعض پتلی ایک مثقال سونے کی عوض چار سو موٹی سلاخیں آتی ہیں اور پتلی سلاخیں چھ سو یا سات سو یہ سلاخیں روپے پیسے کی جگہ چلتی ہیں پتلی سلاخوں کے عوض گوشت اور بکری خریدتے ہیں اور موٹی سلاخوں کے بدلے غلام اور لونڈیاں اور جوار اور گھی اور گیہوں وغیرہ تانبا وہاں سے کوبر کے ملک میں لے جاتے ہیں جو کافر حبشیوں کا ملک ہے اور زغائی اور برنوا

میں بھی لے جاتے ہیں جو تکدا سے چالیس منزل فاصلہ پر ہے برانو کے باشندے مسلمان ہیں اُن کے بادشاہ کا نام ادریس ہے۔ وہ کسی کے سامنے نہیں آتا ہے پردہ کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے۔ وہاں سے خوب صورت لونڈیاں اور غلام اور سرخ رنگ کے کپڑے لاتے ہیں اور تانبا جو جو اور موہ تیوں وغیرہ کے ملک میں لے جاتے ہیں۔ جبکہ میں تکدا میں میں مقیم تھا تو ابو ابراہیم قاضی اور محمد خطیب اور ابو حفص مدرس اور شیخ سعید بن علی تکدا کے بادشاہ کے پاس جانے لگے یہ شخص بربری ہے اس کا نام ازار ہے وہ تکدا سے ایک دن ایک رستہ پر تھا اور ایک اور بربری بادشاہ کے ساتھ جس کا نام تکرکری تھا اس کا تنازعہ تھا۔ لوگ اُن کی صلح کرانے جاتے تھے میں بھی ایک بدرقہ لے کر وہاں گیا یہ لوگ جو پہلے گئے تھے انھوں نے بادشاہ کو میرے آنے کی خبر دی وہ میری ملاقات کو بے زین کے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ یہ لوگ گھوڑے پر زین نہیں رکھتے فقط ایک بستر سرخ رنگ کا نہایت خوب صورت گھوڑے کی پیٹھ پر بجائے زین کے ڈال لیتے ہیں اور بادشاہ ایک چادر اور پیجامہ اور عمامہ جو نیلے رنگ کے تھے پہنے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ اس کے بھانجے تھے اس قوم میں بھانجا وارث ہوتا ہے جب وہ آیا تو ہم تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور بادشاہ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

بادشاہ نے میرا حال دریافت کیا میں نے کل حال سنایا بادشاہ نے مجھے اپنے متعلقین میں سے ایک کے مکان میں ٹھیرا دیا اور گوسفند کی بھنی سری سیخ پر چڑھی ہوئی میرے لیے بھیجی اور گائے کے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا ہمارے مکان کے متصل ہی اس کی ماں اور بہن کا گھر تھا۔ وہ دونوں ہمارے پاس آئیں اور ہمیں سلام کیا اس کی ماں میرے لیے رات کو دودھ بھیجا کرتی تھی وہ رات کو دودھ دوہتے ہیں اور اس وقت اور دوسرے دن صبح کو دودھ پیا کرتے ہیں۔ اناج بالکل نہیں کھاتے اور نہ اناج کو جانتے ہیں اُن کے پاس چھ دن ٹھیرا وہ بادشاہ میرے لیے ہر روز دو بینڈھے بنے ہوئے ایک صبح کو اور ایک شام کو بھیجا کرتا تھا اور ایک اونٹنی اور دس مثقال سونا مجھے رخصت کے وقت دیا۔ وہاں سے رخصت ہو کر میں تکدا کے شہر میں آیا۔ *

چلے وہاں پانی مل سکتا ہے لیکن آبادی نہیں پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو رستے ہو جاتے ہیں ایک رستہ تو توات کو جاتا ہے اور دوسرا غایت ہو کر مصر کو۔ یہاں پانی کے تالاب ہیں۔ یہ پانی لوہے کی کان میں سے گذر کر آتا ہے اگر سفید کپڑا اس میں دھویا جائے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔

وہاں سے دس دن سفر کر کے ہکار میں پہنچے یہاں کے باشندے بھی بربر ہیں اور منہ ڈھکا ہوا رکھتے ہیں یہ لوگ اچھے نہیں ان کا ایک سردار ہمیں ملا اس نے قافلہ کو روک لیا اور جب تک کپڑے اور مال نہ لے لیا آگے نہ جانے دیا ہم ان کے ملک میں رمضان کے ملک میں پہنچے یہ لوگ رمضان کے مہینے میں رستہ نہیں لوٹتے اور قافلوں کو کچھ نہیں کہتے اور اگر کوئی چور بھی رستے میں مال پڑا ہوا پاتا ہے تو اس کو نہیں اٹھاتا یہ ہی حال کل بربر لوگوں کا ہے جو اس رستے پر رہتے ہیں ہکار کے ملک میں ہم برابر ایک مہینے تک سفر کرتے رہے اس میں سبزی بہت کم ہے اور پتھر بہت زیادہ ہیں رستہ بڑا کٹھن ہے عید کے دن ہم بربروں کے ملک میں پہنچے یہ بھی منہ ڈھکا رکھتے ہیں انھوں نے ہمیں ہمارے ملک کا حال سنایا اور بتلایا کہ بنی خراج اور بنی منور باغی ہو گئے ہیں اور توات کے علاقہ میں تسابیت میں مقیم ہیں قافلہ والوں کو یہ خبر سنکر اندیشہ ہوا۔

پھر ہم بودا میں پہنچے یہ توات کے ملک کا ایک بڑا گاؤں ہے وہاں کی زمین ریگستان اور شور ہے اور کھجور بکثرت ہوتی ہے مگر اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن وہاں کے لوگ اس کو سجلماسہ کی کھجور سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں غلہ ہوتا ہے نہ وہاں گھی ہوتا ہے نہ تیل۔ یہ چیزیں وہ مغرب کے ملک سے لاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے کھجور اور ٹڈی پر گذران کرتے ہیں۔ ٹڈی بکثرت ہوتی ہے اس کے کوٹھے بھر لیتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں صبح سے پہلے اس کو پکڑتے ہیں کیونکہ وہ رات کے وقت سردی کے سبب سے اڑ نہیں سکتی بودا میں ہم نے کئی دن تک قیام کیا وہاں سے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا اور ذی قعدہ کے وسط میں سجلماسہ کے شہر میں پہنچ گیا اور وہاں سے ذی الحجہ کی دوسری تاریخ کو چلا یہ سخت جاڑے کا موسم تھا رستے میں برف نہایت کثرت سے پڑی برف کی کثرت اور سخت رستے میں نے سمرقند و بخارا اور خراسان اور ترکستان میں دیکھے تھے لیکن ام جنیبہ کا رستہ وہاں سے زیادہ دشوار گذرا

وطن کی کشش

جب میں تکدا میں واپس آیا تو محمد بن سعید سجلماسی کا ایک غلام آیا اور امیر المومنین کا خط لایا جس میں مجھے حکم تھا کہ میں دارالخلافہ میں حاضر ہو جاؤں میں نے فرمان کو بوسہ دیا اور فوراً حکم کی تعمیل شروع کی ایک ثلث اور سنتیس[۳۷] مثقال سونے میں میں نے دو اونٹ اپنی سواری کے لیے خریدے اور توات کی جانب چل پڑا۔ ستر دن کا زاد راہ اپنے ساتھ لیا کیونکہ تکدا اور توات کے درمیان کچھ اناج نہیں ملتا ہے فقط گوشت اور دودھ اور گھی کپڑوں کے عوض میسر آسکتا ہے۔

مسافر اپنے وطن پھر واپس آتا ہے

میں تکدا سے جمعرات کے دن شعبان کی گیارھویں کو ایک بڑے قافلہ کے ساتھ چلا اس قافلہ میں جعفر تواتی بھی تھا یہ شخص بڑا فاضل عالم ہے اور ہمارے ساتھ فقیہ محمد بن عبداللہ تکدا کا قاضی بھی تھا اس قافلہ میں چھ سو کے قریب لونڈیاں تھیں۔ وہاں سے ہم کابر کے شہر میں پہنچے جو کرکری کے سلطان کا علاقہ ہے۔ اس ملک میں جڑی بوٹی بہت ہوتی ہے یہاں لوگ بربروں سے بکریاں خریدتے ہیں اور ان کا گوشت سکھا کر توات لے جاتے ہیں۔ وہاں سے چل کر ہم صحرا میں داخل ہوئے تین روز تک کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ پانی مل سکتا ہے اس کے بعد پندرہ دن اور صحرا میں

پایا عید الضحےٰ کی رات کو ہم دارالطمع میں پہنچے عید کے دن میں وہاں ٹھیرا وہاں سے چل کر پھر دارالخلافہ فاس میں پہنچا اور امیرالمومنین کی دست بوسی اور زیارت کا فخر حاصل کیا اور یہ دور دراز سفر کر کے اس کے سایۂ عاطفت میں قیام کیا خدا تعالےٰ اس کے سایہ ہم لوگوں پر تادیر سلامت رکھے۔

یہ سفر نامہ یہاں ختم ہوا اور اس کی تحریر سے آج ۳۔ ذی الحجہ ۷۵۶ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔ ابن بطوطہ